حقائق و معارف قرآنیہ کا سلسلہ نمبر ۹

احکام القرآن

حصہ اول

(جس میں کتاب الآداب والاخلاق شامل ہیں)

مرتبہ

عرفانی الکبیر

مطبوعہ اسلامی پریس بازار نور الامرا حیدرآباد دکن

۱۰۰۰ ... ۵ مارچ ۱۹۶ؑ قیمت ... سکہ ہند و پاکستان

اِنتساب

ان تمام مخلص دوستوں کے نام جو
قرآن کریم کی اشاعت کیلئے حقیقی اور عملی
جوش رکھتے ہیں۔

عرفانی الکبیر

اے بے خبر بجز مت قرآن کمر بہ بند
زاں پیشتر کہ بانگ برآید فلاں نماند

عرض حال

الحمد للہ ثم الحمد للہ کہ احکام القرآن کا پہلا حصہ بھی شائع ہو گیا۔ کتاب الاداب

دوسرے حصہ اور کتاب الاخلاق کو میں نے اسی میں ضم کر دیا ہے پہلا حصہ ۲۴

و پنچ ختم کر دیا گیا اسلئے کہ بڑے حجم سے کتاب کی جلد بندی میں خوبی نہیں رہتی

اوہ ازیں یہ سلسلہ تالیفات محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے چند مخلصین کی

بصلہ افرادی اور تعاون سے چل رہا ہے میں خود ثواب کے لئے دعا کرتا ہی ہوں

سے بھی درخواست کرتا ہوں اس سلسلہ کی ابتداء میں مکرم شرق صاحب

نی اہلیہ مغفورہ کے ایصال ثواب کے لئے اس کے ترکہ میں سے اپنا سارا حصہ

ور اپنے بچوں کی طرف سے جزاً دیدیا تھا اس ایصال ثواب کے سلسلہ

ں نیا اضافہ مکرم مولوی محمد اکبر علی صاحب احمد

اطمہ لی صاحبہ اہلیہ محترمہ مولوی

اس وقت غیر متوقع طور پر سیٹھ مولوی محمد معین الدین صاحب خلف اکبر
سیٹھ محمد حسین صاحب نے بھی بغیر میری کسی تحریک کے حصہ لیا ہے اور حیات احمد
کے فی جزو کے لئے ۸ آنہ کی قیمت دی ہے وہ دوسرے طریقوں سے خود بھی اشاعت
کے کام میں ایک نمایاں حصہ لے رہے ہیں باقاعدہ ٹریکٹ۔ تقریریں شائع
کرکے تقسیم کرتے ہیں اور سیٹھ عبداللہ بھائی کے نظام تبلیغ واشاعت کے
ماتحت چند نوجوان [illegible] مولوی محمد اسمٰعیل وکیل مولوی محمد عبداللہ بی۔ ایس۔ سی
[illegible] تقسیم محنت کے اصول پر کام کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ
ان کی سعی کو مشکور فرمائے میں ان سب کے لئے قارئین کرام سے درخواست
دعا کرتا ہوں۔ اور پھر خود حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد
کے موافق اس تعاون کے لئے اپنے قلب کو ان کے لئے جذبات شکر سے
[illegible] دعا کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے امیدوار

فہرست مضامین احکام القرآن

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

حرفِ اوّل

الحمد للہ ثم الحمد للہ کہ اس نے محض اپنے فضل و رحم سے مجھے توفیق بخشی کہ میں کتاب الآداب کا پہلا حصہ شائع کر سکا۔ مجھے اپنی کمزوریوں کا پورا شعور ہے مگر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کی راہ میں کوئی روک نہیں ہو سکتی۔ اور حقیقت میں کوئی جس قدر اپنی کمزوری کا احساس کرتا اور اسکے دروازہ کو کھٹکھٹاتا ہے اسی قدر اس پر باب رحمت کھلتا جاتا ہے۔

ابتدا میرا خیال تھا کہ میں کتاب الآداب والاخلاق کو ایک ہی جلد میں لکھدوں۔ لیکن جب میں نے آداب و اخلاق کے انتخاب پر غور کیا تو مجھے یہی مناسب معلوم ہوا کہ کتاب الآداب کو الگ لکھدوں۔ اس کے پہلے حصہ کو شائع کرنے کے بعد جب میں نے دوسرے حصہ کی طرف توجہ کی تو مجھے محسوس ہوا کہ آداب، اخلاق اور احکام تینوں میں ایک ربط ہے اور اگر ہر ایک پر جدا جدا کتابیں لکھی جاویں تو یہ کام بہت لمبا ہوگا اور ضخیم بھی۔ اس لئے میں نے مناسب سمجھا کہ **احکام القرآن** کے نام سے ہی ایک کتاب لکھی جاوے۔ اور اسی میں کتاب الاخلاق کو ضم کر دیا جاوے اور وہ اس طرح کہ احکام پر تفسیری نوٹوں میں اخلاقی تعلیمات کو واضح اور مبرہن کیا جاوے۔

شبہ نہیں کہ اس طرح یہ ایک آسانی ہو جائے گی۔ البتہ اخلاق
فہ کو الگ باب میں ابتداً بیان کر دیا جاوے۔

نظر تالیفات میں

احکام القرآن کو محض ایک فہرست اوامر و نواہی کے
طور پر لکھ دینا تو کوئی بڑی بات نہیں اس قسم کی
کتابیں مختلف ناموں سے اور مختلف رنگوں میں لکھی جا چکی ہیں
زیر نظر جو امر ان تمام تالیفات میں ہے وہ ایک ہی ہے کہ قرآن
جمال اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال کا اظہار ہو۔
کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کا امتیازی مقام

یعلمھم الکتاب والحکمۃ ویزکیھم

اور حضور نے اپنی بعثت کے اغراض میں فرمایا کہ میں تکمیل اخلاق
مبعوث ہوا ہوں۔ اس لئے احکام القرآن کے بیان میں اس
کا اظہار ضروری ہے۔

اگرچہ دنیا کے ہر حصہ اور ہر قوم میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء
ث فرمایا اور وہ مختلف ناموں سے آئے اور اللہ تعالیٰ کے
ہی کر آئے مگر ان میں سے یہ خصوصیت حضرت خاتم النبیین
علیہ وسلم ہی کے لئے مقدر تھی کہ وہ معلم الحکمۃ بھی ہوں۔
بوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا میں بھی اس کا اظہا
ور جب دعائے ابراہیمی کا ظہور سید الاولین والاخرین (صلی اللہ
وسلم) کے وجود میں ہوا تو قرآن کریم نے آپ کے مقاصد دعوت

و منصب نبوۃ میں اس چیز کو داخل کیا۔ اس لئے میں ضروری سمجھتا
ہوں کہ احکام القرآن کے بیان میں اس حقیقت اور فلسفہ کو بھی
بیان کیا جاوے جو دوسرے انبیاء علیہم السلام کی دعوۃ و
تبلیغ کے مقابلہ میں

حضرت سرور کائنات کے مقام کو ممتاز کرتا ہے

مجھے اس اعتراف میں خوشی ہی نہیں بلکہ فخر ہے کہ میں قدیم
و جدید فلسفہ و حکمت کے رموز سے ناآشنا ہوں۔ میں نے جو کچھ مطالعہ
فطرت سے قرآن مجید کی روشنی میں سمجھا ہے اسے بیان کرتا ہوں
ممکن ہے کہ میرے بیان میں کمزوری ہو میرے نقطہ نگاہ میں غلطی
ہو۔ وہ میری غلطی اور کمزوری ہوگی۔ میری ناقابلیت کی دلیل
ہوگی۔ لیکن قرآن کریم کی بیان کردہ حکمت بہرحال ایک حق اور
صداقت ہی رہے گی۔

غرض میں نے ضروری سمجھا کہ اس مقصد کے پیش نظر جو
قرآن کریم کے حسن و جمال اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے
کمال کا اظہار ہے

احکام القرآن لکھوں

اور اسی سلسلہ میں کتاب الاخلاق اور کتاب الآداب کا
دوسرا حصہ بھی آجائے گا۔ اس لئے کہ قرآن کریم کے احکام کا مقصد

انسان کی روحانی اور اخلاقی تربیت ہے

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ انسان کیا ہے ؟ کیا

انسان کیا ہے

وہ پیکر جو مختلف قسم کے اعضاء اور جوارح رکھتا ہوا
ـرے سامنے ہے انسان ہے اس میں کچھ شک نہیں کہ جس پیکر کو ہم
ـالت حیات دیکھتے ہیں اس کو انسان عرف عام میں کہتے ہیں لیکن
ـیقت اس سے بہت بلند ہے یہ جو ہم دیکھتے ہیں یہ ایک مادی جسم
ـہیولیٰ ہے۔ جسمیں عمل تعمیر و تحلیل جاری رہتا ہے۔ اسکی قوتیں
ـر جسمانی صورت میں ایک وقت تک ترقی ہوتی ہے پھر زوال اور
ـنطاط شروع ہوتا آخر وہ فنا ہو جاتا ہے۔

میں اس مسئلہ میں طبی نقطہ خیال سے بحث نہیں کروں گا
ـس مادی جسم میں کس قسم کے تغیرات ہوتے ہیں اور ایک عرصہ
ـے بعد ایک نیا جسم ہو جاتا ہے چونکہ تغیرات قدرتی ہوتے ہیں۔
ـس لئے ہم محسوس نہیں کرتے۔

لیکن یہ خیال کہ انسان اس مادی جسم کا نام ہے۔ صحیح نہیں
ـنسان سے اسی قدر مراد ہوتی تو پھر اسے شرف انسانیت کیوں
ـدیا جاتا اس کی تعلیم و تربیت کے لئے کائنات کو پیدا کرنے ہی کی کیا
ـضرورت تھی۔ یہ بڑا وسیع مضمون ہے۔ ضمناً مجھے اس پر کچھ
ـہنا پڑا ہے۔

جہاں تک میں نے قرآن کریم کو سمجھا ہے۔ میں اسے بیان کرنے

کی کوشش کروں گا۔ میرے نزدیک انسان اسی مادی جسم کا نام نہیں مادی جسم کے لحاظ سے تو دنیا میں بڑے بڑے عظیم الجثہ جانور ہاتھی گھوڑے وہیل مچھلی وغیرہ موجود ہیں۔ لیکن باوجود عظیم الجثہ ہونے کے وہ انسان نہیں۔

غرض انسان سے مراد وہ قوتیں اور استعدادیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اس خاکی پتلے میں رکھی ہیں۔ اور جو اس جسم مادی میں ایک خاص تقدیر (اندازہ اور مقصد تخلیق) اور ترتیب سے رکھی گئی ہیں مادی جسم ایک قالب ہے جس میں وہ قوتیں اور استعدادیں رکھی گئی ہیں۔ اس کی بیسیوں مثالیں دی جا سکتی ہیں۔ اور غور کرنے والا انسان باسانی کائنات میں ان اسرار کو ایک حد تک پڑھ سکتا ہے اللہ نے ان قوتوں اور استعدادوں کے پیش نظر ہی ساری کائنات کو اس کے لئے مسخر کر دیا۔ اور انسان نے ان قوتوں کے ذریعہ جو کام لیا ہے۔ وہ آج ہمارے سامنے ہے۔

میں نے ابھی کہا ہے کہ میں نے قرآن کریم سے جو کچھ سمجھا ہے اسے بیان کرتا ہوں میں اسکی طرف صرف اشارہ کروں گا۔ تفصیلی بحث کا یہ موقعہ نہیں۔

تخلیق انسانی کے مراتب ستہ

قرآن مجید نے تخلیق انسانی کے مراتب ستہ نطفہ علقہ۔ مضغہ وغیرہ بیان کرتے ہوئے آخری تخلیق کو فرمایا **ثم انشأناه خلقاً آخر** اور اس کے متعلق فرمایا:۔

فتبارک اللہ احسن الخالقین

پہلے مراتب جسمانی ساخت کے اجزا ہیں اور وہ انسانیت نہیں۔ انسانیت کی طرف اشارہ اس خلق آخر میں کیا گیا ہے۔ پھر اسی تخلیق انسانی کے متعلق اس کے مادی جسم کی ترکیب و تحلیل کو بیان کیا ہے۔ جس کا ذکر میں نے شروع میں کیا ہے۔ فرماتا ہے دیکھو سورۃ روم پارہ ۲۱ رکوع ۶ پہلی آیت۔

اللّٰهُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن ضَعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِن بَعْدِ ضَعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِن بَعْدِ قُوَّةٍ ضَعْفًا وَشَيْبَةً ۚ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۖ وَهُوَ الْعَلِيمُ الْقَدِيرُ

ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے تم کو ضعف کی حالت میں پیدا کیا پھر اس ضعف کے بعد قوت دی پھر اس قوت کو ضعف سے تبدیل کر دیا اور بڑھاپا آ گیا (سچ یہی ہے کہ) کہ جو وہ چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ لیکن وہ پیدائش ایک علمی حیثیت اور ایک اندازہ کو لئے ہوئے ہوتی ہے۔ اس لئے اللہ علیم قدیر نے اسے پیدا کیا ہے۔

قرآن مجید میں اس مضمون کو مختلف رنگوں میں وسعت کے ساتھ بیان کیا گیا مجھے یہ ضمنی ذکر اس لئے کرنا پڑا کہ احکام قرآنی کے ذیل میں جو میں اخلاقی بحث کروں گا اور جسے کتاب الاخلاق میں الگ کرنا چاہتا تھا۔ اس کے سمجھنے میں آسانی ہو کہ ان قوتوں اور استعدادوں کی تعدیل ہی اخلاق کا صحیح مفہوم ہے۔ اور احکام قرآنی کی حکمت بیان کرتے وقت میں ان پر بھی تشریحی نوٹ

لکھنے کی سعی کروں گا۔ وباللہ التوفیق

اس طرح یہ کتاب احکام القرآن دراصل کتاب الاخلاق والآداب کی بھی جامع ہے اور میں احکام القرآن کے بیان سے پہلے مناسب سمجھتا ہوں کہ علم الاخلاق کے متعلق ایک اجمالی بیان بھی لکھدوں اس سے اخلاقی کیفیات کے سمجھنے میں آسانی ہو گی۔

اس سلسلہ میں یہ بھی عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ یہ سلسلہ تالیفات نہ تو کسی تجارتی مقصد کے پیش نظر اور نہ کسی مستقل سرمایہ کی بنیاد پر جاری کیا گیا۔ اور زندگی کا کوئی اعتبار اور بھروسہ نہیں۔ اس لئے بہت ممکن ہے کہ احکام القرآن بہت بڑی مبسوط تالیف ہو جائے اور اسے مختلف حصوں میں شائع کرنا پڑے۔ اگر اشاعت میں تعویق ہو جاوے تو قارئین کرام صبر اور حوصلہ سے کام لیں ہاں جس قدر وہ اس سلسلہ کی اشاعت میں دلچسپی لیں گے اسی قدر سہولت اسکی تکمیل کے لئے بظاہر اسباب پیدا ہو سکتی ہے۔

جو بزرگ پہلے سے اس سلسلہ کے معین و مددگار ہیں میں اللہ کے حضور ان کے لئے ہر قسم کی برکات و ترقیات کے لئے دعا کرتا ہوں اور قارئین کرام سے بھی یہی درخواست کرتا ہوں کہ وہ اپنی دعاؤں میں ان ناصرانِ دین کے لئے دعا کریں۔

خدایا صد کرم کن بر کسے کو ناصرِ دین است ⁂ بلائے او بگرداں گر بجہے آفت شود پیدا

آخر میں اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی تمام کمزوریوں اور جہالتوں کو پیش کرتے ہوئے اسی کے باب رحمت کو کھٹکھٹاتا ہوں کہ مجھے صحیح علم و فہم عطا فرما دے۔ اور میرے سینہ کو کھولکے میرے بیان میں قوت و تاثیر پیدا کر دے اور توفیق بخشے کہ اس کام میں میرے قلب کے کسی گوشہ میں بھی اسکی رضا کے خلاف کوئی خواہش نہ رہے میری نیت میں اخلاص اور صواب عطا فرمائے اور اس کام کی تکمیل روزی کرے امین

اے میرے مولیٰ!

آغاز کردہ ام تو رسانی بہ انتہا

خاکسار: عزیز فانی الکبیر
۱۴ / جنوری ۱۹۵۲ء

باب اول

علم الاخلاق کی ارتقائی تاریخ

علم الاخلاق کی ارتقائی تاریخ

علم الاخلاق کی ارتقائی تاریخ تفصیل سے بیان کرنے سے قاصر ہوں
اس لئے کہ یہ بجائے خود ایک مستقل موضوع اور مستقل تالیف کا طالب
ہے۔ اس موضوع پر مختلف لوگوں نے مختلف ممالک میں مختلف
نقطہ ہائے خیال کے مد نظر بڑی بڑی تالیفات شایع کی ہونگی
میرے علم میں وہ نہیں۔ مگر میں قیاس کرتا ہوں کہ ایسی کتابیں لکھی
گئی ہیں اس لئے کہ ہر قوم اپنے اخلاق کا مظاہرہ کرنا چاہتی ہے اور
اس کی تعلیم کی اشاعت ضروری سمجھتی ہے۔

میں جو کچھ بیان کرنا چاہتا ہوں وہ قرآن کریم کی روشنی میں
بیان کرنے کی کوشش کروں گا۔ اور اس کے ضمن میں اخلاق اسکی
اقسام اس کے علمی اور عملی موثرات اور ثمرات بہت سی چیزیں آئینگی
اور میں یہ بھی بتانے کوشش کروں گا کہ مختلف اوقات میں جو
فلسفۂ اخلاق سمجھا گیا یا بیان کیا گیا قرآن کریم نے ان نظریوں اور
خیالات میں کیا

امتیازی صورت اختیار کی؟

اس مقصد کے لئے اجمالی رنگ میں اخلاقیات کی تاریخ پر
ایک سرسری نظر کرنی ضروری ہوگی۔ اور میں یہاں سے اس کی ابتدا
کرتا ہوں۔

اخلاقیات کی اجمالی تاریخ

جن لوگوں نے علم الاخلاق کی تاریخ پر تحقیقاتی غور کیا
اور کتابیں شائع کی ہیں انہوں نے بڑی چھان
بین کی ہے دماغی دلچسپی کے لئے وہ ایک کہانی ہو سکتی ہے مگر اخلاق
کی تاریخ سے زیادہ تر عملی تاریخ دلچسپ ہونی چاہیئے بہرحال تاریخ
بجائے خود ایک زمانہ تک مستور رہی اور بعد میں آنے والوں نے
مختلف ذرائع سے اس کو اپنے نقطہ نظر سے جمع کرنا شروع کیا۔

میں اخلاقی تاریخ کی ابتدا اس وقت سے شروع کرتا ہوں۔
جب اللہ تعالٰے نے انسانی ہدایت کے لئے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث
کرنا شروع کیا اسکی تاریخ کی ابتدا ہم نہیں بتا سکتے اور حقیقی اور صحیح معنوں میں

اخلاقی معلم انبیاء علیہم السلام ہی تھے

قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ آدم علیہ السلام کے زمانہ میں
عائلی تمدن اور اس کے مناسب حال اخلاق کی تعلیم کا آغاز ہوتا
ہے۔ اس کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کے عہد رسالت میں اخلاق
بنیاد رکھی جاتی نظر آتی ہے اور حضرت نوحؑ نے اس بنیاد کو

توحید الٰہی پر رکھا

اور انسانی شرف کو اس کے ماننے والوں سے مختص کر دیا قوم
میں جو اونچ نیچ کا خیال تھا اور حضرت نوحؑ کے انکار میں یہ بھی بڑی
دلیل تھی کہ ان کے ماننے والوں کو ارازل کہتے تھے۔ مگر حضرت نوحؑ
نے منکرین کے مطالبہ کو یہ کہہ کر رد کر دیا کہ

"اگر میں ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں اپنے پاس سے نکال دوں اور اللہ تعالےٰ کی طرف سے مجھ سے مواخذہ ہو تو کون ہے جو میری مدد کرے گا۔"

حضرت نوحؑ نے یہ اخلاقی سبق دیا کہ دنیا کا مال و دولت یا حکومت یا اور کوئی امر محض غریب اور حقیر مخلوق کو جبکہ وہ اللہ تعالیٰ کے مخلص فرمان بردار بھی ہوں) نفرت کے لایق نہیں ٹھہراتا۔

انسانی مساوات اپنی جگہ پر ہے باعث امتیاز و شرف اللہ تعالیٰ کے احکام کو قبول کرنا ہے۔ یہ اخلاقی سبق حضرت نوحؑ کے درس میں ملتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہو کہ

اخلاق کی بنیاد مذہب پر ہے

اور اسکی ابتدائی تاریخ یہاں سے ہی شروع ہوتی ہے۔ امتداد زمانہ کے بعد اخلاقیات کے مختلف نظریے قائم ہوتے گئے۔ اور فلاسفہ یونان نے اپنے وقت میں اس پر بڑی بحثیں کیں۔ سقراط نے اپنی تعلیم میں اس کو داخل کیا اور اسکی اخلاقی تعلیم کو بدقسمت یونان نے ایک جرم قرار دیکر

اسے زہر کا پیالہ پینے کا حکم دیا۔

ارسطو نے اپنی شہرآفاق کتاب علم الاخلاق بھی آنے والے ادوار میں ان نظریوں میں مختلف قسم کی بحثیں ہوتی آئیں۔ اور بالآخر اخلاق کا تعلق مذہب ہی سے وابستہ ہوا موسوی شریعت اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ہدایات میں

اخلاق کی حقیقی بنیاد خدا کی وحی پر ہے

اخلاقی تعلیم کا بہت بڑا حصہ ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ جس قدر اخلاقی تعلیمات اس وقت تک پیش کی گئیں وہ وقتی تھیں اور اس زمانے کے لحاظ سے اپنے اندر ایک کمال بھی رکھتی تھیں لیکن اس کی تکمیل حضرت سید المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود سے وابستہ تھی اس لئے آپ نے فرمایا

میں تکمیل اخلاق کیلئے مبعوث ہوا ہوں

عہد اسلامیہ میں جب مختلف علوم نے ترقی کی تو اخلاقی فلسفہ پر بھی بہت سی کتابیں لکھی گئیں۔ یونانی علوم اور فلسفہ پر تحقیقات کرنے والے اسلامی حکماء اپنے زمانہ میں اور آج بھی واجب الاحترام ہیں اور اس عہد کے علماء فلاسفہ جن کو مذہب سے تعلق نہیں ان کا نام عزت سے لیتے ہیں جیسے ابن رشد۔ فارابی۔ بو علی سینا وغیرہم مگر اسلام کا اصل حسن اور کمال اس علم میں ہے جسکو علم الاخلاق کہتے ہیں اور متقدمین میں ایسے علماء بھی نمایاں ہوئے جنہوں نے اخلاقیات کی خوبیوں کو علوم عقلیہ کی روشنی میں بھی نمایاں کیا۔ ان علماء اخلاقیات کا بھی ایک وسیع سلسلہ ہے اور ان میں بڑے بڑے حکماء اخلاق کے نام لئے جاسکتے ہیں جیسے امام غزالی شیخ اکبر۔ ابن قیم۔ مولانا رومی۔ رحمہم اللہ اجمعین

اور اس تیرہ خاک ہند سے پیدا ہونے والے حضرت مجدد الف ثانی

اور شاہ ولی اللہ دہلوی رضی اللہ عنہم ان تمام بزرگوں نے اپنے اپنے رنگ میں علم الاخلاق کی تصریحات کیں۔ اور ان کے اسرار بھی بیان کرنے کی کوشش کی اور لاریب انکی خدمات قابل قدر اور لائق ستایش ہیں اور کیوں نہ ہو کہ وہ اپنے وقت کے خدا تعالیٰ کی طرف سے مبعوث شدہ

مجدد تھے

لیکن جس طرح اخلاقی تعلیم کی تکمیل حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے ہوئی ہیں بلا خوف تردید کہوں گا کہ

فلسفہ اخلاق کی تکمیل عصر حاضر کے امام نے کی (علیہ الصلوٰۃ والسلام)

جیسا کہ میں بتاؤں گا۔ مومن کلمۃ الحکمۃ کو اپنی متاع یقین کرتا ہے اور جہاں سے بھی ملے اس کو لینے کے لئے تیار رہتا ہے اور رہنا چاہئے پھر جب وہ نور اور معرفت اس کے ذریعہ سے ملے جس نے کہا ہو کہ

میں نے جو کچھ پایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے پایا

اور کہا کہ

دگر استاد را نامے ندانم ؎ کہ خواندم در دبستانِ محمدؐ

یہ ہے فلسفہ اخلاق کی اجمالی تاریخ میرے نقطہ نظر سے اسکی بنیاد مذہب نے رکھی اور اس کی تکمیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہوئی۔

اسلامی علم الاخلاق کے امتیازات

اس اجمالی تاریخ کے بیان کے بعد میں،
علم الاخلاق کے ان امتیازات کو بیان
کرنا چاہتا ہوں جو دوسرے معلمین اخلاق کی تعلیمات میں نہیں پائے
جاتے ان امتیازات کے بیان سے میرا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ میں
ان اخلاقی تعلیمات کی تحقیر کرتا ہوں خصوصاً ایسی حالت میں،
جبکہ ان کی بنیاد مذہب پر اور خدا تعالیٰ کی وحی پر رکھی گئی ہو
بلکہ میں ان امتیازات کے بیان سے اسلام کے اس نقطہ کمال
کا اظہار کرنا چاہتا ہوں

جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ ہوا

اور جو اس دعوے کا ثبوت ہے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے
اپنی بعثت کے اغراض کے بیان میں فرمایا

کہ میں اخلاق کی تکمیل کے لئے آیا ہوں

پہلا اور بنیادی امتیاز

قرآن کریم کے ذریعہ جو اخلاقی تعلیم دی گئی ہے اسنے اسکی بنیاد
فطرۃ پر رکھی ہے اسلئے اسلام کو دین الفطرۃ کہا ہے
اور قرآن کریم نے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امر کی
وضاحت فرمائی ہے کہ انسان بے لوث اور پاک فطرۃ لیکر دنیا
میں آتا ہے برخلاف اس کے بعض دوسرے مذاہب جو اپنی جگہ،
اخلاقی تعلیم کے بھی مدعی ہیں۔ وہ اس صداقت کا انکار کرتے ہیں
مثلاً عیسائی یہ یقین رکھتے ہیں کہ انسان فطرۃ گنہگار پیدا

ہوتا ہے اور تناسخ کے ماننے والے کہتے ہیں کہ گناہ انسان سے جدا ہی نہیں ہو سکتا اور دنیا کی ساری مخلوقات گویا انسانی گناہوں کی تخلیق ہے۔ میں یہ مانتا ہوں کہ حضرت مسیح علیہ السلام اس قسم کی تعلیم نہیں دے سکتے تھے وہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ نبی ہو کر ایسی تعلیم کیوں دیتے جس سے انسانی شرف کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی بھی ہتک ہو۔

میرا یہ بھی عقیدہ ہے کہ جو لوگ آج تناسخ کے قایل ہیں انہوں نے اپنے ابتدائی بزرگوں کی تعلیمات کو غلط سمجھا وہ موجودہ عقیدہ کے موافق تناسخ کے قایل نہ تھے بلکہ وہ تو ایک علم و معرفت کی طرف اشارہ کرتے تھے۔ ارتقاء کے مسئلہ کو غلط سمجھ لیا گیا۔ اور اسے تناسخ بنا لیا گیا۔

ہر قوم میں نبی آئے

چونکہ میں قرآن شریف کے صاف ارشاد کے ماتحت اس عقیدہ پر ایمان لاتا ہوں کہ ہر قوم میں اللہ تعالیٰ نے ہادی بھیجے ہیں اور ہندوستان میں بھی آئے۔ اور حضرت کرشن کو میں ہندوستان کا ایک [illegible] نبی یقین کرتا ہوں اس لئے میں تسلیم نہیں کرتا کہ انہوں نے تناسخ کی تعلیم دی تھی بےشک حضرت کرشن نے ارجن سے کہا کہ

حضرت کرشن اور تناسخ

میں اپنے پچھلے جنموں سے واقف ہوں

مگر اس سے یہ مراد نہیں کہ وہ تناسخ کے چکر میں سے گذرے وہ ایک عارف باللہ اور خدا تعالیٰ کے مقرب انسان تھے انہوں نے تو اس ارشاد میں اس صداقت ارتقا کا ذکر کیا ہے جن میں سے گذر کر انسان

خلق ہوتا ہے مجھے اس وقت مسئلہ پیدائش پر بحث نہیں کرنا بلکہ یہ بتانا ہے کہ غلط فہمی سے اس قسم کی تعلیمات کو دوسرا رنگ دیا گیا۔ میرا مقصد ان بزرگوں کی عظمت کا بیان کرنا ہے۔

فطرۃ اللہ بہر حال مختلف مذاہب نے جب اس قسم کے عقائد کو اپنی تعلیمات میں داخل کیا تو ظاہر ہے کہ اخلاقیات کی تعلیم خود ناقص ہو جائے گی۔ اس لئے اسلام نے اخلاقی تعلیم کے بنیادی اصول کے طور پر یہ بتایا کہ

فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیھا

اللہ تعالےٰ کی وہ فطرت ہے جس پر اللہ تعالےٰ نے انسانوں کو پیدا کیا ہے۔

انسانی تخلیق فطرۃ اللہ پر ہوئی اور اللہ تعالیٰ قدوس ہے اسلئے ناممکن ہے کہ انسانی تخلیق فطرتاً گناہ آلودہ ہو۔ اسی لئے دوسرے مقام پر اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ ہم نے انسان کو احسن تقویم میں پیدا کیا

احسن تقویم یعنی اللہ تعالےٰ نے انسان کو اعلیٰ درجہ کی اعتدالی صفات کا مظہر بنایا ہے۔ اور اسے بہترین قوتیں اور استعدادیں دیکر خلق کیا ہے۔ اور وہ قوتیں اور استعدادیں اس نوعیت کی ہیں کہ وہ فطرۃ اللہ کا مظہر ہو سکتا ہے۔

یہاں یہ مضمون بڑا نازک اور دقیق ہوا جاتا ہے ذوق سلیم اس کے بیان کرنے کے لئے بھی ایک تڑپ پاتا ہے اور دوسری طرف

طوالت کا خیال دامن گیر ہوتا ہے۔

تاہم میں مختصراً بیان کئے بغیر آگے نہیں جا سکتا اللہ تعالیٰ نے انسانی تخلیق کی بنیاد فطرۃ اللہ کہہ کر اور اس کی تخلیق کو احسن تقویم کہہ کر اشارہ کیا ہے کہ وہ عالم صغیر ہے اور ایسی قوتوں کا مالک ہے کہ اس کے ذریعہ صفات الٰہیہ کی (باستثنائے بعض) جلوہ گری ہوتی ہے اور ہوتی ہی چاہئے تھی کیونکہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا (سورۃ جاثیہ پارہ ۲۵ رکوع ۲ آیۃ ۱۳)

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝

اور آسمان اور زمین کی ساری کائنات کو تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے اس میں متفکرین کے لئے آیات ہیں یہ کائنات کی تسخیر انسانی استعدادوں کے صحیح استعمال اور اس کے ذریعہ اپنے آرام و آسائش کی اشیاء کی تخلیق پر قادر کرتی ہیں اور اب دیکھ لو کہ ہر رنگ میں کائنات کی تسخیر ہو رہی ہے جو

قرآن مجید کی صداقت کا زندہ نشان ہے

زمین اور اس کی کائنات۔ پانی ہوا۔ آگ۔ معدنیات۔ نباتات آسمان اور اس کے اجرام شمس و قمر ان سب کے متعلق غور کرو کہ آج قرآن مجید کی صداقت کا کس طرح اظہار کر رہے ہیں۔ جس نے ان چیزوں کا نام لیکر قانون تسخیر کا سبق دیا تھا۔

پانی یوں تو مایہ حیات ہے ہی انسان نے اسی پانی سے بجلی پیدا کرلی۔ اسی طرح ہوا پر اس کی حکومت ہے آگ اور پانی جو ایک دوسرے کے بظاہر دشمن ہیں انسان نے انہیں ایک اتحاد پیدا کر کے بھاپ پیدا کی جسکے ذریعہ ہزاروں آسانیاں اپنی آسائش کے لئے پیدا کیں۔ سورج کی روشنی اور شعاعوں سے جو حیرت انگیز کام انسان لے رہا ہے وہ جہاں اس کے مقام انسانیت کا مظہر ہے وہاں قرآن کریم کی صداقت کا اعلان ہے۔

انسانی کمالات اور ایجادات نے تو یہ ثابت کر دیا کہ وہ مادیات میں قوت نطق بھی پیدا کرسکتا ہے۔ تار برقی۔ گراموفون۔ ریڈیو۔ یہ سب اسی کرامت کا ظہور ہے۔ یہ مضمون بھی بجائے خود مستقل ہے۔ میں نے اشارہ کیا ہے اللہ جسے توفیق دے وہ اس پر قرآن کریم کی صداقت کے لئے بحث کرے۔

انسانی تخلیق کے دو اور پہلو احسن تقویم کی مزید صراحت

پھر قرآن کریم نے دوسرے مقام سورۃ الانفطار پارہ ۳۰ میں فرمایا الَّذِي خَلَقَكَ فَسَوَّاكَ فَعَدَلَكَ فِي أَيِّ صُورَةٍ مَا شَاءَ رَكَّبَكَ ۝

اسی رب نے تجھ کو پیدا کیا پھر تیری استعدادوں کو تعدیل کیا پھر دوسری مخلوق کے مقابلہ میں تجھے مناسب قوتیں دیں پھر اپنی پسندیدہ صورت تجھے عطا کی یہاں انسان کی تخلیق اور اسکی تخلیق کو ہر نقص سے مبرا کیا اور اسکی قوتوں میں تعدیل کی اور اللہ تعالیٰ نے اسکو پسندیدہ صورت بخشی

چوپایوں کا ذکر قرآن کریم میں اس مقابلہ میں آیا ہے وہاں پر
ایک فلسفہ عظمیٰ ہے اس لئے میں صرف اتنا ہی اشارہ کروں گا کہ اللہ تعالیٰ
نے فرمایا۔ سورۃ ملک پارہ ۲۹ آیۃ ۲۲

أَفَمَن يَمْشِي مُكِبًّا عَلَىٰ وَجْهِهِ أَهْدَىٰ
أَمَّن يَمْشِي سَوِيًّا عَلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ۝

یعنی کیا وہ جو اپنے منہ کے بل اوندھا چلے وہ ہدایت پر ہے یا جو سیدھا صراط مستقیم پر چلتا ہے
اس میں انسانی تخلیق کے کمال کو واضح کیا ہے اور میری تالیفات میں اس پر بحث ہے۔

غرض قرآن مجید نے اس حقیقت کو واضح کیا ہے کہ انسان پاک
فطرت لے کر آتا ہے۔ اور اس کی فطرت میں گناہ نہیں یعنی جو لوگ کہتے ہیں
کہ انسان پیدائشی گناہ لے کر آتا ہے غلط کار ہیں ایسا ہی وہ لوگ بھی
جو اس کے وجود میں گناہ کو بطور تناسخ قائم رکھتے ہیں حقیقت سے دور ہیں
اور اس طرح پر قرآن مجید نے اخلاقی تعلیم میں۔ یہ عظیم الشان
امتیاز بیان کیا کہ انسان سلیم الفطرت اور احسن تقویم میں پیدا ہوا
ہے اور اخلاق پاکیزگی حاصل کرنے کے لئے اس کے اندر استعدادیں
اور قوتیں موجود ہیں۔ اس عقیدہ سے انسان کے اندر اپنی اصلاح اور
حصول اخلاق کے لئے جوش اور امید پیدا ہوتی ہے۔

دوسرا امتیاز اخلاقی تعلیم کی ہمہ گیری

اسلام کی اخلاقی تعلیم کا دوسرا امتیاز
یہ ہے کہ وہ مختلف مذاہب اور اخلاقی

معلمین کی تعلیمات کے مقابلہ میں تمام اخلاقیات اور اس کے جزئیات کو لئے ہوئے ہے۔ اور انسانی زندگی کے ہر مرحلہ کے لئے ہدایات رکھتی ہے دوسرے مذاہب کی اخلاقی تعلیمات میں یہ کمال اور خوبی نہیں ہے کہ وہ ہمہ گیر ہوں اور انسانی زندگی کے مختلف مراحل اور اسکی جزئیات کے متعلق بھی ہدایات اپنے اندر رکھتی ہوں۔ چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت انسانی نسل کے لئے تھی اور آپ کی نبوت کا دامن کہیں ختم نہیں ہوتا وہ زمان اور مکان کی قید سے وابستہ نہیں۔ اس لئے ضروری تھا کہ آپ کی تعلیم اپنی تفصیل میں وسعت اور ہمہ گیری کو لئے ہوئے ہے۔ کوئی گوشہ ایسا نہیں جو نظر انداز ہوگیا ہو میں یہاں صرف اخلاقیات سے بحث کر رہا ہوں۔ اس لئے ہر اخلاقی امر کے متعلق جب ہم دیکھتے ہیں اور جیسا کہ میں بحولہ تعالی دکھاؤں گا کہ چھوٹی سی چھوٹی جزئی بھی ایسی نہیں رہی کہ اس کو مبرہن نہ کیا گیا ہو۔

موسوی اور عیسوی تعلیم پر نظر موسوی تعلیم کو جب ہم دیکھتے ہیں تو اسکی ساری اخلاقی تعلیم میں صرف چھ احکام ملیں گے جو اس احکام کے ضمن میں ہیں۔ جو بطور ام الاحکام کے کہنے چاہیں۔

(۱) تو اپنے ماں باپ کو عزت دے (۲) تو خون مت کر (۳) تو زنا مت کر (۴) تو چوری مت کر (۵) تو اپنے پڑوسی پر جھوٹی گواہی مت دے (۶) تو اپنے پڑوسی کی جورو اور اس کے غلام

اور اس کی لونڈی اور اس کے بیل اور اس کے گدھے اور
کسی چیز پر جو تیرے پڑوسی کی ہے لالچ مت کر (خروج ۲ ب ۲۰)

انہیں امور کے متعلق دوسرے مقامات پر کسی قدر تصریح آئی ہے اور بعض مزید باتیں بھی بیان کی ہیں۔ مگر انہیں ہمہ گیری نہیں پائی جاتی۔ احکام ایک الگ چیز ہیں عملی نظام میں کہاں تک وسعت ہے وہ دیکھنے کی چیز ہے۔ مثلاً قصاص کے معاملہ میں موسوی تعلیم نے اس پر زور دیا کہ دانت کے بدلے دانت اور عیسوی تعلیم کہ ایک گال پر طمانچہ کھا کر دوسری پھیر دو ممکن ہے اپنی جگہ اس وقت ضروری ہوں لیکن دائمی رنگ میں ہمہ گیر نہیں۔ اس لئے کہ عفو اور قصاص کے مصالح اور نتائج کو مدنظر نہیں رکھا گیا۔

مگر قرآن کریم اس خصوص میں ہدایت کرتا ہے تو وہ انتقام قصاص اور عفو کے نتائج کو پیش نظر رکھ کر تعلیم دیتا ہے۔ ان امور پر تفصیلی بحث احکام القرآن کے ذیل میں آئے گی یہاں مجھے صرف اس کی طرف اشارہ ہی کرنا ہے کہ اسلام کی اخلاقی تعلیم کسی خاص وقت یا ملک یا قوم کے لئے نہیں بلکہ نسل انسانی اور تمام ملکوں اور ہر زمانہ کے لئے اپنے اندر اخلاقی تربیت کا سامان رکھتی ہے۔

تیسرا امتیاز اخلاقی تعلیم کا طریق تعلیم ہے

دنیا کے معلمین اخلاق کی زندگی اور طریق تعلیم پر اگر ہم نظر کریں تو صاف معلوم ہوگا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو اخلاقی تعلیم کے لئے

طریق اختیار کیا وہ اپنی جگہ بے نظیر ہے اور حقیقت میں یہ آپ ہی کیلئے مخصوص تھا کیونکہ آپ کی بعثت کے مقاصد میں نہ صرف تعلیم الکتاب والحکمۃ ہی تھا بلکہ آپ بہ حیثیت مزکی اور تکمیل اخلاق کے لئے مبعوث ہوئے تھے اس لئے آپ کی زندگی انسانی زندگی کے ہر شعبہ اور مرحلہ کے لئے

ایک عملی ہدایت نامہ اور اسوہ حسنہ ہے

چوتھا امتیاز

یوں تو تمام انبیاء علیہم السلام کی زندگی ایک خضر راہ کی حیثیت رکھتی ہے لیکن ان کی تعلیم اور عملی زندگی میں یہ قوت اور تاثیر لازمی نہ تھی کہ دوسروں کا بھی تزکیہ نفس کر سکیں حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کے حواریوں نے آپ کے ابتلاء کے وقت جو نمونہ دکھایا وہ اطاعت کامل اور فرمانبرداری کے خلاف تھا۔ اور انہیں سے ایک نے گرفتار کرا دیا۔ دوسرے نے انکار کیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے نہایت گستاخانہ جواب دیا **اذھب انت وربك** تو اور تیرا رب جا کر لڑے ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔ مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کے اندر

ایک انقلابی انقلاب تزکیہ نفس کا کر دیا

آپ کی عملی زندگی کا سب سے بڑا کمال یہ تھا کہ اس کا کوئی گوشہ پردہ خفا میں نہ تھا آپ کی خلوت و جلوت کی عملی زندگی محفوظ تھی اور ایسی پاک کہ اس پر کسی کو حرف رکھنے کا موقعہ ہی نہیں بلکہ

اس پر تحدی کی گئی اور کسی کو جراءت نہ ہوئی۔ اسی حقیقت نے اس میں
ایک انقلاب آفرین تاثیر پیدا کردی۔ اور اسلامی اخلاقی تعلیم کا
یہ چوتھا امتیاز ہے۔

پانچواں امتیاز قرآن کریم کی اخلاقی تعلیم کا پانچواں امتیاز یہ ہے کہ وہ
اخلاقی تعلیم کے تمام پہلوؤں کو پیش نظر رکھتا ہے۔ اور
انسانی استعدادوں کی تمام شاخوں اور شعبوں کی نشاندہی کے ساتھ
پیش کرتا ہے۔ اس کے مبادیات اس کے مخالف جذبات کا انسداد
اور پھر اس پر عمل کے ثمرات ان سب کو بیان کرتا ہے۔ میں یہ باتیں بطور
ایک اصول موضوعہ کے پیش کر رہا ہوں جب تفصیلی بحث احکام القرآن
میں آئے گی۔ تو میں قرآن مجید کی آیات کی روشنی میں اسکی تصریح
بحولہ تعالےٰ کروں گا۔

چھٹا امتیاز اسلامی اخلاقی تعلیم کا چھٹا امتیاز بھی اپنی جگہ ایسا مکمل اور
لانظیر ہے کہ دوسرے معلمین اخلاق کی تعلیم میں وہ بات نہیں
حکمائے اخلاق نے سارا کمال اسکو سمجھا ہے کہ اسکو فلسفہ
اور علمی رنگ سے مرصع الفاظ میں پیش کیا جاوے وہ اس میں عملی
روح کو مدنظر نہیں رکھتے۔ لیکن اسلام نے اخلاقی کمال محض علم میں
نہیں بلکہ عمل میں قرار دیا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ نہایت سادہ الفاظ
میں مگر ایسے طریق پر کہ وہ دل نشین ہو۔ اخلاقی ہدایات کو پیش کرتا
ہے اس کے مدنظر فلسفہ اور منطق نہیں بلکہ

عملی حقیقت اور روح اخلاق ہے
اس لئے وہ علمی اور منطقی مباحث میں نہیں الجھتا۔ گو اس کی
عالمانہ حیثیت بجائے خود قائم ہے۔

ساتواں امتیاز

ساتواں امتیاز اسلامی اخلاقی تعلیم کا یہ ہے کہ وہ کسی
اجر یا معاوضہ کے نقطہ خیال پر مبنی نہیں۔ بلکہ وہ سراسر
اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کے لئے ہے گو اس کے نتیجہ میں وہ اخلاقی
ثمرات سے متمتع ہو مگر اس کے مقصد میں صرف اتباع امر و نہی ہی داخل
ہے تاکہ انسان بے غرض محبت مواساۃ اور دوسرے افعال خیر پر عمل
کرے۔ اور وہ خالصۃ للہ ہوں۔ اعمال کا سرچشمہ محبت اور بغض ہوتا
ہے محبت کے تحت جو عمل ہوتے ہیں ان کا رنگ اور ہے اور بغض کے ماتحت
اور مگر اعمال انسانی ان جذبات کے ماتحت ہوتے ہیں۔ اس لئے حضور
علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قرآن کریم کے اس ارشاد
وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (سورہ بقرہ آیۃ ۱۶۵ پارہ ۲ رکوع ۴۰)
(مومنین میں محبت کا کامل غلبہ اللہ ہی کے لئے ہوتا ہے اور تمام محبتیں اسکے ذیل میں آتی ہیں)
کی تفسیر یہ فرمایا کہ محبت بھی اللہ کے لئے ہو اور بغض بھی اللہ کے لئے یعنی ان
جذبات کے ظہور و بروز میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے احکام کی کامل
فرمان برداری ہونی چاہئے۔

یہ سات امتیازی اصول بیان کئے ہیں۔ اور یہ امتیازی
نہیں ہیں نے صرف توجہ دلانے کے لئے اسقدر بیان کیا ہے۔

اساس الاخلاق اسلامی نقطۂ نگاہ سے

اب میں اس بحث کو ایک امر بیان کر کے ختم کر دینا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ اسلامی نقطۂ نگاہ سے اساس الاخلاق کیا ہے؟ میں اس سوال کے جواب میں کوئی لمبی بحث نہیں کروں گا۔ اگرچہ فلسفۂ اخلاق و جذبات کے مختلف پہلوؤں اور شعبوں پر نظر کرتے ہوئے مختلف بحثیں کی جا سکتی ہیں مگر میں اسلامی نقطۂ نگاہ سے

(۱) نیت کو اساس الاخلاق قرار دیتا ہوں۔

مجھے اس کا خوف نہیں کہ کوئی میری اس بحث سے اتفاق کرتا ہے یا اختلاف اس لئے کہ میں اپنے علم و فہم کی بنا پر کہہ رہا ہوں۔ قرآن مجید جو کچھ بیان فرماتا ہے وہ بظاہر نہایت مختصر ہوتا ہے۔ مگر اس اجمال میں تفصیل کا ایک دفتر ہوتا ہے۔ میں اس خصوص میں قرآن مجید کی، ایک دو آیتیں پیش کروں گا اور پھر انکی تشریح میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک جامع ارشاد۔

میں نے کہا ہے کہ میں اساس الاخلاق نیت کو قرار دیتا ہے[۱]

قرآن مجید پر تدبر سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ

اعمال کی بنیاد قلب پر رکھتا ہے

چنانچہ فرماتا ہے سورۃ بقرہ پارہ ۲ رکوع ۲۶ آیۃ ۲۲۶

(۱) وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ۔

لیکن تمہارے قلوب نے جو کچھ کیا ہے اس پر مواخذہ کرتا ہے۔

(۲) سورۃ الاحزاب پارہ ۲۱ آیت ۶

وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيمَا أَخْطَأْتُمْ بِهِ وَلَكِنْ مَا تَعَمَّدَتْ قُلُوبُكُمْ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا

(اور تم پر اس بارے میں کوئی گناہ نہیں جو تم سے خطا ہو جاوے لیکن گناہ وہ ہے جو تمہارے دل عمداً کریں اور اللہ غفور الرحیم ہے۔)

ان آیات میں اعمال کی بنیاد نیت کو قرار دیا گیا ہے جس کا منبع دل ہے اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اصل کو ایک جامع کلمہ کے ذریعہ بیان فرمایا

انما الاعمال بالنیات

انسانی اعمال کی بنیاد نیت پر موقوف ہے۔ یعنی کس مقصد اور غرض کیلئے کوئی کام کیا ہے۔ دنیا کے قوانین کی بنیاد آج اسی اصل پر ہے کہ وہ نیت اور ارادے کو مقدم کرتے ہیں آج تو جدید فلسفہ اخلاق کے مصنف بھی اسی اصل کو تسلیم کرنے پر مجبور ہیں۔

جس سے سید الاولین والآخرین حضرت نبی الامی (فداہ ابی وامی) کا علمی کمال نمایاں ہے۔

دوسری اساس اخلاقی تعلیم کے لئے اسلام دوسری بنیاد ایمان کو قرار دیتا ہے اس لئے کہ بغیر اس کے اساس اول بھی قائم نہیں ہوسکتی۔ اعمال کے لئے جب بنیاد نیت اور قلبی کیفیت کو قرار دیا تو قلب کی کیفیت میں وہ حسن و خوبی اسی وقت پیدا ہوسکتی ہے جبکہ ہم اللہ تعالیٰ پر

ایمان رکھتے ہوں اور اسکی ان صفات پر بھی ایمان ہو کہ وہ علیم بذات الصدور ہے۔ علیم وخبیر ہے قرآن مجید نے اللہ تعالے کی اس صفت علیم کے مختلف شعبوں کو بیان کیا ہے (الحمد للہ میں نے اسماء الحسنیٰ میں بحث کی ہے) غرض نیت کی اصلاح کے لئے ایمان باللہ اور اسکی صفات پر ایمان لازمی ہے۔ اس حقیقت کے اظہار کے لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ انسان کے اندر ایک ٹکڑہ ہے جسکی اصلاح پر عملی اصلاح موقوف ہے اگر اس میں فساد پیدا ہو جاوے تو تمام انسانی حقیقت تباہ ہو جاتی ہے اور فرمایا کہ

وہ دل ہے

میں نے اخلاقی بنیاد پر صرف دو باتیں پیش کی ہیں اس کے ضمن اور ذیل میں اور بھی اساسی امور بیان ہو سکتے ہیں۔ مگر میں ان کو نظر انداز کرتا ہوں کہ میرا مقصد فلسفہ اخلاق پر بحث کرنا نہیں بلکہ اس قدر جو کچھ لکھا گیا ہے۔ وہ صرف اس لئے کہ احکام القرآن میں جب اخلاقی احکام آئیں تو اس کے سمجھنے میں آسانی ہو۔

البتہ اس قدر بیان ضروری ہے کہ اخلاق کوئی باہر سے آنے والی کیفیت نہیں۔ بلکہ جب طبعی خدا داد قوتیں اعتدالی حالت میں ظہور پذیر ہوتی ہیں تو وہی قوتیں اخلاق کہلاتی ہیں۔ طبعی حالت میں وہ اخلاق نہیں کہلا سکتی ہیں۔ یہ اخلاقی حالت (بشرطیکہ اسے اخلاق کہا جاوے) تو بعض حیوانات میں بھی پائی جاتی ہے۔ کتا وفادار ہوتا ہے

بکری نرم مزاجی میں مشہور ہے۔ مگر کوئی بھی انکو مہذب یا بااخلاق نہیں کہے گا۔ اور انہیں طبعی قوتوں کی تعدیل قرآن کریم کے احکام کی تعمیل سے ہوتی ہے۔ اور اس طرح پر قرآن کریم کے نزول کا مقصد پورا ہوتا ہے۔ اور اسی لئے وہ شفا۔ حکمت۔ نور۔ برہان کہلاتا ہے قرآن کریم کے ان اور دوسرے اسماء کا فلسفہ میں نے اپنی کتاب

اسماء القرآن فے القرآن

میں بحمد اللہ بڑی شرح اور بسط سے بیان کیا ہے اسے پڑھ لینے کے بعد احکام القرآن اور آداب و اخلاق کی کیفیت اور حکمت کے سمجھنے میں آسانی ہوگی۔

لے کر خواندی حکمت یونانیاں
حکمت ایمانیاں راہم بخواں!
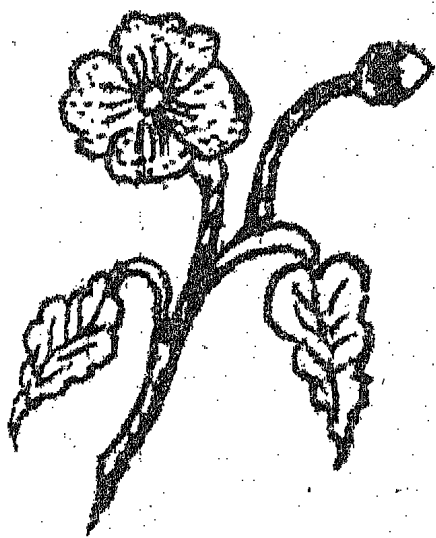
باب دوم

احکام القرآن اور انکا فلسفہ

احکام القرآن اور ان کا فلسفہ

قرآن مجید کے احکام کو بیان کرنے سے پہلے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ قرآن کریم کے احکام کے متعلق ایک اجمالی بیان تحریر کردوں، جس سے احکام القرآن کی حقیقت کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

احکام قرآنی کی غایت

قرآن کریم نے جو احکام دیئے ہیں انکی موٹی تقسیم یہ ہے کہ ان میں بعض احکام ایسے ہیں جو کسی فعل کے کرنے کے لئے حکم دیتے ہیں اور بعض ایسے ہیں جنہیں بعض افعال کے کرنے سے روک دیا گیا ہے۔ قرآن کریم کی زبان میں یہ اوامر و نواہی کہلاتے ہیں جنکو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقصد نبوۃ میں اور آپکے اعمال میں داخل فرمایا چنانچہ فرماتا ہے۔ دیکھو سورۃ اعراف پارہ ۹ رکوع ۱۹ آیۃ ۱۵۷

"مومن اس رسول کی اتباع کرتے ہیں جو امّی ہے اور یہ وہ امی نبی ہے جسکی نسبت توراۃ و انجیل میں لکھی ہوئی (پیشگوئیاں) موجود پاتے ہیں۔ وہ انکو معروف باتوں کا حکم دیتا ہے اور منکر سے منع کرتا ہے اور ان کے لئے طیبات کو حلال کرتا ہے اور خبیث چیزوں کو حرام ٹھیراتا ہے۔ اور ان کے بوجھوں کو اتارتا ہے اور ان طوقوں سے نجات دیتا ہے جنمیں گرفتار تھے۔ پس جو لوگ اس پر ایمان لائیں اور اسکی تعظیم کریں اور اسکی مدد کریں اور اس نور کی اتباع کریں جو اس کے ساتھ نازل کیا گیا۔ وہی کامیاب ہونے والے ہیں"

امہات الاحکام

اس آیت میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل نبوۃ

کا ایک صحیح نقشہ پیش کیا گیا اور احکام کی وہ دو قسمیں بیان کیگئی ہیں جو امہات الاحکام کہلاتی ہیں خود مومنین کے مقاصد زندگی میں بھی اسی کو داخل کیا ہے اور اسی پر عمل نے اس امت کو خیر الامت قرار دیا ہے۔

احکام کی اس تقسیم کو میں نے امہات الاحکام کہا ہے قرآن کریم اگرچہ یہ اصطلاح استعمال نہیں کرتا ہے مگر قرآن مجید کے متعدد مقامات (جو انکی تصریح کرتے ہیں) بتاتے ہیں کہ یہ امہات الاحکام ہیں خود اسی آیت میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تشریح میں فرمایا کہ ہر اس امر کے کرنے کا حکم ہے جو طیب ہے۔ اور ہر اس امر کو حرام قرار دیا جو خبیث ہے اس طیب اور خبیث کے نقطہ کی وسعت نے ایک عالم گیر رنگ اختیار کر لیا ہے۔

غرض قرآن کریم احکام کی دو قسمیں بیان کرتا ہے ان کے ذیل اور ضمن میں احکام کا ایک سلسلہ دراز ہے جن پر عمل انسان کو کامل اور باخدا انسان بناتا ہے۔ مگر یہ یاد رکھنا چاہئے کہ ان اعمال میں جب تک حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ کی کامل اتباع نہو وہ نتیجہ خیز نہیں ہو سکتے اسی لئے اللہ تعالے نے فرمایا

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی

اگر تم چاہتے ہو کہ اللہ تعالے کے پیارے ہو جاؤ تو اس کا ایک ہی طریق ہے میری اتباع کرو

اعمال کی ایک اور تقسیم | قرآن کریم کے احکام کے تحت جو عمل کئے جاتے ہیں

یا کرنے ضروری ہیں اس کی بھی دو قسمیں ہیں جو احکام کی دونوں قسموں کے ذیل میں آجاتی ہیں اور وہ ہیں کسب خیر اور ترک شر نیکی کی تکمیل صرف اس بات سے نہیں ہوتی کہ انسان کسی بدی کے ارتکاب کو ترک کر دے اور اس سے اجتناب کرے بے شک یہ ایک خوبی تو ہوگی مگر اس کی تکمیل تب ہی ہوگی جبکہ اس بدی کے مقابلہ میں نیکی کا عملی اکتساب بھی ہو۔ مثلاً ایک شخص چوری کرنے سے رکتا ہے تو یہ ایک نیکی ہوگی لیکن اس نیکی کا مطالبہ ہوگا کہ اس کے بالمقابل اعمال دیانت اور نگہداشت حقوق پر عمل کرے۔

عام محاورہ میں اسکو ترک رذائل اور حصول فضائل کہتے ہیں

احکام کا فلسفہ تفصیلی طور پر تو احکام کے ذیل میں اصول احکام کی حکمت میں بیان کرنے کی بحمد اللہ وبحولہ تعالےٰ سعی کروں گا۔ یہاں اجمالی طور پر کچھ بیان کرتا ہوں۔

احکام قرانی کی علت غائی تو یہ ہے کہ انسان اپنے حقیقی مقام شرف اور غایت مقصود کو حاصل کرے اور جس قدر مختلف استعدادیں اور قوتیں اس میں رکھی گئی ہیں ان کا صحیح استعمال ہو تاکہ ان سے صحیح نتائج اور ثمرات حاصل ہوں قرآن کریم نے اس کو فلاح کا نام دیا ہے۔ اور اس کی مختلف کیفیتوں کو مختلف رنگوں میں بیان کیا ہے۔

ترغیب وترہیب اور عملی تحریک کے لئے اللہ تعالےٰ نے ترغیب وترہیب

کے اصل کو جو فطرت انسانی میں رکھا گیا ہے پیش کیا ہے انسان ہر مفید چیز کو لینا چاہتا ہے اور نقصان رساں سے بچنا چاہتا ہے اس فطرتی اصل کے ماتحت قرآن کریم جو احکام دیتا ہے ان میں اوامر کے ثمرات اور نتائج کو پیش کر کے قوت عمل کو بیدار اور تیز کرتا ہے اور نواہی سے پرہیز کے لئے ان کے بدنتائج سے ڈراتا ہے۔ قرآن کریم کی اصطلاح میں یہ ثواب و عذاب بھی کہلاتے ہیں۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ قرآنی احکام پر عملی تحریک کے لئے جو قانون ترغیب و ترہیب ہے۔ اس کے موافق جو نتائج مترتب ہوتے ہیں انہیں ایک عملی تدریج ہوتا ہے جب تک وہ اپنے کمال کو نہ پہونچ جاویں وہ

ثواب یا عذاب پیدا نہیں ہوتا

قانون تاجیل رحمت کا کرشمہ ہے

قرآن کریم کی اصطلاح میں یہ قانون تاجیل کہلاتا ہے۔ ہر امر کے لئے ایک اجل مقرر ہے اور یہ قانون تاجیل اپنے اندر ایک کیفیت رحمت رکھتا ہے اللہ تعالےٰ کی اس وسعت رحمتہ وحسنہ کا قرآن کریم اس طرح ذکر فرماتا ہے

سورۃ مومن آیۃ ۸

ربنا وسعت کل شیٔ رحمۃً وعلماً

اے ہمارے رب تیری رحمت اور علم ہر شئے پر وسیع ہے۔

پس قانون تاجیل بھی موجب رحمت ہے اور اعمال سئہ

کے لئے تاجیل اس طرح رحمت ہے کہ توبہ کی توفیق کے لئے موقعہ میسر آجاوے۔

میں اللہ تعالےٰ کے اس انعام کے اظہار کے لئے الفاظ نہیں پاتا کہ کس طرح پر وہ اپنے فضل سے مجھے قرآن کریم کے حقایق کے انعامات سے متمتع فرماتا ہے اس مقام پر بھی ایک وسیع مضمون قرآن کریم کے قانون تاجیل اور عمل امہال پر ذہن میں آرہا ہے قانون امہال سے مراد خطا کاروں کو مہلت دینے کا قانون ہے۔ اور وہ بھی سراسر رحمت پر مبنی ہے اور انتہا تو یہ ہے کہ دوزخ بھی بالآخر رحمت الہٰی کا ایک کرشمہ ہو جاتا ہے۔ اسی سلسلہ میں فلسفہ عذاب پر بحث کے مختلف، زاوئیے نمایاں ہوتے ہیں مگر میں ان کو دوسرے وقت کے لئے چھوڑ کر آگے چلتا ہوں۔

غرض قرآن کریم جو احکام دیتا ہے انہیں سراسر خیر ہے اور ترغیب وترہیب اسکی عملی قوتوں میں بیداری پیدا کرنے کے لئے ہے۔

قرآنی اصطلاح میں اعمال و اعمال صالحہ

قرآن مجید کے پر غور مطالعہ اور تدبر سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عمل اور عمل صالحہ کو دو مختلف معنوں میں استعمال کرتا ہے۔

عام اعمال کے متعلق قرآن کریم ایک دوسرا لفظ کسب استعمال کرتا ہے۔ اور عمل کے لفظ کو کسی صفت کے ساتھ بیان کرتا ہے۔

عمل سیئہ یا عمل صالحہ

کسب۔ اچھے اور برے دونوں افعال پر استعمال ہوتا ہے۔ اس میں عمومیت کا رنگ ہے۔ لیکن اکتساب کے معنوں میں ایک خصوصیت برائی کی پیدا ہو جاتی ہے اور برے اعمال پر بولا جاتا ہے خود قرآن کریم سورہ بقرہ کے آخری رکوع آیۃ ۲۸۶ میں فرماتا ہے:

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ؕ

"اللہ تعالیٰ کسی نفس پر اسکی طاقت سے بڑھ کر ذمہ داری نہیں رکھتا اس لیے جو کچھ وہ پاتا ہے اسکی اپنی ہی کمائی ہے اور جس کے لیے زیر مواخذہ آتا ہے وہ بھی اسی کی کمائی ہے۔

اس آیت میں اولاً اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ انسانی اعمال کے متعلق جو احکام دیے گئے ہیں انمیں ایک بھی ایسا نہیں جو انسانی مقدرت عمل سے بڑھ کر ہو۔ پھر اعمال کے نتائج اور عواقب کیمتعلق بتا دیا کہ اگر اچھے عمل کرتا ہے تو اس کا بہترین نتیجہ (ثواب) بھی اسی کے لئے ہے۔ بداعمال دکتا ہوں اکا وبال اسی کے لئے ہے۔

یہاں کسب اور اکتساب کے الفاظ استعمال کر کے عموم و خصوص کی کیفیت کو پیدا کر دیا ہے اور عربی زبان کی خصوصیات نے ایک نہایت لطیف مضمون پیش کیا ہے۔

کسبت میں ان اعمال کو بھی داخل کر لیا ہے جو انسان دوسروں کی نفع رسانی کے لئے کرتا ہے اور اس حقیقت کو لبھا

سے نمایاں کیا اور جو اپنے لئے ہی کرتا ہے وہ وبال کی صورت اختیار کر لیتا ہے اس کو علیہا سے واضح کیا۔

اعمال صالحہ سے کیا مراد ہے

اعمال صالحہ کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے اولاً بعض دوسرے امور کو زیر نظر رکھنا ہوگا۔ یوں تو اعمال صالحہ کی تعریف ہم کر سکتے ہیں جو افراط تفریط سے پاک ہوں اور ان میں کسی قسم کا فساد نہ ہو۔ مگر قرآن

قانون توازن

کریم نے اعمال صالحہ کے فلسفہ کو ایک عظیم الشان فلسفہ اعمال پر مبنی کیا ہے۔ اور وہ کائنات میں قانون توازن ہے۔ اور اس حقیقت کو مختلف طریقوں سے قرآن کریم نے مبرہن کیا ہے۔ اور انبیاء و رسل کی بعثت کے ساتھ تنزیل میزان کو بھی شریک کیا ہے چنانچہ فرمایا

دیکھو سورہ شوریٰ آیت ۱۸ پارہ ۲۵

اَللّٰہُ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِیْزَانَ ط

اللہ وہ ہے جس نے کتاب کو اور میزان کو حق کے ساتھ اتارا۔

پھر سورۃ الحدید پارہ ۲۷ آیۃ ۲۵ میں اسی مضمون کو اور وسعت دیکر فرمایا

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَھُمُ الْکِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ج

اور یقیناً ہم نے اپنے رسولوں کو بینات دیکر بھیجا اور اس کے ساتھ کتاب

اور میزان کو بھی نازل کیا تاکہ لوگوں کو انصاف پر قائم کریں۔

پھر وزن کے متعلق فرمایا سورہ اعراف پارہ ۸ رکوع اول پارہ ۸

وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ ۚ فَمَن ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝

اور آج کے دن وزن حق ہے پس جس کا وزن (اعمال خیر) وزنی بھاری ہو گیا تو وہی کامیاب ہونے والا ہے۔

اس طرح قرآن مجید نے مختلف پیرایوں میں وزن اور میزان کا ذکر فرمایا اور خصوصیت کے ساتھ اعمال کے ذکر میں اور جب انبیاء و رسل کی بعثت کے ساتھ تنزیل کتاب کا ذکر کرتا ہے۔ تو اس کے ساتھ بھی نزول میزان کو رکھتا ہے۔ ان تمام آیات اور امور کو یکجائی نظر سے غور کرنے پر یہ حقیقت نمایاں ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالے نے قرآن کریم میں

قانون توزین کو دوسرے قوانین کی طرح نمایاں فرمایا ہے

اور اس قانون توزین کی اساس پر اعمال صالحہ کی حقیقت سمجھ میں آتی ہے۔

سورۃ الرحمٰن پارہ ۲۷ رکوع اول آیت ۸ میں اس قانون توزین کی حقیقت کو ایک اور رنگ میں بیان فرمایا ہے۔

وَالسَّمَاءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيزَانَ ۝

اَلَّا تَطْغَوْا فِی الْمِیْزَانِ ۝ وَاَقِیْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِیْزَانَ ۝

اور آسمان کو بلند کیا اور اجرام سماویہ کے قیام کے لئے قانون عدالت کا میزان بنا دیا۔ پس تم میزان میں سرکشی نہ کرو۔ اور وزن کو انصاف سے قائم کرو۔ اور میزان میں کمی نہ کرو۔ یعنی پورا تولو۔

ان تمام آیات میں میزان یا وزن کے ذکر سے مراد اعمال میں مقام عدل کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ اور انبیاء علیہم السلام کی رسالت کے ساتھ تنزیل کتاب کے ساتھ تنزیل میزان بھی اسی عمل تعدیل و قسط کی طرف توجہ دلاتی ہے۔

غرض کائنات کے قیام میں قانون توزین اور قانون تعدیل برابر کام کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اعمال صالحہ اس وقت تک اعمال صالحہ نہیں کہلا سکتے جب تک توزین و تعدیل کے قانون پر پورے نہ اتریں۔ اس لئے میزان کے ساتھ قسط کا لفظ اضافہ کر کے اس کی حقیقت کو مبرہن کیا۔ ترازو عدل کا نشان ہے۔

اس طرح پر قرآن کریم نے کائنات میں قانون عدل کو پیش کر کے بتایا ہے کہ

یہی قانون اعمال میں بھی جاری ہے

جو عمل اس میزان میں پورا نہیں اترتا۔ وہ عمل صالح نہیں

ہو سکتا اس حقیقت کی وضاحت سورۃ بنی اسرائیل کی آیت ۳۵

وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝

سے بخوبی ہو جاتی ہے۔ اس امر توزین کو اوامر و نواہی کے ضمن میں بیان کیا ہے۔ میں اس کی تفصیل احکام کے ذیل میں کروں گا۔ یہاں صرف اس لئے اشارہ کیا ہے کہ اعمال صالحہ کے لئے، توزین بالقسط لازمی ہے اور وہ ہے اس کے افراط و تفریط سے پاک ہونا۔

لغت کے لحاظ سے عمل صالح وہ ہوگا جو نہ صرف نیک ہو۔ بلکہ مناسب حال بھی ہو۔

غرض اعمال صالحہ اپنے لغوی مفہوم اور قرآن مجید کے، مندرجہ بالا آیات کی روشنی میں واضح ہو جاتے ہیں۔ اور قرآن کریم کا ایمان کے ساتھ ان کو مربوط کرنا بتاتا ہے کہ عمل صالح کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ

اللہ تعالیٰ کے حکم کے بموجب اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ کے موافق ہو

اور اس کو اصطلاح میں اخلاص اور صواب کہتے ہیں جبتک یہ شرائط کسی عمل میں نہ پائے جاویں وہ عمل صالح نہیں ہو سکتا۔

عمل اور فعل میں امتیاز

عربی زبان کے کمالات میں یہ بات داخل ہے کہ وہ اپنے الفاظ میں بھی حکمت اور فلسفہ رکھتی ہے عمل اور فعل بظاہر ایک ہی مفہوم کو ظاہر کرتے ہیں لیکن حقیقت میں ان کے مفہوم اور معنے میں بہت بڑا فرق ہے۔ عمل کا اطلاق اس فعل پر ہوتا ہے جو انسان ایک قصد اور ارادے کے ساتھ کرتا ہے اور وہ اپنے نتیجے اور اثر کے لحاظ سے اچھا اور برا ہو سکتا ہے اور فعل عام ہے جس میں دوسرے حیوانات بھی شریک ہو سکتے ہیں۔

حضرت امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ نے جو انما الاعمال بالنیات کی حدیث سے اپنی صحیح کو شروع فرمایا۔ تو اس میں بھی نیت کو اعمال سے وابستہ کیا اور اس پر حکمت کلام میں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فلسفہ کو بیان کر دیا اور اس ایک جملے میں اس حقیقت کا بھی انکشاف کر دیا کہ

طبعی افعال کب دائرہ اخلاق میں داخل ہوتے ہیں

اور اس کو جو اخلاق قرار دیتے ہیں۔

اگرچہ یہ مضمون کسی قدر طویل ہو رہا ہے مگر میں مناسب سمجھتا ہوں کہ سلسلہ اعمال میں بعض دوسری جزئیات کو بھی بیان کروں۔

زینت اعمال

قرآن کریم نے اس حقیقت کا بھی انکشاف کیا ہے کہ جب انسان بدیوں میں مبتلا ہو جاتا ہے تو وہ اپنے اعمال بد کو خوب صورت دیکھتا ہے اس کی حس امتیاز مر جاتی ہے اور یہ شیطانی تحریک ہوتی ہے کہ وہ اعمال بد کو خوب صورت دکھاتا ہے۔ چنانچہ قرآن شریف سورۃ الانعام رکوع ۵ آیت ۴۳ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○

(سوچو تو سہی) کہ جب ان پر ہمارا عذاب آیا کیوں انہوں نے اظہار عجز نہ کیا یعنی چاہیے تو یہ تھا کہ ان کے قلوب میں خشوع و خضوع پیدا ہوتا مگر بجائے اس کے) ان کا دل سخت ہو گیا۔ اور شیطان نے ان کی بدعملیاں انکو خولصورت کر کے دکھائیں۔

لیکن یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو ہدایات انسان کو دی ہیں۔ وہ بھی بجائے خود حقیقی زینت اپنے اندر رکھتی ہیں۔

چنانچہ اسی سورۃ انعام آیت ۱۰۸ میں فرمایا

كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ص

اس آیت کے ابتدائی حصہ میں اللہ تعالیٰ نے ایک حکم دیا کہ مشرکوں کے معبودوں کو برا نہ کہو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ عداوت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو گالیاں دیں گے۔ (اس کے بعد فرمایا) اس طرح ہر امت کو ان عمل اچھا کر کے دکھایا۔ یہاں زینت کی

نسبت اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف فرمائی ہے۔ اور اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے تو جو تعلیم دی ہے اور جو عمل ان کو کرنا چاہئے وہ سراسر خیر و برکت اور خوب صورتی کو لئے ہوئے ہے۔

پس جہاں تفریق اعمال کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کیا ہے۔ وہاں اس تعلیم اور عمل کی خوبیوں کا اظہار ہے اور جہاں شیطان کی طرف ہے اس سے مراد شیطانی اعمال یعنی بدیاں ہیں۔

اعمال کی یہ بحث ایک دراز دامن رکھتی ہے اور اس میں کئی امور قابل بیان ہیں۔ مثلاً حبط اعمال کیونکر ہوتا ہے حصول فلاح کے لئے کن اعمال کی ضرورت ہے؟ اعمال غیر فانی کس طرح پر ہوتے ہیں اس قسم کے متعدد حصے بحث اعمال میں آتے ہیں۔ یہاں تک میں نے اس مضمون کو لمبا کر دیا کہ

حدیث لذیذ بود دراز تر گفتم

ان تمام امور پر بحث انشاء اللہ اپنے اپنے مقام پر ہوگی اب میں اس مقام پر اس تشریحی نوٹ کو ختم کر کے کتاب الایمان کے ذیل میں احکام القرآن کو لکھتا ہوں۔

میں یہاں اس امر کو بھی بیان کر دینا ضروری سمجھتا ہوں

کہ سلسلہ احکام میں بعض احکام تو اوامر و نواہی کے ذیل میں آئیں
گے۔ پس ان ہدایات کو بھی احکام کے ضمن میں درج کروں گا جن کی
ضرورت حسنہ کا ذکر کیا گیا ہو۔ گو بعض امور ایسے ہیں کہ شرعی حکم موجود نہ
ہو یا جس پر اُن کے برے نتیجے کو پیش کیا گیا ہے یہ بھی احکام القرآن
کے بیان کا ایک اسلوب ہے۔

تیسرا باب

احکام القرآن ما یتعلق باللسان

یعنی

(قرآن کریم کے وہ احکام جو اعمال اللسان پر موثر ہیں)

اعمال اللسان کے متعلق احکام القرآن

زبان انعاماتِ الٰہیہ میں سے ہے

اس باب میں قرآن کریم کے ان احکام
کو بحمد للہ تعالیٰ بیان کروں گا جو اعمال
زبان سے سرزد ہوتے ہیں قبل اس کے کہ میں ان احکام کو بیان کروں اس
امر کا اظہار ضروری ہے کہ انسان کو جس قدر قویٰ اور جس قدر
اعضاء دیئے گئے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے انعامات ہیں اور
ان میں سے زبان بھی ایک ہے۔ زبان سے میری مراد وہ
گوشت کا ٹکڑا ہے جو انسان کے منہ میں ہے۔ بولی مراد
نہیں اور اس کا خود اللہ تعالیٰ نے پارہ ۳۰ سورۃ البلد آیت
۹ و ۱۰ و ۱۱ میں اس کی طرف اشارہ فرمایا۔

أَلَمْ نَجْعَلْ لَّهُ عَيْنَيْنِ ۙ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ ۙ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ۚ

یعنی کیا ہم نے انسان کو دو آنکھیں عطا نہیں کیں (۹) اور زبان اور دو
ہونٹ نہیں دیئے (۱۰) اور کیا ہم نے (حق دینی دنیوی) دونوں
راستے نہیں دکھائے۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان امور کا ذکر فرمایا ہے جو انسان کے لئے
ہدایت کا ذریعہ ہو سکتے ہیں بشرطیکہ وہ ان سے کام لے ان میں سے پہلا

ذریعہ آنکھ ہے جو اس کو فہم کے نشیب و فراز سے آگاہ رکھتی ہے اور مشاہدہ قدرت اور صحیفہ فطرت پر اگر چشم بینا سے غور کرے تو اسلامی حقیقت اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کھل جاتی ہے۔ پھر دوسرا ذریعہ زبان کا ہے کہ وہ دریافت کر سکتا ہے۔

قرآن کریم کے ایک کمال کا ذکر

یہاں قرآن کریم زبان کے ساتھ دو ہونٹوں کا بھی ذکر کرتا ہے بظاہر یہ چھوٹی سی بات نظر آتی ہے مگر اس کے اندر ایک علمی حقیقت ہے اگر ہونٹ نہ ہوتے تو الفاظ یا آواز کی ساخت نہیں ہو سکتی۔ ہونٹ ہوا کو روک کر آواز میں ایک قوت پیدا کرتے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے ہونٹوں کا ذکر کر کے تکمیل کلام کی طبعی صورت کو بیان کر دیا ہے۔

غرض زبان خدا تعالیٰ کے انعامات میں سے ایک بڑی نعمت ہے اور جو لوگ اس سے وہ کام نہیں لیتے جس کے لئے اس کو بنایا گیا قرآن کریم باوجود ان کے منہ میں زبان رکھنے کے بھی ان کو ابکم گونگا قرار دیتا ہے باوجود آنکھیں رکھنے کے ان کو اندھا ٹھہراتا ہے۔ قرآن کریم کے اس طرز بیان سے پتہ لگتا ہے کہ جس مقصد کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان جوارح کو عطا فرمایا ہے اگر ان سے وہی کام نہ لیا جاوے تو ایسے لوگوں کے لئے ان کا عمل عدم وجود برابر ہو جاتا ہے۔ اور وہ الٹے پاؤں دھکیلے پیچھے آ جاتے ہیں۔ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا کہ جو شخص اظہار حق سے رکتا ہے اور خاموش رہتا ہے وہ گونگا شیطان ہے۔ غرض زبان

الغرض انہیں میں سے بہت بڑا انعام ہے ۔

ایک اصولی نکتہ

قرآن مجید نے جو احکام دیئے ہیں وہ انسانی عقل و فہم اور اس کی قوت عمل کے موافق ہیں قرآن مجید انسان پر کوئی ایسا حکم لازم نہیں کرتا جو اس کی طاقت سے بالا ہو جیسا کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا

اللہ تعالیٰ کسی نفس کو اس کی طاقت سے باہر امر پر مکلف نہیں کرتا بلکہ ایسے امور کا حکم دیتا ہے جو اس کی طاقت کے اندر ہیں اس کی عقل و فہم اسے سمجھتی ہے اور اس کے موافق عمل کر سکتے ہیں اسی لئے اس نے یہ بھی فرمایا۔ سورۃ نجم پارہ ۲۷ آخری رکوع آیۃ ۴۰

وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى

زبان کی تقدیر

اور انسان کو جو کچھ ملتا ہے وہ اس کی کوشش کا ثمرہ ہے۔ دراصل قرآن کریم کتاب العمل ہے۔ اس کے احکام قرآنی انسانی مقدرت کے اندر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جو اعضاء انسان کو عطا کئے ہیں ان کے افعال اور اعمال اسے مقرر کر دیئے ہیں اسی طرح سے زبان کی ایک تقدیر ہے۔ زبان سے دو قسم کا کام لیا جاتا ہے ۔

اول زبان سے جو چیز چکھی جائے وہ اس کے ذائقہ کو بیان کر دیگی کہ وہ تلخ ہے یا شیریں اس تقدیر میں زبان انسان کا کوئی حکم ماننے کے لئے تیار نہیں ہے اگر ترش شے پر رکھ کر کہا جائے کہ وہ اس کو شیریں بیان کرے تو ایسا ہرگز نہیں ہوگا اس خصوص میں زبان پر کوئی شریعت

موثر نہیں اور رضا کے متعلق کوئی احکام قانون شریعت میں ہیں۔

دوسرا فعل زبان کا کلام کرنا ہے اور اس خصوص میں وہ انسان کا حکم ماننے کی جو اسے کہنے اور بیان کرنے کو وہ کہے گی۔ خواہ اس سے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کا کام لو یا اس کے خلاف چونکہ اس خصوص میں وہ انسان کے کلیتہً ماتحت ہے اس لئے شرعی احکام اس امر کے متعلق ہونگے کہ زبان کو زبان سے کلام کے رنگ میں کیا کہنا چاہئیے اور کیا نہیں؟ اور اوامر کی تعمیل اور نواہی کے ترک پر جزا و سزا مترتب ہوگی اس لئے کہ یہ اعمال انسانی قدرت کے اندر دیئے گئے ہیں۔ اس اصل کو سمجھ لینے کے بعد احکام القرآن جو زبان سے متعلق ہیں ان کی نوعیت باسانی سمجھ میں آجائے گی اور میں ان احکام کو دو حصوں میں تقسیم کروں گا پہلے حصہ میں ان احکام کا بیان ہوگا جو اللہ تعالیٰ کے متعلق ہیں۔ دوسرے حصہ میں ان احکام کا جو مخلوق سے تعلق رکھتے ہیں۔ پس میں اسی اصولی تقسیم کے موافق احکام القرآن کا سلسلہ شروع کرتا ہوں وباللہ التوفیق۔

(۱) حقوق اللہ کے متعلق احکام قرآنی

فلاح کے بنیادی اصول

قرآن کریم کے احکام (خواہ وہ حقوق اللہ کے متعلق ہوں یا حقوق العباد کے) کی بنیاد ایمان پر رکھی گئی ہے اور اس کے بعد اعمال صالحہ پر۔ قرآن مجید کو پڑھو اور غور سے پڑھو جہاں ایمان کا حکم ہے وہاں ہی اعمال صالحہ کی تاکید ہے اور

قرآن مجید کو پڑھو جہاں ایمان کا حکم ہے وہاں ہی اعمال صالحہ کی تاکید ہے اور قرآن مجید انسانی نجات اور فلاح کا انحصار ان ہی دونوں چیزوں پر رکھتا ہے ان میں سے ایک (ایمان) علمی ہے اور دوسری عملی۔ اور اس فلاح کے حصول کے لئے کسی قوم اور طبقہ کی خصوصیت نہیں جس فرد یا قوم میں یہ دونوں چیزیں موجود ہونگی وہ یقیناً کامیاب ہوگی - قرآن مجید ایمان اور اعمال صالحہ کے ثمرات کو فلاح اور جنت کے نام سے بیان کرتا ہے میں اس کی ایک ایک مثال دیتا ہوں -

(۱) وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ٥

جو لوگ مومن ہوئے اور اس ایمان کے موافق اعمال صالحہ بجا لائے وہی اصحاب الجنۃ ہیں اور وہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے -

(۲) سورۃ بقرہ کا آغاز ہی ایمان اور اعمال صالحہ کی تحریک و تعلیم سے کیا گیا ہے اور اس کا نتیجہ فرمایا: وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ٥

(۳) پارہ ۲۶ سورۃ الفتح میں مومنین کے اعمال کے ثمرات کی تفصیل دیتے ہوئے فرمایا (رکوع ۵)

وَكَانَ ذَٰلِكَ عِندَ اللَّهِ فَوْزًا عَظِيمًا

اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بہت بڑی کامیابی ہے

غرض قرآن مجید نے ایمان کو عمل صالحہ سے وابستہ کر دیا ہے اعمال صالحہ کا منبع حقیقت میں ایمان ہے اس لئے میں احکام القرآن کے اس باب

کو ایمان سے شروع کرتا ہوں اور اس کا عنوان کتاب الایمان رکھنا
پسند کرتا ہوں جیسا حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی صحیح میں
کتاب الایمان ہی کو مقدم کیا ہے ۔

کتاب الایمان

تمہیدی نوٹ

کتاب الایمان ایک بہت بڑی کتاب ہے اور ایمان کے جزئیات کو علم النفس کی روشنی میں بیان کرنا چاہیں تو بجائے خود ایک ضخیم کتاب لکھی جا سکتی ہے مگر میں اس کی بجائے تفصیل کو اجمالی رنگ دینے کی کوشش کروں گا اس کا یہ مطلب نہیں کہ اختصار اور اجمال میں ۔

اصل حقیقت ہی گم ہو جاوے

قبل اس کے کہ کتاب الایمان کے ضمن میں نظام القرآن بیان کیا جاوے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ یہ بتایا جاوے کہ ایمان کیا ہے ؟

الف لغوی مفہوم ۔ لغوی مفہوم کے لحاظ سے ایمان دو حقیقتوں کا حامل ہے ۔ امن اور تصدیق دونوں ہیں اور یہ عربی زبان کی خوبیوں میں سے ہے کہ وہ مختلف صلات کے استعمال سے ایک نئی حقیقت اور نیا مفہوم پیدا کرتا ہے ۔ ایمان کا اصلی مادہ تو امن ہے اور اسی حقیقت کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کا نام المومن ہے گویا مومن (ایماندار) خود بھی امن میں ہوتا ہے اور دوسروں کے لئے بھی امن کا ذریعہ ہوتا ہے

اس مفہوم کے لحاظ سے ایمان وہ حقیقت ہے کہ جس کو مان لینے اور اس کے موافق عمل کرنے سے امن و سلامتی کے دروازے کھل جاتے ہیں۔

اس طرح جب امن کا محل (ب) ہو تو اس کے معنوں یقین، تصدیق اور اعتماد کا اظہار ہوگا اور جب محل دل، ہو تو اس کے معنوں میں زبانی اور عملی تسلیم ہوگی۔ اس لغوی مفہوم کو مدنظر رکھیں ایمان کی یہ تعریف ہوگی کہ صداقت کی تصدیق کر کے اس کو تسلیم کر لیا جاوے اور کامل اطاعت کی جائے۔ یاد رکھو کہ ایمان اعمال کے لئے بطور ایک بنیادی چیز ہے اعمال کا درخت ایمان کے بیج سے ہی پیدا ہوتا ہے۔

(ب) اصطلاحی مفہوم۔ اسلامی اصطلاح میں ایمان سے مراد چند بنیادی امور کو ان کا اقرار کرنا ہے اور پھر اس اقرار کے متعلق عام طور یہ کہا جاتا ہے کہ زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق اور اعمال سے ان دونوں کا اظہار۔

ایک غلطی کی اصلاح

بعض لوگ جو حقیقت پر غور نہیں کرتے بعض اوقات ایک ہی امر کے متعلق مختلف مواقع پر مختلف بیانات کو دیکھ کر نہ صرف ایک خلجان اپنے دل میں پیدا کر لیتے ہیں بلکہ مختلف قسم کی بحثوں کا آغاز عقائد کے رنگ میں کرتے ہیں حالانکہ اگر ذرا فکر سے کام لیا جائے تو ان میں نہایت آسانی سے تطبیق ہو جاتی ہے احادیث میں (میں صرف بخاری کے زیر نظر رہا ہوں) بعض اوقات صرف اعتقاد کے اقرار کو ایمان کہا ہے اور بعض جگہ کسی عمل صالح کو۔

اس قسم کے بیانات سے بعض لوگوں نے ایک نیا سلسلہ ایمان کے متعلق
بحث کا پیدا کر لیا۔

حالانکہ اگر ذرا فکر سے کام لیجئے تو یہ کوئی امر متنازع نہیں سمجھا دونوں
کو ملا کر سمجھ لیا جاتا ہے کہ ایمان کی ابتدائی صورت تو اقرار ہے اور اس کے
حقیقی مفہوم کے نباہنے کے لئے عمل ضروری ہے ۔ جیسا کہ میں نے بیان کیا ۔

ابتدائے اسلام یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہد سعادت
میں ایمان کی حقیقت عملی رنگ رکھتی ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام
نے اسوہ حسنہ سے ایمانی قوتوں کو صحابہ میں نمایاں کیا تھا لیکن جب
اسلام مختلف دیار و امصار میں پہنچا اور غیر اقوام نے اسے قبول کیا تو
حدیث العہد لوگوں میں فلسفی اور منطقی بحثوں کا ایک دروازہ کھلا اور
بعض مشہور مسائل کو بھی پیش آمدہ ضروریات کے موافق فقہی مباحث
کے ذریعہ اپنی فکری صلاحیتوں کو جلا دینے کی ضرورت محسوس ہوئی ۔ میں
ان پیچیدہ بحثوں میں نہ خود جانا چاہتا ہوں اور نہ قارئین کرام کو اس
الجھن میں ڈالنا پسند کرتا ہوں ۔

عقائد کے متعلق جو تالیفات مختلف زمانوں میں لکھی گئیں اہل علم
بزرگوں نے ان میں بڑی عجیب و غریب بحثیں کی ہیں اور کچھ شک نہیں کہ
ان میں منطقی اور علمی مباحث کو بڑا دخل ہے اور بعض ائمہ نے نہایت
لطیف استدلال و استنباط کیا ہے ۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین
کی عملی زندگی حقیقت ایمان کے سمجھنے کے لئے کافی ہے میں اپنا نقطہ نظر اور ان

تمام مباحث کے زیر نظر بیان کر دیتا ہوں۔

میرا نقطۂ نظر

میں ائمہ علم کلام اور فقہائے عظام کی نکات دل آویزی کا بصدق دل اعتراف کرتا ہوں اور وہ اپنی اس محنت کیلئے ماجور ہونگے میں صرف قرآن کریم کی روشنی میں ایک آسان راہ پیدا کرنا چاہتا ہوں جیسا کہ میں نے اوپر بیان کیا ہے ایمان کی تعریف بعض نازک مباحث ہیں منجملہ ان کے یہ بحث ہے کہ زبان سے اقرار اور قلب کی تصدیق یہ دو رکن ایمان کے ہیں۔ اور بعض نے رکن کے بجائے شرط قرار دیا ہے۔

ایمان کی حقیقت

قرآن کریم میں ایمان کے متعلق ابتدا ہی میں ایمان بالغیب کو متقیوں کا وصف اول ٹھہراتے ہیں۔ اور قرآن مجید کا مقصد نزول ہدایت ہے۔ اور متقیوں کے لئے ہدایت نامہ قرار دینے سے صاف سمجھ میں آتا ہے کہ عمل کے بدون کوئی ہدایت حقیقت پیدا نہیں کرتی ہے میں نے اسی لئے بیان کیا ہے کہ ایمان کے متعلق ایک بحث یہ بھی ہے کہ صرف زبان سے اقرار کافی ہے۔ ہاں اسمیں کوئی کلام نہیں کہ اعمال کیلئے پہلا تصدیق پیدا ہوتا ہے پھر اس کا اظہار زبان سے اور اسکی تکمیل عمل سے ہوتی ہے اور ایمان کے متعلق علمی کمال یہی ہے کہ وہ ایمان بالغیب ہے*

---

* یاد رہے کہ یؤمنون بالغیب میں غیب سے مراد ہر وہ چیز ہے جو حواس ظاہری سے معلوم نہ ہو سکے اور جس تک نظر سے انسانی عقل کی رسائی وہاں تک نہ ہو سکے اس طرح یؤمنون بالغیب میں وہ تمام امور داخل ہیں جو اجزائے ایمان تو ہیں لیکن حواس ظاہری سے ہم انکو نہیں دیکھ سکتے اور ابتدائی منزل ایمان میں وہ دوسرے ذرائع روحانی سے بھی نہیں سمجھ سکتے ہیں لیکن جب اس پر ایمان لا کر عمل کرتے ہیں تو جیسا کہ میں نے کہا ہے اور ایمان بالغیب عین الیقین کے درجہ تک پہنچ جاتا ہے گویا مشاہدہ سے بدل ہو جاتی ہے بالغیب کا یہ مطلب نہیں کہ بغیر سوچے سمجھے اندھا دھند ایمان لائیں یہ قرآن کریم کے طریق تعلیم کے خلاف ہے جو ہر حکم کے لئے دلیل رکھتا ہے اس مقام پر بھی یہ کہہ کر کہ قرآن ہدایت نامہ ہے اسی عمل انسان کو متقی بنا دیتا ہے جو کہ قسم کے برکات الٰہیہ کے مورد ہو کے یقین دلا دیتے ہیں گویا تقویٰ کی پہلی منزل ایمان بالغیب ہے۔
د... ثانی الکبیر

اور تمام تحقیقات کا دارومدار ایمان بالغیب ہی پر ہے دنیا کے تمام
علوم کی بنیاد اسی پر ہے انسان کچھ اصول مان کر پھر اپنی تحقیقات
عملی کو اختیار کرتا ہے اور نتائج ان کی عملی تصدیق کرتے ہیں
اس لئے قرآن مجید ابتداہی میں اس مہتم بالشان عقیدہ ۔

ایمان بالغیب کو پیش کرتا ہے

اور اس میں یہ سِرّ اور علمی کمال ہے کہ عمل سے
غیب مشاہدہ بن جاتا ہے ۔

یہ ایک فنی مگر لذیذ بحث ہے اور قرآن مجید کے قرآنی احکام پر غور کرنے
اور پھر ان احکام کو عملی رنگ دینے سے یقیناً وہ ایمان بالغیب مشاہدہ صحیحہ
کی صورت اختیار کر لیتا ہے اور وہ ایمان جو صرف حسن ظن سے شروع
ہوا تھا۔ بالآخر یقین ۔ عین الیقین اور حق الیقین کے درجہ تک پہونچ
جاتا ہے۔ پہلے جو ایمان اللہ تعالیٰ کی ہستی پر تھا وہ اس حد تک ترقی
کر لیتا ہے کہ گویا اللہ تعالیٰ کو دیکھتا ہے۔

اسیطرح فرشتوں پر ایمان تصور اور خیال سے بلند ہو جاتا ہے
فرشتے اسپر اترتے وہ ان کو دیکھتا اور وہ اس کو بشارتیں دیتے اور کلام
کرتے ہیں۔ غرض ابتداءً ایمان بالغیب ہی کی فطری اور طبعی ضرورت ہے۔
میں سمجھتا ہوں ابتدائی امور میں احکام القرآن کے متعلق مختصراً بیان کر چکا
اور چونکہ ایمان کی ابتدا اقرار لسانی سے شروع ہوتی ہے اس لئے میں نے

ابتداء اسی سے پسند کی اب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ان احکام کو بیان کرتا ہوں جو کتاب الایمان کے باب حقوق اللہ سے متعلق ہیں۔

احکام القرآن متعلق بہ ایمان

قرآن کریم نے ایمان لانے کے متعلق اور ایمان کے مختلف شعبہ جات اور ایمان اور عمل کے باہمی رشتہ اور اس کے ثمرات اور نتائج کے متعلق جو احکام دیئے ہیں اب میں انہیں درج کرتا ہوں (حکم نمبر الغایت ۶)

قرآن مجید پارہ پنجم سورۃ نساء رکوع ۱۷ آیت ۱۳۶

ایمان لاؤ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ الْكِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَ الْكِتٰبِ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ وَ مَنْ یَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓىٕكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِیْدًا

مومنو! اللہ پر ایمان لاؤ۔ اور اسکے رسول پر ایمان لاؤ اور اس کتاب پر جو اس نے اپنے رسول پر نازل فرمائی اور اس کتاب پر بھی جو اس سے پہلے نازل ہوئی اور (یاد رکھو) جس شخص نے اللہ تعالیٰ اس کے فرشتوں اور اس کی نازل کردہ کتابوں اور اس کے بھیجے ہوئے رسولوں اور یوم آخر کا انکار کیا۔ وہ گمراہی میں بہت دور بھٹک گیا۔

تفسیری نوٹ

اس آیۃ میں اللہ تعالیٰ نے چھ باتوں پر ایمان لانے کا حکم دیا ہے گویا یہ چھ احکام ہیں اور خطاب مومنوں سے کیا ہے امر

سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم ایمان کے اقرار کو اس وقت تک مکمل نہیں سمجھتا
جب تک بنیادی طور پر ان باتوں پر ایمان نہ ہو۔ اس طرح یہ قرآن مجید ایمان
کے اساسی اصول بیان کرتا ہے اور ان امور کے انکار کے مکافات میں بتایا
کہ ایسا شخص راستی اور ہدایت کو پا ہی نہیں سکتا کیونکہ ضلال راستی کے
خلاف ہر فعل پر بولا جاتا ہے۔

ضلال کے معنی

اور یہاں ضلالاً بعیداً کہہ کر بتایا کہ وہ صداقت اور حق سے اس قدر
دور نکل گیا ہے کہ وہ صحیح منزل مقصود پر پہونچ ہی نہیں سکتا۔

حضرت نبی کریم کا کمال

اس بات کو بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ لفظ حضرت نبی
کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی آیا ہے سورہ والضحیٰ
پارہ ۳۰۔

وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدٰى

حق کے دشمنوں نے اس مقام کو محل اعتراض ٹھیرایا اور نعوذ باللہ حضرت
کریم کی نسبت گمراہ کا لفظ تجویز کیا۔ حالانکہ قرآن کریم سورۃ والنجم پارہ ۲۷
میں فرماتا ہے۔

مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى

تمہارا صاحب گمراہ نہیں ہوا۔ اور نہ آپ نے عقاید فاسدہ اختیار کئے۔

اس میں بتایا گیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اعتقادی اور عملی طور پر راہ
صواب پر تھے یعنی جب قرآن کریم خود آپ کے متعلق یہ صراحت فرماتا ہے تو
سورہ والضحیٰ میں ضالاً کے معنی یہ نہیں ہونگے اس پر بڑی لطیف اور مفصل
بحث ہو سکتی ہے یہاں صرف اس مغالطہ کو دور کرنا مقصود ہے اس مقام پر

ضالاً کے معنے ہیں عاشق وجہ اللہ ہم نے تمہیں عاشق وجہ اللہ پایا اور آپکو کامیاب کر دیا یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں اور وہ بھی نہایت واضح اور روشن ہیں کہ آپ اپنی قوم کی اصلاح کے فکر میں اس درجہ منہمک اور فکرمند تھے کہ گویا اس غم و فکر میں اپنی جان دیدیں چنانچہ قرآن مجید فرماتا ہے۔

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ أَلَّا يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ۔ سورۃ الشعراء پارہ ۱۹ آیۃ ۳) اے نبی کیا تو اس غم میں اپنے آپ کو ہلاک کرے گا کہ وہ کیوں مومن نہیں ہوتے اس سے حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس خلاق کمال کا اظہار ہوتا ہے جو آپ کو اصلاح قوم کے لئے تڑپ کے رنگ میں تھا۔

غرض اس آیۃ میں ایمان کے ان چھ بنیادی اصولوں کو ماننے کا حکم دیا ہے اور دوسرے پیرایہ میں ایمانیات کے انکار اور اس کفر کے مکافات کو بیان کر کے۔

ایمان لانے کی ضرورت اور ایمان کے ثمرات کو بتایا

اس کی تاکید مزید

قرآن مجید کے اسلوب بیان میں یہ بات نمایاں ہے کہ وہ حقائق اور صداقت کو مختلف رنگوں میں بتکرار بیان کرتا ہے تاکہ کامل طور پر ذہن نشین ہو جاویں۔ ان احکام کے متعلق دوسرے مقام پر فرماتا ہے۔ سورہ بقرہ آخری رکوع آیۃ ۲۸۵ و ۲۸۶ میں فرماتا ہے۔

اللہ کا رسول اس کلام پر ایمان رکھتا ہے جو اس پر نازل ہوا ہے اور مومن بھی اس کلام پر ایمان رکھتے ہیں یہ سب (رسول اور مومن)

اللہ پر اسکے فرشتوں پر اور اسکی کتابوں پر اور اسکے رسولوں پر ایمان لائے
ہیں (بلحاظ رسالت) ان کے رسولوں میں تفرقہ نہیں کرتے اور (اصل ایمان
کا عملی ظہور یہ ہے) وہ کہتے ہیں (قولاً وعملاً) ہم نے سن لیا اور
اس حکم پر سر تعمیل خم کر دیا (یعنے سنا ہی نہیں بلکہ اس کو دستور العمل بھی بنالیا)
اے ہمارے رب ہم تیری مغفرت چاہتے ہیں اور ہم سب کو بالآخر تیرے
ہی حضور میں حاضر ہونا ہے۔

قرآن مجید اپنی تفسیر آپ کرتا ہے

قرآن مجید کی خصوصیات میں یہ امر واضح ہے کہ
وہ اپنے اجمال کی تفصیل اور تفسیر خود کرتا ہے
ضرورت ہے دل دانا اور دیدہ بینا کی۔

غور کرو قرآن کریم سورۂ بقرہ میں یومنون بالغیب میں ایمانیات کے تمام مدارج
کو گویا غیب ہی کی صورت میں بیان کیا تھا، اس کے بعد عملی احکام کے دو پہلو
بیان کرکے ایمان بالوحی کے دو حصے بیان کئے تھے کہ جو آپ پر نازل ہوا، اور جو
آپ سے پہلے نازل ہوا۔ اور اس سورۃ کے درمیانی حصہ میں اسکی تشریح یوں کی۔

(ترجمہ) تم کہو ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس وحی الٰہی پر جو ہم پر نازل ہوئی اور اس
وحی پر جو ابراہیم۔ اسماعیل۔ اسحاق۔ یعقوب اور اس کی اولاد پر نازل ہوئی۔ اور موسیٰ
اور عیسیٰ پر نازل ہوئی اور اس وحی پر جو اسکے نبیوں پر نازل ہوئی ہم ان میں کسی میں تفریق
نہیں کرتے ہم اسی کے فرمانبردار ہیں۔

ایک عالمگیر مذہب کا اصل

اس آیت میں ایک عالمگیر مذہب کا اصل بیان کیا ہے
اور یہ اصل دنیا میں تمام مذہبی جھگڑوں اور منافرت

کو دور کرکے امن پیدا کرتا ہے اور یہ خصوصیت صرف اسلام کی ہے۔ اور
اسی سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ نہ صرف ایک سچا دین ہے بلکہ وہی کامل بھی ہے
وہ اصول یہ ہے کہ اسلام تمام دنیا کے نبیوں پر ایمان لانے کا حکم دیتا ہے
اور یہ بھی کہ ان میں کسی قسم کی تفریق نہ کی جائے یعنے یہ نہیں کہ کسی کا اقرار
کیا جاوے اور کسی کا انکار اس طرح پر جو سورۃ بقرہ میں مَا اُنْزِلَ مِنْ
قَبْلِكَ فرمایا تھا اسی سورۃ میں بعض انبیاء کے نام کے اظہار کے بعد اس کی
تکمیل مَا اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ کہہ کر کر دی۔ اور اسکی مزید تفسیر اس مقام
پر کثیر لفظوں کر دی ہے۔

یہ نکتہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ مَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ کو کس وجہ
عام رکھا ہے تاکہ یہ ظاہر ہو کہ اللہ تعالیٰ کے کلام کا سلسلہ کبھی بند نہیں ہوا
صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی پر نازل نہیں ہوا۔ اور یہ مکالمہ
الٰہیہ چونکہ عام بھی ہوتا ہے اور ایسے لوگوں کو بھی یہ شرف دیا جاتا ہے
جو نبی نہیں ہوتے اس لئے خصوصیت سے مَا اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ۔

لکھ کر اس وحی کو داخل ایمان کیا جو انبیاء پر نازل ہوئی۔ اور
مکالمہ الٰہیہ کے عام اور دوام کا ذکر مِنْ قَبْلِكَ کہہ کر دیا گویا یہ ایک
استمراری قانون ربانی ہے۔

قرآن کریم کا ایک کمال

میں نے اپنی "تالیفات" میں اس کا ذکر کیا ہے کہ جب میں
قرآن کریم کے متعلق کچھ لکھتا ہوں تو میرے دماغ میں
مختلف قسم کے مضامین کا ایک ہجوم ہونے لگتا ہے اور بعض اوقات جب

اپنے آپ کو مجبور پاتا ہوں کہ ان میں سے بعض کا ذکر اگر نہ کروں تو میں گنہگار ہوں گا
اس مقام پر جب میں پہونچا تو میری توجہ اس مضمون کی طرف پھر گئی جو
اب میں بیان کر رہا ہوں۔

یہ آیتہ جو میں نے اوپر بیان کی ہے سورۃ بقرہ کے آخری رکوع
کی آیتہ ہے اور سورۃ بقرہ کا آغاز جس موضوع پر ہوا ہے اسی پر اس
سورۃ کو ختم کیا گیا ہے پہلے رکوع میں اجمال تھا پھر اس کی توضیح ہوئی
پھر آخر میں توضیح مزید کر کے اس سورۃ کو ختم کر دیا۔

ایک اور نکتہ

قرآن کریم کی ابتدا اللہ تعالیٰ کی صفت علم کے اظہار
سے ہوتی ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جو وحی
سب سے اول ہوتی ہے وہ بھی اقرا (پڑھو) سے ہوتی ہے۔ اور قرآن کریم
کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ

حضرت امام بخاری کا مقام

یہ تو قرآن مجید کے علمی کمال کا اشارہ ہے۔ اور
اسکے بعد یؤمنون بالغیب کو پیش کیا ہے اس مقام
پر حضرت امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ کی معرفت کے متعلق میرا ایمان بہت
بڑھ گیا ہے وہ بڑے دقیق النظر اور قرآن مجید کا ایک خاص علم رکھتے
تھے یہ حقیقت ان لوگوں پر بآسانی کھل سکتی ہے جو صحیح بخاری کی
ترتیب اور اسکے عنوانات پر فکر کریں میں یہاں اپنے مضمون کے سلسلہ
میں ذکر کرتا ہوں جس سے انکی معرفت علوم الٰہیہ کا پتہ لگتا ہے۔

حضرت امام بخاری نے اپنی صحیح کی ابتدا وحی سے کی ہے اور

یہ ظاہر ہے کہ وہ علوم صحیحہ جو انسان کے مقصد حیات کو پورا کرتے ہیں ان کی بنیاد وحی الٰہی پر ہی ہے اور یہی وہ علم ہے جو انبیاء علیہم السلام کو دیا جاتا ہے اور اس کے بعد کتاب الایمان کو رکھا ہے قرآن کریم نے الم میں اللہ تعالیٰ کے کمال علم کی طرف توجہ دلا کر اس کا نتیجہ ذٰلک الکتاب بتایا اور اسے متقیوں کا ہدایت نامہ قرار دیا اور تقویٰ کی اساس ایمان بالغیب پر رکھی۔ جب انسان ایک قلب سلیم لیکر قرآن مجید کے اس نظام ترتیب اور امام بخاری کی ترتیب پر غور کرتا ہے تو بے اختیار اسکے دل میں جہاں قرآن مجید کی عظمت وکمال کی معرفت سے نشاط پیدا ہوتی ہے حضرت امام بخاری کے لیے بھی دل سے دعا نکلتی ہے۔

یہ مضمون جملہ معترضہ کے طور پر آگیا ہیں پھر اس اصل موضوع کی طرف آتا ہوں جو میں نے سورۃ بقرہ کے ابتداء اور اس کے آخری رکوع کے باہمی تعلق کے سلسلہ میں اوپر شروع کیا ہے۔ سورۃ کے آخر میں اس مقصد عظیم کی طرف توجہ دلائی ہے جو ابتدائے سورۃ بقرہ میں

ذریعہ فلاح بتایا گیا ہے

اور ان ایمانی امور اور اعمال کو بیان کیا آخر سورۃ میں اسی ایمان بالغیب اور اللہ تعالیٰ کے علم کامل پر ایمان کو تزکیہ نفس کا ذریعہ قرار دیا اس طرح پر کہ بتایا کہ اللہ تعالےٰ کا علم ہمارے ظاہری اعمال ہی تک نہیں بلکہ ہمارے خیالات اور مخفی تصورات پر بھی حاوی ہے اور اللہ تعا

کی ہیں صفت ایمان انسان کو خیالی اور عملی گناہوں سے روک دے گا
اسی سلسلہ میں محاسبہ اور قانونی سزا و جزا پر بھی بحث ہو سکتی ہے مگر میں
اب اس کو طول دینا نہیں چاہتا صرف یہ کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے
اس کی طرف توجہ دلائی ہے کہ ہم اپنے نفس کا محاسبہ کرتے رہیں۔
اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی حقیقت کو سمجھایا

حَاسِبُوا قَبْلَ ان تُحَاسَبُوا

تم اپنے نفوس و اعمال کا محاسبہ کرو قبل اس کے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور وہ
محاسبہ ہو۔ اور یہ انسانی فطرت کا ایک نقشہ ہے ہر انسان اپنے دنیوی
کاروبار میں روز محاسبہ کرتا ہے کہ وہ نفع کی طرف جا رہا ہے یا خسارہ
کی طرف پھر کس قدر افسوس ہے انسان متاع الدنیا قلیل کے لئے
تو اس قدر محتاط ہے اور آخرت کے لئے بے فکر ہو۔

ایمان کے اساسی اجزا کی تشریح

میں نے اوپر بتایا ہے کہ قرآن کریم نے ایمان کے چھ اساسی اجزاء
بتائے ہیں جیسا کہ میں آئندہ بیان کروں گا (بحولہ تعالیٰ) اسی اساسی
اجزاء کے تحت چھ ضمنی اجزاء ہیں جن پر ایمان ضروری ہے لیکن اس
سے پہلے بعض اور ضروری امور ایمان ہی کے سلسلہ میں بیان کرنے
مناسب معلوم ہوتے ہیں۔

ان میں سے ایک بنیادی امر ایمان بالتقدیر | ساتواں بنیادی جزو ایمان بالتقدیر

ہے اگرچہ قرآن کریم میں اس حقیقت کو ایسے رنگ میں بیان کیا ہے
جس سے وہ تمام اعتراضات و توہمات جو مسئلہ تقدیر کے متعلق پیدا
کئے جاتے ہیں خود بخود رفع ہو جاتے ہیں لیکن صراحۃً حکم کے رنگ میں
اس کو بیان نہیں کیا میں پہلے بیان کر آیا ہوں کہ میں ان امور کو بھی احکام
میں داخل کرونگا جو اپنے اشارات و ثمرات کے لحاظ سے قرآن کریم سے
بیان کئے ہیں۔ اس مسئلہ تقدیر کے متعلق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے
فرمایا۔

لَا یُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتّٰی یُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ خَیْرِہٖ وَشَرِّہٖ

یعنی کوئی بندہ مومن ہو ہی نہیں سکتا جب تک اچھی قدر اور بری قدر پر ایمان
نہ لائے ایک دوسری جگہ فرمایا۔

مَنْ لَمْ یُؤْمِنْ بِالْقَدْرِ خَیْرِہٖ وَشَرِّہٖ فَاَنَا بَرِیْءٌ مِّنْہُ

جو شخص اچھی یا بری تقدیر پر ایمان نہیں لاتا میں اس سے بیزار ہوں۔
حضور سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشادات عالیہ بتاتے
ہیں کہ ایمان بالقدر اس قدر اہم ہے کہ جو اس پر ایمان نہ لائے حضور اس سے
اظہار بیزاری فرماتے ہیں۔ اس لئے میں ایمان کے اساسی اجزاء کو اب چھ کی
بجائے سات قرار دیتا ہوں اور ان میں سے ہر ایک کے متعلق جدا جدا
احکام بیان کرنے کی اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحم سے کوشش کروں گا ایمانیات
کے متعلق کچھ اور باتیں بھی تکمیل مضمون کے لئے بیان کرنی ضروری ہیں اس لئے
اولاً انہیں لکھتا ہوں۔ ایمان بالقدر کے متعلق ضروری ابحاث اسی سلسلہ

میں آ بیں گی جب میں ایمان کے اساسی اجزا پر بحث کروں گا اگرچہ انہیں سے ہر ایک جزو ایسا ہے کہ وہ بجائے خود ایک ایک ضخیم کتاب کا داعی ہے مگر میں مختصر ضروری امور کو انشاء اللہ بیان کرنے کی مختصر کوشش کروں گا۔

یہاں مخصوص دل یاد رکھنا چاہیئے کہ

ایمان بدون عمل مردہ اور بے حقیقت ہے

کامل ایمان مجرد زبانی اقرار سے حاصل نہیں ہوتا خود قرآن کریم فرماتا ہے۔ سورہ بقرہ رکوع ۲ پہلی آیت

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِیْنَ

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور یوم آخرۃ پر ایمان لائے اور در حقیقت یہ ہے اکہ وہ مومن نہیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مجرد قول کچھ حقیقت نہیں رکھتا جب تک اسکے ساتھ اس کے موافق اعمال نہوں اسی کی تائید قرآن مجید کے ایک دوسرے مقام سے ہوتی ہے سورۃ الصف پارہ ۲۸ - آیت ۲ و ۳

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝

مومنو! جب تم عمل نہیں کرتے تو کہتے کیوں ہو (یاد رکھو) اللہ تعالی کے حضور میں یہ سخت بیزاری کی بات ہے کہ تم ایسی بات کہو جس پر عمل نہیں کرتے۔

یاد رہے یہاں مومنوں کو خطاب ہے اس لئے ایمان کے موافق اعمال کی ضرورت ہے ورنہ ایسا قول ایک مردہ اور بے حقیقت چیز ہے اور نہ صرف بے حقیقت بلکہ اللہ تعالی اس سے بیزاری کا اظہار فرماتا ہے۔

ایمان کی صحیح کیفیت کب پیدا ہوتی ہے

یہ بات سمجھ لینے کے بعد کہ مجرد قول بدوں عمل ایمان نہیں وہ ایک اقرار باللسان تو ہو سکتا ہے اس امر کا معلوم کرنا ضروری ہے کہ پھر ایمان کی صحیح کیفیت کیا ہے؟ اس کے لئے قرآن کریم خود تصریح فرماتا ہے سورۃ الحجرات پارہ ۲۶ رکوع ۲ آخری آیت ۱۶ — إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ۝ مومن وہ ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہیں پھر اس ایمان میں کسی قسم کا شبہ انہیں پیدا نہیں ہوتا اور وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے اموال اور نفوس سے سعی فی الدین کرتے ہیں یہ لوگ ہیں جو اپنے دعوے ایمان میں صادق ہیں۔

ان مقامات پر یک جائی نظر سے غور کرنے پر یہ حقیقت کھل جاتی ہے کہ ایمان ایک دنیائے عمل کو چاہتا ہے اور پھر اس کے مختلف شعبے ہونگے اللہ تعالیٰ پر ایمان کا کیا مفہوم ہے اور رسول پر ایمان کا کیا۔ ان تمام امور پر بھی قرآن کریم تفصیلی بحث کرتا ہے۔

فقہائے عظام اور ائمہ اسلام نے اقرار باللسان پر بھی عجیب و غریب علمی بحثیں کی ہیں منجملہ ان کے اقرار کے متعلق کہ وہ رکن ایمان ہے یا شرط ایمان۔ میں پہلے لکھ آیا ہوں کہ میں ان بحثوں میں نہیں جاؤں گا۔ میرا نقطہ نظر عملی قوتوں کو بیدار کرنا ہے۔

ایمان بغیر عمل عیسائی عقیدہ ہے

میں یہاں اس امر کے بیان کرنے سے نہیں رک سکتا کہ

قرآن کریم نے جو تعلیم دی ہے اس میں ایمان کو عمل کے ساتھ وابستہ کیا ہے
وہ ایمان بدون عمل کو لاف گزاف سمجھتا ہے۔ (میرا یہی عقیدہ ہے)
یہ تو عیسائی مذہب کا عقیدہ ہے کہ وہ نجات کے لئے صرف ایمان
کو کافی سمجھتے ہیں اس عقیدہ کے ساتھ ہی انہوں نے عملی قوتوں کو بیکار
کر دینے کے لئے نعوذ باللہ شریعت کو لعنت قرار دیدیا۔ میری روح
اس امر کو ماننے سے بغاوت کرتی ہے کہ صرف ایمان ہی کو بغیر عمل سے کافی
سمجھ لیا جاوے۔

قرآن کریم نے تو تمام ترقیات کو وہ دنیوی ہوں یا دینی اعمال سے
وابستہ کر دیا ہے۔ یہ کسی ایک مقام پہ سرسری طور پر نہیں بیان کیا بلکہ فلاح
کو مخصوص کر دیا ہے اعمال سے میں قارئین کرام کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ سورۃ المومنون
کا پہلا رکوع پڑھیں جہاں مومنوں کی کامیابی کے طریق بتائے ہیں سورۃ
بقرہ ہی کا پہلا رکوع پڑھیں۔ اور غور کریں تو صاف نظر آتا ہے کہ قرآن کریم
عملی قوت کو نشوونما دیتا ہے۔

قرآن کریم عملی قوتوں کو نشوونما دیتا ہے

یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اگر عمل کی
ضرورت نہ تھی تو پھر انسان کو مختلف قسم کی استعدادیں ہی کیوں دی گئیں؟
اور قرآن کریم نے انسان کے لئے کائنات کو مسخر ہی کیوں کیا؟ اللہ تعالیٰ
کی صفت ربوبیت ہی کا یہ تقاضا کہ ترقیات کی روح عمل ہے مجھے حیرت
ہوتی ہے کہ وہ لوگ جو صرف ایمان کو نجات کے لئے کافی سمجھتے ہیں
دنیوی ترقیات میں تو عمل کے اکسیری نتائج کو دیکھتے ہیں کہ قوت عمل

نے ایک نئی دنیا پیدا کر دی ہے اور قرآن کریم کے بتائے ہوئے عمل تسخیر نے ایک نئی جنت نمایاں کر دی ہے پھر کیا انسان کی منزل مقصود اسی حد تک ہے؟ جو روحانیات اور اخلاقیات میں عمل کے بغیر صرف چند لفظ کہہ دینے سے ان منازل روحانی کو طے کر لیگا؟ یہ عقیدہ درست نہیں ہو سکتا کہ نجات کے لئے صرف ایمان کافی ہے ہاں اس کی بجائے صحیح عقیدہ یہ ہے کہ عمل کے لئے ایمان ضروری ہے۔

تناسخ پر ضمنی بحث

میری اس کتاب کا موضوع مذاہب مختلفہ کے عقاید کا تقابلی مطالعہ نہیں اور نہ ان پر تنقید اس وقت زیر نظر ہے ایمان اور اعمال کے باہمی ربط اور تعلق کے سلسلہ میں مجھے عیسائیت کے موجودہ عقیدہ (ایمان بدون عمل) کا ذکر ضمناً کرنا پڑا میرا یہی عقیدہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے یہ تعلیم ہرگز نہیں دی کہ صرف ایمان نجات کے لئے کافی ہے یہ بعد کی پیداوار ہے۔

اسی سلسلہ میں مجھے ایک دوسرے عقیدہ کے متعلق بھی کچھ بیان کرنا ضروری ہو گیا اس لئے کہ اس میں بھی ایمان اور عمل کا کچھ تعلق ہے۔

تناسخ کے ماننے والوں نے ایمان کو غیر ضروری قرار دیا اس میں شک نہیں کہ وہ اعمال کی ضرورت کے قائل ہیں اور اس حد تک اسلامی عقیدہ کے ساتھ توافق رکھتے ہیں سو انسان کے اعمال کا مکافات ہے لیکن وہ انسان کی اس زندگی کو کسی پہلے جنم کا نتیجہ قرار دیتے ہیں مکافات عمل کے لئے اسے پھر دنیا میں لاتے ہیں حالانکہ یہ ہمارے

مشاہدہ اور قانون قدرت کے منافی ہے۔ اور تناسخ کی موجودہ حقیقت اور شکل کو تسلیم کرنے سے اللہ تعالیٰ کی صفات باطل ہو جاتی ہیں۔ مثلاً ربوبیت جو قدرتی ترقی کی مقتضی ہے اور ترقی کے لئے وہ آگے لے جاتی ہے نہ یہ کہ پیچھے لائے۔ اور تناسخ کا اصول پیچھے لے جاتا ہے انسانی جنم ختم ہونے کے بعد مکافات عمل کے لئے اسے کسی دوسری جون یعنی جسم میں جانا پڑتا ہے جو انسان کے مقابلہ میں ادنیٰ ہے۔

اسی طرح یہ بعض دوسری صفات کا بھی انکار لازم آتا ہے مثلاً رحمانیت کا انکار کرنا پڑتا ہے رحمانیت کی تجلی رحم بلا مبادلہ کی صورت میں ہو رہی ہے تناسخ کو ماننے والا عملاً اس کا انکار کرتا ہے۔ غرض ان دونوں قوموں نے اس مقام پر ٹھوکر کھائی ہے ایک نے عمل کو بیکار کر دیا دوسری نے ایمان کو غیر ضروری قرار دیا صحیح عقیدہ وہی ہے جو اسلام نے پیش کیا کہ ایمان اور عمل ایک دوسرے کی تکمیل کے لئے لازم ملزوم ہیں۔ جیسا کہ میں نے اشارتاً بتایا ہے اللہ تعالیٰ کی ہر صفت کفارہ اور تناسخ کے عقیدہ کو غلط ٹھیراتی ہے اور قرآن مجید نے تفصیل کے ساتھ اس قسم کے تخائلِ باطلہ کی تردید کی ہے۔ اس مقام پر یہ ذکر ضمناً آگیا۔ قرآن کریم نے انسان کے اندر متعدد قوتوں کو بیان کیا جو مختلف مدارج طے کرتے ہوئے اپنے کمال کو پہونچتی ہیں۔ قرآن کریم نے اسی لئے سورۃ فاتحہ کو الحمد للہ رب العالمین سے شروع کیا ہے اور لفظ رب ہی میں مسئلہ ارتقا کو بیان کیا ہے

ایمان کا ایک اور مقام بین الخوف والرجاء

ایمان کے متعلق اس امر کو بھی بحضور دل یاد رکھنا چاہیئے کہ ایمان بین الخوف والرجا ہوتا ہے یعنے امید اور خوف کے مابین۔ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

پارہ ۱۴ سورۃ الحجر رکوع ۵ آیۃ ۵۰ و ۵۱

(ترجمہ) میرے بندوں کو آگاہ کردو کہ میں غفور الرحیم ہوں (۵۰) اور میرا عذاب بھی دردناک عذاب ہے ۵۱

اس آیۃ میں ایمان کی اسی حقیقت کا بیان ہے کہ وہ ان دونوں باتوں پر یعنے اللہ تعالیٰ کی ان صفات پر ایمان رکھے۔ اللہ تعالیٰ کی صفت غفور الرحیم پر ایمان مومن کے اندر امید پیدا کرتی ہے نہ صرف مومن کے دل میں بلکہ ایک گنہگار کے دل میں بھی امید مغفرت و رحم پیدا ہو کر اس کو توبہ کی تحریک کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفت سزائے اعمال دینے کی قدرت پر ایمان خوف پیدا کرتا ہے اور یہ خوف اس کو بدیوں اور گناہوں سے بچانے کا ذریعہ ہو جاتا ہے مومن اور گنہگار انسان کی امید اور خوف میں ایک فرق ہے مومن کو امید اللہ کے فضل کی کثرت اور انعام الہیٰ کی وسعت کا رنگ رکھتی ہے اور گنہگار عذاب سے محفوظ ہو جانے کی امید رکھتا ہے اگر صرف امید ہوتی تو انسان گناہ پر دلیر ہو سکتا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے ایمان کو خوف اور رجا کے درمیان رکھا تا کہ وہ گناہ سے نفرت کرنے لگے۔

کفر بالایمان

ایمان کے متعلق ذیلی امور میں سے ایک کفر بالایمان ہے اور بظاہر یہ عجیب بات معلوم ہوگی کہ کفر بالایمان کیا ہوتا ہے یاد رہے میں نے یہ اصطلاح خود پیدا نہیں کی قرآن کریم اس کا ذکر کرتا ہے

پارہ ٦ سورۃ المائدہ رکوع اول کی آخری آیت

وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ز وَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ

اور جو شخص ایمان سے انکار کرے تو اس کا عمل ضائع ہوگیا اور وہ آخرۃ میں بھی نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔

تفسیری نوٹ

اس آیۃ میں دو باتیں معلوم ہوتی ہیں اول یہ کہ اعمال کی اصلی بنیاد ایمان ہے اس لئے کہ عمل محرک ایمان ہی ہوتا ہے پھر جو شخص مومن ہی نہیں اس کے اعمال نتیجہ خیز کیونکر ہونگے۔

دوم یہاں ایمان سے مراد شریعت کے احکام ہیں — اس آیۃ سے پہلے اور بعد کچھ احکام دیئے گئے ہیں جن کا ذکر اپنے موقعہ پر اس کتاب میں آئیگا مگر قارئین کرام قرآن مجید میں سے اس آیت کو دیکھ کر اس مضمون کو باسانی سمجھ سکتے ہیں۔

پس یہاں کفر بالایمان سے مراد ایمان بالعمل سے انکار ہے اور اعمال میں وہ اعمال داخل ہیں جو شریعت الہیہ کے موافق ہوں اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہوں نہ یہ کہ انسان کا مقصد حیات اور حاجات صرف دنیا کی زندگی ہو ایسے لوگوں کے اعمال بھی اکارت جاتے ہیں یعنے آخرۃ میں ان کے لئے کچھ نہیں۔ کفر بالایمان کے معنوں میں ایک

یہ حقیقت بھی ہے کہ جس قدر ارکان یا اجزائے ایمان قرآن کریم نے بیان کئے ہیں ان میں سے کسی ایک کا انکار بھی خسرۃ الآخرہ کا مصداق کر دیتا ہے۔

ایمان کا گھٹنا بڑھنا

ایمان کی بحث میں ایمان کے گھٹنے بڑھنے کا بھی ایک معرکۃ الآرا مسئلہ ہے مجھے ان موشگافیوں میں الجھنا نہیں قرآن کریم سے صاف ظاہر ہے کہ ایمان گھٹتا بڑھتا ہے۔

قرآن کریم سورۃ الانفال کے پہلے ہی رکوع کی تیسری آیت میں مومنین کے کچھ صفات بیان کئے ہیں اور ان میں فرمایا کہ جب انپر اللہ تعالےٰ کی آیات پڑھی جاتی ہیں وہ ان کے ایمان کو بڑھاتی ہیں " یہ آیت قطعی الدلالت ہے کہ ایمان کی حالت یکساں نہیں یہاں بڑھنے کا ذکر کیا ہے ظاہر ہے کہ جو چیز بڑھتی ہے وہ گھٹ بھی سکتی ہے کیونکہ اس کی حالت میں ایک تغیر تو ہو گیا خواہ اوپر کی طرف ہو یا نیچے کی طرف۔

حضرت امام بخاریؒ کا کمال

حضرت امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ کے ذہنی اور فکری کمال کا پہلے ہی ذکر کیا ہے اگر صحیح بخاری کے ابواب کی ترتیب اور عنوان پر ہی غور کیا جاوے تو ایک لذیذ مطالعہ ہوگا اور بہت سے معارف اسی سے سمجھ میں آتے ہیں انھوں نے کتاب الایمان کا پہلا ہی باب یہ رکھا ہے

(باب) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ اسلام کی بنیاد پانچ باتوں پر رکھی گئی ہے اور وہ قول اور فعل ہوتا ہے اور وہ بڑھتا بھی اور گھٹتا بھی ہے

...ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اس مقام پر حضرت امام بخاری نے قرآن مجید کی
...درج ذیل آیات پیش کی ہیں ان کے حوالہ جات اور صرف ترجمہ دیتا ہوں
(۱) پارہ ۲۶ سورۃ الفتح رکوع اول آیت ۵ "تاکہ وہ اپنے ایمان کے ساتھ
ترقی کریں۔

(۲) پارہ ۱۵ سورۃ کہف رکوع ۲ آیت ۱۳
وہ چند جوان تھے (اصحاب کہف) وہ اپنے رب پر ایمان لائے اور
...نے انہیں ہدایت میں بڑھایا۔

(۳) پارہ ۲۶ سورۃ محمد رکوع ۲ آیت ۱۸
" اور جو ہدایت اختیار کرتے ہیں انہیں ہدایت میں بڑھاتا ہے
...انہیں ان کا تقویٰ عطا کرتا ہے"

(۴) پارہ ۲۹ سورۃ المدثر رکوع اول آیت ۳۱
" اور جو ایمان لائے وہ ایمان میں ترقی کریں"

(۵) پارہ ۱۱ سورۃ توبہ رکوع ۱۶ آیت ۱۲۴
" جب کوئی سورۃ نازل ہوتی ہے ان میں سے بعض کہتے ہیں تم میں سے
...کا ایمان بڑھتا ہے لیکن جو مومن ہوتے ہیں ان کا ہی ایمان بڑھتا ہے اور
خوش ہوتے ہیں"

(۶) سورۃ الاحزاب پارہ ۲۱ آیت ۳
انہوں نے کہا یہ تو وہی معاملہ ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول نے ہم کو وعدہ
دیا تھا اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا تھا۔ (اس واقعہ نے) ان کے

ایمان میں اضافہ کیا اور عملی اطاعت میں ترقی کی حضرت امام بخاری نے قرآن مجید کی ان آیات کو زیب عنوان کر کے بتا دیا کہ ایمان بڑھتا ہے اور پھر ان آیات پر ان کے سیاق و سباق کیساتھ غور کیا جاوے تو ان امور کی صراحت بھی مل سکتی ہے جن کے ذریعہ ایمان ترقی کرتا ہے میں تفصیلی بحث کروں تو یہ کتاب الایمان ہی بجائے خود ضخیم ہو جاویگی۔ اس لئے میں قارئین کرام کے غور و فکر کے لئے چھوڑ دیتا ہوں مگر اتنا اشارہ کرتا ہوں کہ قرآن کریم میں ان آیات کو نکال کر پڑھیں گے تو انہیں وہ اسباب ترقی ایمان خود معلوم ہو جائیں گے انشاء اللہ العزیز۔

خلاصہ بیان میں اب اجزائے اساس الایمان کے متعلق احکام بیان کرنے سے پہلے خلاصہ ایمان کے متعلق بیان کر دینا چاہتا ہوں۔

(۱) ایمان کا اصطلاحی مفہوم اللہ تعالیٰ اور اسکے رسولوں اس کی کتابوں اسکے فرشتوں اس کی مقرر کردہ اقدار اور یوم آخرہ کو مان لینا اور اسکے ان صداقتوں کے موافق عمل کرنا ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی صحیح کے کتاب الایمان کے پڑھنے سے ایمان کی حقیقت اور اس کے مختلف شعبوں پر ایک بصیرت افروز نظر کی جاتی ہے تو ایک ذہنی اور تصوری امر یقین الیقین کا رنگ اختیار کر لیتا ہے اور اسی کا نام معرفت ہے اور اس مقام پر پہونچکر شکوک و شبہات سے نجات ہو جاتی ہے اور وہ ایمان ایک حلاوت اور بشاشت پیدا کر دیتا ہے۔ اور اس بشاشت اور حلاوت کو وہ ان اعمال ہی میں محسوس

رستے نکلتا ہے جو اس ایمان کا ایک علمی وجود ہے جو ابتداء
میں ذہنی رنگ رکھتا تھا۔ یہی تصور اور تصدیق کی اصطلاحوں
کی حقیقت ہے۔

ایک حسرت

اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی عمر کے اس حصہ میں جو آخری ہے اور
ہر روز کم ہو رہا ہے یہ توفیق بخشی کاش جوانی میں مجھے توفیق
ملتی تو آج اپنے دل و دماغ میں جو کیفیتیں محسوس کرتا ہوں میں ایک ایک
موضوع پر مفصل کتاب شائع کرتا۔ اس حسرت کے ساتھ یہ امید رکھتا
ہوں کہ وہ غفور الرحیم اس عمل اور اس کے اجر سے محروم نہ فرمائے گا۔
وَهُوَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْن

احکام قرآنی متعلق بہ عقاید ایمانی

(ایمانیات)

احکام القرآن
حصہ

ایمان باللہ

ایمان کے متعلق امور کی تصریحات کے بعد اب بفضلہ تعالیٰ میں ایمان کے ان اساسی اجزا پر جداگانہ بحث کرتا ہوں۔ ایمان باللہ کے متعلق بہت سی ذیلی بحثیں بھی پیدا ہو سکتی ہیں مگر میں ان مباحث میں جانے کی کوشش نہیں کروں گا۔ کسی دوسرے وقت اللہ تعالیٰ نے موقعہ اور توفیق دی ان پر لکھوں گا اس وقت مجھے صرف ان احکام کی طرف مختصر توجہ دلانا ہے جو ایمان باللہ کے متعلق ہیں۔

اللہ تعالیٰ پر ایمان کا اسلامی تصور

مجھے اس امر کا شاید متعدد مرتبہ اظہار کرنا پڑے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ایک انقلابی نبی اور انسانیت عامہ کے دائمی نبی کی حیثیت سے ہوا ہے اور آپ نے ان تمام کمیوں کو جو پہلی تعلیمات میں تکمیل کے لئے رہ گئی تھیں پورا کیا۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان کے متعلق پہلے جو تصور تھا وہ یہ تھا کہ ہر قوم اپنا ایک جدا خدا یقین کرتی تھی مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آکر قرآن کریم کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے متعلق جو تصور پیش کیا وہ رب العالمین کا تصور تھا۔ یعنے وہ کسی خاص قوم اور خاص ملک کا رب نہیں بلکہ کل کائنات کا رب ہے یہ تعلیم حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مخصوص تھی اسلئے کہ آپ نسل انسانی کے لئے نبی ہو کر آنے والے تھے اور تکمیل دین اور تمام نعمت آپ کے ذریعہ ہی ہونے والا تھا۔

ایک خاص نکتہ ربوبیت کے متعلق

ربوبیت کے متعلق یہ یاد رکھنا چاہئے کہ قرآن کریم کا یہ ایک یگانہ طریق استدلال

ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی ہستی اس کی توحید اور صفات کے اظہار
اور ثبوت کے لئے مظاہر ربوبیت کو پیش کیا ہے اور حقیقت یہ ہے
کہ اگر انسان قلب سلیم کے ساتھ نظام ربوبیت پر غور کرے تو یہ امر آسانی
سے سمجھ میں آجاتا ہے کہ کائنات کی تخلیق اسکی تربیت اس کی تدریجی
تکمیل ایک مکمل نظام خود بخود نہیں ہو سکتا اور فطرت انسانی اس اعتراف کے بغیر نہیں رہ سکتی کہ

اس کائنات کا خالق اللہ تعالیٰ ہے

یہ بجائے خود ایک وسیع مضمون ہے کہ مظاہر ربوبیت کی طرح پر
اللہ تعالیٰ کی ہستی اس کی توحید اور صفات کے لئے آیات بینات ہیں۔
قرآن کریم کی ایک آیت میں اس مضمون کے سمجھنے کے لئے پیش کر دیتا ہوں

سورۃ ابراہیم پارہ ۱۳ رکوع ۱۳ آیۃ ۱۳

أَفِي اللَّهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ

کیا اللہ تعالیٰ کی ہستی میں شک ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا
سے سارے قرآن کریم کو پڑھو اللہ تعالیٰ کی ہستی اور اس کی توحید پر مظاہر
کائنات کو ایک وجدانی دلیل کے طور پر پیش کیا ہے۔ ضمناً میں قرآن کریم
کے اس طریق استدلال پر توجہ دلانے کے بعد ان احکام کو پیش کرتا ہوں۔

ایمان باللہ میں پہلا مقام توحید ہے

اللہ تعالیٰ پر ایمان میں پہلا درجہ مقام توحید ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے
فرماتا ہے سورۃ طہٰ پارہ ۱۶ رکوع ۲ آیۃ ۱۴

إِنَّنِي أَنَا اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي

میں اللہ ہوں کوئی معبود نہیں مگر میں پس میری ہی عبادت کرو اور میرے ذکر کے لئے نماز کو قائم کرو اللہ تعالے نے اپنی ہستی کو منوانے اور اپنی ہی عبادت کا حکم دیا۔ اور اس طرح پر اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو شریک کرنے سے منع فرمایا۔

توحید فی العبادت

سب سے اول میں ان احکام کو لیتا ہوں جو شرک فی العبادت کی تردید کرتے ہیں اور توحید فی العبادت کا حکم دئے ہوئے ہیں

(۱) سورۃ نساء پارہ (۵) رکوع ۶ آیۃ ۳۶

وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا

اور اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرو اور اسکے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو۔

(۲) سورۃ بقرہ پارہ اول رکوع ۳ شروع آیتہ

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ۔

اے لوگو اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تم کو پیدا کیا اور تم سے پہلے لوگوں (یعنے ہمارے باپ داداؤں اور پہلی کائنات) کو بھی پیدا کیا اس عبادت کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم دکھوں سے بچ جاؤ گے۔

(۳) سورۃ المائدہ پارہ ۶ رکوع ۱۰ آیتہ ۱۳۔

وَقَالَ الْمَسِيحُ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ إِنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ ط

حضرت مسیح نے بنی اسرائیل کو کہا کہ اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا
رب ہے اس لئے کہ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک کرتا ہے اللہ تعالیٰ
اس پر جنت کو حرام کر دیتا ہے۔ اور اس کا ٹھکانا جہنم ہوتا ہے اور ایسے مشرکوں
کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔

انبیاء علیہم السلام کا مسلسل عقیدہ

یہ حضرت مسیح علیہ السلام ہی پر موقوف نہیں بلکہ
تمام انبیاء علیہم السلام جن کا ذکر قرآن کریم نے نام
لیکر کیا ان سب کا یہ مسلسل اور اجتماعی عقیدہ رہا ہے اور ان میں سے
ہر ایک نے اپنے وقت میں اپنی قوم کو اس عقیدہ توحید کی تعلیم دی ہے
مختلف سورتوں میں ان کی تبلیغ کا ذکر ہے اور سب سے پہلی تعلیم ہر
ایک کی یہی تھی لَا تَعْبُدُوْا اِلَّا اللّٰہَ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرو۔
اللہ تعالیٰ کی توحید اور منع شرک کے احکام کو یکجائی طور پر بیان
کر دوں گا۔ اس لئے کہ دونوں صورتوں میں توحید ہی پر ایمان اور
عمل کو پیش کیا گیا ہے منع شرک کے ذریعہ ان رذائل سے بچنے
کا طریق اور دستور العمل ہے جو انسان کی استعدادوں کو ضائع
کر دیتے ہیں اور اسے انسانیت کے اصل مقام سے ہی نہیں گرا دیتے
بلکہ ایسے علوم حقہ سے بھی محروم کر دیتے ہیں۔

بعض ضمنی احکام

توحید و منع شرک کے متعلق جو قرآن کریم نے احکام
دیئے ہیں ان میں بعض دوسرے احکام بھی آجاتے ہیں
اس لئے میں ان کو اسی ذیل میں بیان کر دوں گا اور جب وہ احکام

دوسرے عنوانوں کے تحت آئیں گے تو صرف حوالہ دیدیا جاوے گا۔

احکام متعلق توحید و منع شرک

شرک کی تعریف اور اقسام

قرآن مجید سے ان احکام کو بیان کرنے سے پہلے شرک کی تعریف اور اس کے اقسام کو بیان کرنا ضروری ہے۔ قرآن شریف اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات مبارکہ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شرک کا عام مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اس کے صفات اور ان اعمال و عبادات میں مخلوق میں سے کسی کو اللہ تعالیٰ کے جیسا سمجھنا یا ان اعمال و عبادات کو جو اللہ تعالیٰ ہی کے لئے مخصوص ہیں کسی دوسرے کے لئے جائز سمجھنا یا انپر عمل کرنا یہ شرک ہے۔ اور یہ عام تعریف شرک کی ہے شرک کے اقسام کا دامن بہت وسیع ہے تاہم بعض کا بیان ضروری ہے۔

اس بیان میں ساتھ ہی ساتھ میں ان احکام کا ذکر بھی کرنے کی کوشش کروں گا۔ جیسا کہ میں نے ابھی اوپر بیان کیا ہے کہ جو ضمنی احکام آئیں گے میں ان کا ذکر بھی یہاں ایک علیحدہ نمبر کے ساتھ کروں گا اس عنوان کے تحت میں تینوں قسم کے شرک اور توحید کا ذکر کروں گا و باللہ التوفیق

شرک فی الذات والعبادات

(۱) سورۃ بقرہ پارہ اول رکوع ۳ پہلی اور دوسری آیت۔

یٰاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۙ الَّذِیْ

جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَاءَ بِنَاءً وَّأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَّكُمْ فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَنْدَادًا وَّأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝

اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تم کو پیدا کیا اور ان کو بھی جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم متقی بنو (۲) وہ رب جس نے زمین کو تمہارے لئے قرارگاہ بنایا اور آسمان کو چھت کی طرح بلند کیا اور اوپر سے پانی اتارا اسکے ذریعہ وہ پھل پیدا کرتا ہے جو تمہارے لئے رزق ہیں۔

پس اللہ کا شریک نہ ٹھیراؤ اور تم جانتے ہو

تفسیری نوٹ میں ان آیات کی تفسیر یہاں نہیں کروں گا جو چاہے وہ میری تفسیر القرآن کے پارہ اول کو پڑھے ان ہر دو آیات میں اللہ تعالیٰ نے دو حکم دیئے ہیں۔

اوّل۔ اللہ اپنے رب کی عبادت کرو۔

دوم۔ اس کا ہمسر کسی کو نہ بناؤ۔

قرآن کریم اپنے اسلوب بیان کے لحاظ سے کوئی حکم نہیں دیتا جسکے دلایل نہ پیش کرتا ہو اور پھر اس حکم پر عمل کرنے کے ثمرات کو پیش کرتا ہے۔ یہاں عبادت کے حکم کے لئے بڑی واضح وجدانی دلیل پیش کی کہ وہ تمہارا اور تمہارے آباء و اجداد کا خالق ہے اور تمہاری ہستی اور بقا و تربیت کے سارے سامان اسی نے پیدا کئے ہیں ان تصریحات کے بعد حکم دیا کہ کسی کو اسکا ہمسر نہ بناؤ۔

انداد کے کیا معنے ہیں اور ایک نکتہ معرفت یہاں منع شرک کے لئے قرآن کریم نے

ایک دوسرا لفظ نداً استعمال کیا ہے اور ند کے معنی ہیں جو شریک فی الاصل ہو۔ اسی مقام پر اللہ تعالیٰ نے حکم تو عبادت کا دیا اور منع کیا اللہ تعالیٰ کا ند تجویز کرنے سے اور یہ دوسرا حکم فَلَا تَجْعَلُوا سے شروع کیا۔ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کی صفات خالقیت اور ربوبیت کا اظہار کیا جو اگرچہ وہ دلائل ہیں حکم عبادت کے مگر ان صفات خلق و ربوبیت کے مظاہر کو پیش کر کے فرمایا پس اللہ تعالیٰ کا ند تجویز نہ کرو۔

گویا یہ حکم شرک فی العبادت شرک فی الذات اور شرک فی الصفات تینوں پہ حاوی ہے قرآن کریم کے دوسرے مقامات اس کی مزید صراحت کرتے ہیں اس لئے ان کو یکجائی طور پہ بیان دیتا ہوں اور مختصر نوٹ دیتا ہوں۔ سورۃ الزمر پارہ ۲۳ رکوع ۱ آیۃ ۹

إِذَا مَسَّ الْإِنسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهُ مُنِيبًا إِلَيْهِ ثُمَّ إِذَا خَوَّلَهُ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُو إِلَيْهِ مِن قَبْلُ وَجَعَلَ لِلَّهِ أَندَادًا لِّيُضِلَّ عَن سَبِيلِهِ قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيلًا إِنَّكَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ

میں یہاں صرف ترجمہ دیتا ہوں اور اس حصہ آیت کو جس میں انداداً استعمال فرمایا اصل میں بھی لکھوں گا

ترجمہ۔ اور جب انسان مبتلائے تکلیف ہوتا ہے تو وہ خالصتہ اپنے رب کی طرف متوجہ ہو کر اسے پکارتا ہے اور پھر جب اللہ تعالیٰ اسکی مصیبت دور کر کے اپنی نعمت سے نوازتا ہے تو اسے بھول جاتا ہے جسکے لئے پہلے پکارتا تھا اور اللہ تعالیٰ کے لئے ہمسر تجویز کرتا ہے (وجعل للہ انداداً) تاکہ اللہ تعالیٰ کے راستے سے لوگوں کو گمراہ کرے کہہ دو اپنے کفران نعمت کا تھوڑے دن فائدہ

اٹھا لو تم اصحاب النار ہو

تشریحی نوٹ:۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ انسان کی اصل فطرت کیا ہے؟ اور جب اللہ تعالیٰ کے فضل اور نعمت کو اپنی دعاؤں اور تضرعات کے ثمرہ میں پالیتا ہے تو اس نعمت کے بعد اپنی کامیابی کے بعض دوسرے اسباب کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرتا ہے۔ اس شرک کا انجام ایسے انسان کو تا جہنم کا مصداق بنا دیتا ہے اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ انداداً شرک فی الصفات میں بھی ہوتا ہے۔ اس لئے کہ دعاؤں کو سننا اور مصیبتوں کو دور کرنا یہ اللہ تعالیٰ ہی سے مخصوص ہے۔

(۲) سورۃ حم السجدہ پارہ (۲۴) آیۃ (۱۰)

قُلْ أَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُونَ بِالَّذِي خَلَقَ الْأَرْضَ فِي يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُونَ لَهُ أَندَادًا ذَٰلِكَ رَبُّ الْعَالَمِينَ ۔

ترجمہ۔ کہو کہ کیا تم (اس ذات پاک کا) انکار کرتے ہو جس نے زمین کو دو دنوں میں پیدا کیا اور اس کے لئے ہمسر ٹھہراتے ہو جو رب العالمین ہے۔ اس آیۃ کے بعد مظاہر قدرت تخلیق الجبال وغیرہ کا ذکر کیا ہے مقصود اس امر کی طرف توجہ دلانا ہے کہ ربوبیت رب العالمین کا انکار اس شکل میں بھی ہوتا ہے کہ کسی کو ہمسر قرار دیا جاوے۔ انسان اپنے معاشرہ میں دوسروں سے استفادہ کرتا ہے مثلاً نوکر اپنے آقا سے لیکن حقیقی نفع رساں اور مربی تو اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے

پس مومن ان تمام امور میں حقیقی معبود اور رب اللہ تعالیٰ ہی کو یقین کرتا ہے اور ان درمیانی وجودوں کی نفی کرتا ہے۔

یہاں یہ حقیقت بھی آشکارا ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کسی کو ہمسر ٹھہرانا اللہ تعالیٰ کا انکار اور کفر ہے۔

(۳) سورۃ السبا پارہ ۲۲ آیتہ ۳۳ میں اس آیتہ کا بھی ترجمہ کروں گا اور جہاں انداداً آیا ہے وہ اصل الفاظ درج کروں گا۔

ترجمہ۔ اور کمزور لوگ متکبرین کو (جواب دیتے ہوئے) کہیں گے کہ تمہاری رات اور دن کی تدبیریں اور منصوبے ہی تو تھے جب تم ہم کو کہتے تھے کہ ہم اللہ تعالیٰ کا انکار کریں۔ (و نجعل له اندادا) اور اس کے لئے ہمسر تجویز کریں۔

(۴) سورۃ ابراہیم پارہ ۱۳ آیتہ ۳۰

آیتہ نمبر ۲۸ سے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا ذکر کرتا ہے جو انعامات الہیہ کو کفر سے تبدیل کر لیتے ہیں اور وہ اپنے طرز عمل سے اپنی قوم کے لئے ہلاکت کے سامان پیدا کرتے ہیں اسی سلسلہ میں فرمایا کہ انعامات الہیہ کفر سے کیونکر تبدیل ہو جاتے اور وہ سب جہنم کے بنتے ہیں فرمایا۔

وَجَعَلُوا لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلُّوا عَنْ سَبِيْلِهٖ قُلْ تَمَتَّعُوْا فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ اِلَى النَّارِ

اور وہ اللہ تعالیٰ کے ہمسر ٹھہراتے ہیں تاکہ اس کے راستہ سے گمراہ کریں کہو دنیا میں فائدہ اٹھاؤ آخر تمہیں دوزخ کی طرف ہی جانا ہے۔

سورۃ البقرہ پارہ دوم آیتہ ۱۶۵ رکوع ۲۱

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْۤا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ

ترجمہ۔ اور بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے سوا اسکے ہمسر (شریک) ٹھیراتے ہیں اور ان (شریکوں) سے ایسی ہی محبت کرتے جیسی اللہ تعالیٰ سے (گویا شریک فی المحبۃ بناتے ہیں) اور مومن تو سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ ہی سے محبت کرتے ہیں۔ اور اگر یہ ظالم جب اللہ تعالیٰ کے عذاب کو دیکھیں گے ..... تو وہ سمجھیں گے کہ اللہ تعالیٰ ہی ساری قوتوں کا مالک ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے۔

اس آیت میں بھی انداد کی ایک تصریح کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو محبت کرنی چاہیئے وہ تمام محبتوں پر فائق اور غالب ہونی چاہیئے اس محبت میں کسی اور کو شریک کرنا خواہ وہ آسمانوں میں سے کوئی ہو یا کوئی اور شئے ایسی محبوب ہو تو یہ موجب عذاب الٰہی ہوگی۔

(تشریحی نوٹ) اس آیت سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے تخلیق عالم اور صحیفہ فطرت کو پیش کرکے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ

وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ

اور اپنی توحید کے ثبوت میں اسی وجدانی برہان۔ تخلیق عالم کو پیش کرکے استحقاق حق اور تعظیم حق کے لئے ایک اصول قرار دیا کہ

عقل سے کام لیا جاوے

اصول فلاح

جیسا کہ فرمایا لاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ۔ اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کامیابی اور فلاح کے لئے عملی قوتوں کو بیدار کرنے کے لئے عملی محبت کی تلقین فرمائی۔ اللہ تعالیٰ کی تخلیق عالم کے ذریعہ جو انعامات انسان پر ہوئے ہیں انپر عقل و فکر سے کام لینے پر اللہ تعالیٰ سے بہ حیثیت ایک محسن و مالک کے محبت کے جذبات ابھر آئیں گے۔ اور خدا تعالیٰ کی مخلوق سے خواہ وہ جمادات میں سے ہو یا نباتات سے یا حیوانات سے یا انسانوں میں سے اگر وہ محبت کرتا ہے تو اس کی عقلی اور وجدانی قوتیں فوراً بیدار کریں گی کہ یہ سب کچھ تو اللہ تعالیٰ ہی کی عطا ہے اس لئے ان تمام محبتوں پر اللہ تعالیٰ کی محبت غالب آجائے گی۔ اور وہ ان تمام اشیاء کو جو کسی وجہ سے جذبہ محبت کو پیدا کرتی تھیں محبت کے مقام سے اتار کر اپنے خادم کی حیثیت میں لے آئیگا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام میں صاف فرما دیا ہے کہ

جو کچھ زمین و آسمان میں ہے وہ تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے۔

یعنے ساری کائنات تمہاری خادم ہے یہ تو تمہاری مخدوم بھی نہیں ہو سکتی تو اسے معبود کا مقام احمق کے سوا کون دے گا۔

غرض یہ آیت اپنے اندر ایک عالم حقائق رکھتی ہے اللہ بھی توفیق سلیم کو جو سمجھ گیا تا کہ کوئی فائدہ اٹھائے اور اس راز محبت کو سمجھ لے

جب مومن اپنی محبت کو اس مقام پر پہونچاتا ہے تو تمام اس کو وہ قوت ملتی
ہے جو ساری قوتوں کے سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی قوت کا مظاہرہ اور تجلی ہوتی ہے
اور اس پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔

شرک فی العبادۃ کی ممانعت احکام

سورۂ کہف پارہ ۱۶ آخری آیۃ۔ فَمَن كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ
رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا
ترجمہ۔ پس جو شخص اپنے رب کی ملاقات کی امید رکھتا ہے تو اسے چاہیے
کہ وہ اچھے عمل کرے۔ اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔

تشریحی نوٹ

اس آیۃ میں دو احکام ہیں اول یہ کہ اپنے رب کی عبادت
میں کسی کو شریک نہ کرو دوم عمل صالحہ بجا لاؤ۔

لقاء اللہ

ان احکام کی تعمیل میں انسان کو وہ مقام حاصل ہوتا ہے
جو لقاء اللہ کا مقام ہے۔ اور دوسری حقیقت اس
آیۃ میں یہ ہے کہ لقاء اللہ کی آرزو انسان کو توحید فی العبادت اور
اعمال صالحہ کی ترغیب دیتی ہے۔

یہ آیت سورۃ کہف کی آخری آیۃ ہے اور سورۃ کہف عیسائیوں
کے اس غیر مشروع عقیدہ کی پوری تردید کرتی ہے جو حضرت مسیح کو ابن اللہ
یا خدا بنانے کا عقیدہ ہے جس طرح پر اس سورہ کے آغاز میں عیسائیت کے اس
(خود ساختہ) بنیادی عقیدہ کا رد ہے آخری رکوع میں عیسائیت کی صنعتی ترقیات
اور دنیوی رجحانات کا ذکر کرکے اس کی تباہی کی پیش گوئی فرمائی اور اسی سلسلہ
میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کمالات نبوۃ کے باوجود آپ کی بشریت کا

کا اعلان کر کے بتایا کہ ان کمالات کا مالک بھی بالآخر انسان ہی ہے۔

روحانی ترقیات کا اصل

اور پھر تمام روحانی ترقیات کے اصل کی طرف توجہ دلائی کہ ترقیات روحانی کے لئے ضروری ہے کہ شرک فی العبادت نہ کیا جاوے۔ اور تمام اعمال اعمال صالحہ ہوں۔ اور روحانی ترقیات کا نقطہ کمال لقاء اللہ ہے۔ اس کی کیفیت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الفاظ میں یہ ہے "اس جگہ یہ نکتہ بھی یاد رہے کہ آیت موصوفہ بالا یعنے بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔ سعادت تامہ کے تینوں ضروری درجوں یعنے فنا اور بقا اور لقا کیطرف اشارت کرتی ہے۔ کیونکہ جیسا کہ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ کا فقرہ یہ تعلیم کر رہا ہے کہ تمام قوے اور اعضا اور جو کچھ اپنا ہے خدا تعالیٰ کو سونپ دینا چاہیئے اور اس کی راہ میں وقف کر دینا چاہیئے اور یہ وہی کیفیت ہے جس کا نام دوسرے لفظوں میں فنا ہے وجہ یہ کہ جب انسان نے حسب مفہوم اس آیت ممدوحہ کے اپنا تمام وجود معہ اس کی تمام قوتوں کے خدا تعالےٰ کو سونپ دیا اور اس کی راہ میں وقف کر دیا اور اپنی نفسانی جنبشوں اور سکونوں سے بکلی باز آ گیا تو بلا شبہ ایک قسم کی موت اس پر طاری ہو گئی اور اسی موت کو اہل تصوف فنا کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

پھر بعد اسکے وَهُوَ مُحْسِنٌ کا فقرہ مرتبہ لقا کیطرف اشارہ کرتا ہے کیونکہ جب انسان بعد فنا اکمل واتم و سلب جذبات نفسانی

ی جذبہ او تحریک سے پھر جنبش میں آیا اور بعد منقطع ہو جانے تمام
نسانی حرکات کے پھر ربانی تحریکوں سے پُر ہو کر حرکت کرنے لگا
یہ وہ حیات ثانی ہے جس کا نام لقا رکھنا چاہیئے

پھر بعد اسکے یہ فقرات فلہ اجرہ عند ربہ ولا خوف
علیہم ولا ہم یحزنون جو اثبات و ایجاب اجر و نفی وسلب
یف وحزن پر دلالت کرتی ہیں یہ حالت لقا کیطرف اشارہ ہے
ونکہ جس وقت انسان کی عرفان اور یقین اور توکل اور محبت
ں ایسا مرتبہ عالیہ پیدا ہو جائے کہ اسکے خلوص اور ایمان اور وفا
اجر اس کی نظر میں وہمی اور خیالی اور ظنی نہ رہے بلکہ ایسا یقینی اور قطعی
ر مشہود اور مرئی اور محسوس ہو کہ گویا وہ اسکو مل چکا ہے اور خدا تعالی
ے وجود پر ایسا یقین ہو جائے کہ گویا وہ اسکو دیکھ رہا ہے اور ہر ایک
ئندہ کا خوف اس کی نظر سے اٹھ جاوے اور ہر یک گذشتہ اور موجودہ
کا نام ونشان نہ رہے اور ہر یک روحانی تنعم موجود الوقت نظر آوے
ہی حالت جو ہر یک قبض اور کدورت سے پاک اور ہر یک دغدغہ اور
ک سے محفوظ اور ہر یک درد انتظار سے منزہ ہے لقا کے نام سے
وسوم ہے اور اس مرتبہ لقا پر محسن کا لفظ جو آیت میں موجود ہے نہایت
راحت سے دلالت کر رہا ہے کیونکہ احسان حسب تشریح نبی صلی اللہ علیہ وسلم
ی حالت کاملہ کا نام ہے کہ جب انسان اپنی پرستش کی حالت میں خدا تعالی
سے ایسا تعلق پیدا کرے کہ گویا اس کو دیکھ رہا ہے۔

منع شرک کے کچھ اور احکام اور اقسام شرک

شرک سے منع کرنے کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ایک حکم اور دیا ہے جس میں کئی احکام ہیں اور بعض اقسام شرک کو بھی بیان فرمایا ہے میں نے ان احکام پر جو اس آیتہ میں بیان ہوئے ہیں نمبر لگا دیئے ہیں۔

پارہ ۳ سورۃ آل عمران رکوع ۷ پہلی آیتہ

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝

اے نبی اہل کتاب کو کہو کہ (تمام تنازعات سے قطع نظر) ایک بات کی طرف آجاؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہیں (مسلمہ فریقین ہیں) اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور اس کے ساتھ کسی شے کو شریک نہ کرو اور ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ تعالیٰ کے سوا اپنا رب نہ ٹھہرائے (رب نہ بنائے) اگر وہ اعراض کریں تو کہہ دو گواہ رہو کہ ہم فرمانبردار ہیں (مسلم ہیں)

تشریحی نوٹ

اس آیت میں کل ۶ احکام ہیں جن میں ۳ - ۴ - ۵ میں شرک سے منع کیا گیا ہے۔ اور اس طرح پر شرک کے بعض اقسام کو اسمیں مبرہن کیا ہے۔

اس آیتہ سے پہلے نصاریٰ پر مختلف طریقوں سے اتمام حجت فرمایا اور بالآخر ان کو مباہلہ کی دعوت دی اس سے اعراض کی صورت میں اس بات کے خیال سے اور احقاق حق کے لئے ایک دوسرا طریق پیش کیا جو فریقین

کے مسلمات پر مبنی ہے۔

بن المذاہب صلح کا اصول

اسی اصل پر اگر عمل کیا جاوے تو بین المذاہب منافرت دور ہو جاتی ہے وہ اصل کیا ہے؟

(۱) اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معبود (مستحق عبادت) قرار نہ دیا جاوے۔

(۲) اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی شئے کو شریک نہ کیا جاوے۔

(۳) کسی انسان کو خواہ وہ اپنے اخلاق اعمال یا تقدس کے لحاظ سے کیسا ہی بزرگ رتبہ کا ہو اسے ارباب ٹھیرایا جاوے۔

یہ تین اصل ہیں جو فطرت انسانی اس کو قبول کرتی ہے اور کم از کم ہر مذہب اس کو مانتا ہے۔

کلی شرک کی نفی

یہ کہہ کر کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی شئے کو شریک نہ کرو شرک کے تمام سوراخ بند کر دیئے گئے ہیں شرک کی کوئی بھی قسم ہو وہ شئے میں داخل ہو گی اور یہاں حکم ہے کسی شئے کو بھی شریک نہ کرو۔ پھر اسی آیت میں شرک کی مختلف اقسام کو بیان کر دیا ہے۔

پہلی قسم شرک کی یہ ہے کہ شرک فی العبادت نہ کرو۔

دوسری قسم عام کر کے بتایا کہ نہ شرک ذات میں ہو نہ صفات میں نہ اعمال و عبادات میں تیسری قسم یہ بیان کی کہ کسی انسان کو رب نہ سمجھا جاوے۔ کائنات عالم میں نظام ربوبیت نہایت اہم ہے اور شرک کے مختلف شعبے اسی ربوبیت کی حقیقت کو نہ سمجھنے سے پیدا ہوتے ہیں اسلئے خصوصیت سے اس کی طرف توجہ دلائی۔

لا تشرک بہ شیئاً کے حکم کا فلسفہ

اللہ تعالیٰ نے کسی شئے کو بھی شریک نہ کرنے کا جو حکم دیا اس کی حقیقت اور فلسفہ یہ ہے کہ کائنات کی ہر شئے جو زمین و آسمان میں ہے اللہ تعالیٰ ہی کی مخلوق ہے۔ چنانچہ فرمایا سورۃ الزمر پارہ ۲۴ آیت ۶۲ اَللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ وَّھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ وَّکِیْلٌ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا خالق ہے اور وہی ہر چیز کا نگہبان ہے۔ اور پھر ہر چیز کی خلق کی علت غائی یہ بیان کی کہ وہ انسان ہی کے لئے پیدا کی ہے۔

خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ

آسمان اور زمین میں جو کچھ ہے وہ تمہارے ہی فائدہ کے لئے پیدا کیا ہے اور پھر فرمایا کُلُّ شَیْءٍ ھَالِکٌ ہر چیز فنا پذیر ہے۔

پس یہ کہہ کر اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو اس کے اسباب اور وجوہات بھی بتا دیئے ہیں کہ ہر شئے کی کیا حقیقت اور کیا مقصد ہے۔ قرآن کریم شرک کو ظلم عظیم کہتا ہے۔ اور شرک سے انسان حقائق الاشیاء اور علوم صحیحہ سے محروم ہو جاتا ہے بہت سی اخلاقی کمزوریاں بزدلی وغیرہ پیدا ہو جاتی ہیں اور اس کو اس حد تک معیوب قرار دیا کہ ان اشیاء کو جو اپنی ذاتی حیثیت سے حلال اور طیب تھیں بتوں کے ساتھ ان کا تعلق کرنے سے ان کو بھی حرام قرار دیدیا ان تمام امور میں ایک حقیقت اور علم ہے کہ مشرک بزدل کیسے بنتا ہے؟ میں اس وقت ان تمام امور پر بحث نہیں کرسکتا۔ قرآن کریم پر غور کرنے سے وہ تمام نتائج معلوم ہو جاتے ہیں جو شرک سے پیدا ہوتے ہیں۔

بزدلی پیدا ہونے کی مثال دیدیتا ہوں قرآن کریم فرماتا ہے سورہ آل عمران پارہ ۴ آیۃ ۱۴۹

سَنُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ کَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَکُوْا بِاللّٰہِ ط

ہم ان لوگوں کے دلوں پر رعب طاری کر دیں گے جنہوں نے کفر کیا ہے۔

اس لئے کہ انہوں نے اللہ کے ساتھ شرک کیا

اس آیۃ سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرک کا دل کمزور ہو جاتا ہے اور ہونا ہی چاہئیے جب وہ ان چیزوں کو جو اس کے لئے پیدا کی ہیں معبود بنائے

شرک کرنے والا مفتری ہے

قرآن مجید سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مشرک مفتری علی اللہ ہوتا ہے اور مفتری بھی عظیم چنانچہ قرآن کریم سورۃ النساء پارہ ۵ آیۃ ۴۹ میں فرمایا۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ ج وَمَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰہِ فَقَدِ افْتَرٰٓی اِثْمًا عَظِیْمًا ہ

ترجمہ۔ یقیناً اللہ تعالیٰ اس شخص کو نہیں بخشتا جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک کرے اور جو اس کے علاوہ ہے وہ جسے چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور سچ تو یہ ہے جو شخص اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرتا ہے وہ ایک بہت بڑے گناہ کا افترا کرتا ہے۔

(تشریحی نوٹ، میں نے اس آیت کو دراصل اس امر کے لئے پیش کیا ہے کہ مشرک بھی مفتری علی اللہ ہوتا ہے اور شرک ظلم عظیم ہے اور افترا علی اللہ رفیولا ہے بہر کیف ظالم ہے مگر اس آیۃ میں اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بتایا کہ اللہ تعالیٰ شرک کی مغفرت

نہیں فرمایا یہ آیت ایک معرکتہ الآرا مضمون اور مسئلہ کی حامل ہے
میں اسپر کوئی طویل بحث نہیں کروں گا بلکہ ایک خاص امر کی طرف توجہ دلاؤں گا۔
اس آیت کے مفہوم اور تفسیر میں جو کچھ آئمہ سلف نے لکھا ہے وہ بجائے
خود ہے مجھے اس کا انکار نہیں لیکن میں اس کا ایک ایسا مفہوم پیش کرتا
ہوں جس کی طرف اس تحریر کے وقت ہی اللہ تعالیٰ کے فضل نے رہنمائی
فرمائی اور وہ یہ ہے کہ

تمام حسنات کا سرچشمہ تو اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے جب انسان
اس کی توحید سے غافل ہوکر اس کی پیدا کردہ اشیاء کو اپنا الٰہ معشوق
اور رب سمجھنے لگے تو قدرتی طور پر ان سے یعنی ان حسنات سے (مخلوقہ) بچارہے اور
اسلئے وہ مغفرت جو انسان کے اندر گداز فطرت پیدا کرتی ہے اس سے وہ
محروم ہو جائیگا اور یہی اس کی مغفرت ہونے کا بدیہی ثبوت ہے۔ توحید
تمام حسنات و برکات کا منبع ہے اور شرک اس کی ضد ہے اور وہ انسان
کو حسنات سے محروم کرتا چلا جاتا ہے۔ اس آیۃ پر غور کرنے سے انسان کے
اندر خشیت اللہ پیدا ہوتی ہے بشرطیکہ اس میں یہ یقین پیدا ہو جائے
کہ شرک کا کیا نتیجہ ہے اور وہ ہر قسم کی بدیوں سے بچنے کی کوشش کرے گا
اور اس طرح پر وہ مغفرت کے اثرات شیریں کو چکھے گا۔

قرآن کریم نے شرک سے صرف منع ہی نہیں کیا بلکہ تردید
کو مدلل کیا ہے اور مختلف رنگوں میں اس کی شناعت اور اسکے رد کے
دلائل بیان کئے ہیں یہ مضمون آگے ہے احکام القرآن کے ذیل میں استعداد

بحث بھی کافی ہے۔ اسی سلسلہ احکام میں بعض اور امور شرک کے متعلق آتے ہیں اور میں انہیں بیان کرتا ہوں۔

ثنویوں کے عقیدے سے منع فرمایا

اس امر کو تو خوب سمجھ لو کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والے ہر نبی نے اللہ تعالیٰ کی توحید کا سبق دیا مگر ان کے بعد لوگوں نے بعض غلط فہمیوں کی وجہ سے غلط عقائد [illegible]یا۔ اللہ تعالیٰ کی توحید کے مقابلہ میں ایک مذہب دو خداؤں کا [illegible] اقرار بھی تھا۔ یہ ثنوی کہلاتے تھے زیادہ تر یہ عقیدہ حضرت زرتشت کی قوم میں پیدا ہوا۔ ان کے بعد قوم نے خالق نور اور خالق ظلمت [illegible] دو جدا جدا خدا بنائے ایک کو یزدان کہتے ہیں دوسرے کو اہرمن اور خالق الخیر اور خالق الشر بھی انکے نام رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ نے جیسے اپنی توحید کا حکم دیا دو خداؤں کے ماننے سے منع کیا یہ حکم نہی کے رنگ میں ہے چنانچہ فرمایا ہے۔ پارہ ۱۴ سورۃ نحل رکوع ۱۳ آیۃ ۵۲

وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ

ترجمہ:- اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

دیکھو، دو معبود مت بناؤ۔ وہ تو یہی ہے کہ وہی اکیلا معبود ہے۔ پس مجھ سے ہی ڈرتے رہو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دو خدا ماننے والوں کے عقیدہ کی تردید کی ہے اور حکم دیا کہ معبود صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اور وہ ایک ہے جیسا کہ میں بیان کروں گا کہ قرآن کریم نے تین خداؤں کی بھی تردید کی اور اس عقیدہ کی بھی تردید کی جو بے شمار خداؤں کو مانتے ہیں اور دیویوں۔ جنات کو

فرشتوں کو درختوں کو غرض ہر شئے کو خدا ماننے کے لئے تیار ہوتا۔

اس آیتہ میں ایک حکم تو بصورت نہی بنیادی طور پر دیا ہے کہ دو معبود مت بناؤ اور دوسرا حکم (کہ مجھ سے ڈرتے رہو) اس حکم کی تعمیل کے لئے بطور اصل کے ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے خوف سے جو شرک کی سزا کی صورت میں پیدا ہوتا ہے انسان شرک سے بچ سکتا ہے۔

اس حکم کے بعد (جو اس آیتہ میں دیا گیا ہے) اگلی آیتہ میں اس عقیدہ کے باطل ہونے کی ایک دلیل سے فرمایا۔

وَلَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَهُ الدِّيْنُ وَاصِبًا اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ

اور جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ تو اسی کی مملوک اور مخلوق ہے اور اسی کی فرمانبرداری لازم ہے (ایسی حالت میں) کیا تم اللہ کے سوا کسی اور سے ڈرو گے یا کسی اور کا تقویٰ اختیار کرو گے اسی میں فطرت انسانی کے صحیح تقاضا کا اظہار ہے کہ کائنات تو اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے اس کائنات سے نفع اور ضرر کا مالک تو اللہ تعالیٰ ہے پھر اسکی پیدا کی ہوئی مخلوق جو انسان کی خادم ہے اس کو معبود بنانے سے صحیح فطرت انسانی بغاوت کرتی ہے۔ اس سارے رکوع کو پڑھا جاوے تو ہر ایک دلیل توحید اور ایمانی قوتوں کو بیدار کرنے والی ہے خود اس آیتہ کا ایک ایک لفظ اس ثنوی عقیدہ کی تردید کرتا ہے۔

قرآن کریم کا کمال

قرآن کریم کے اس کمال لایزال کا ذکر تو ہر دفعہ ایک نیا ایمان اور نئی بشاشت پیدا کرتا ہے اس نے حکم

دیا کہ ایک ہی معبود کو مانو دو نہیں اس حکم کے لئے صراحت فرمائی کہ

وہ معبود واحد ایک ہی ہے

پھر بتایا کہ دو کیوں نہیں؟ اس کے لئے نظام کائنات کو بطور دلیل پیش کیا۔ پہلی دلیل تھی کہ ساری کائنات تو اسی کی مخلوق اور مملوک ہے دوسری دلیل یہ دی کہ اسی کے لئے دائمی فرمانبرداری کا لزوم ہے قرآن مجید دوسرے مقامات پر اس کی مزید تصریح فرماتا ہے مثلاً فرماتا ہے۔

اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ

یہاں ولہ الدین واصباً کہکر ایک دفتر معرفت اور حقائق پیش کر دے لیکن دوسرے خدا کی ضرورت تب ہو جب نظام عالم میں تغیر ہو جب دوامی نظام اسی معبود واحد کے لئے لازم ہے تو دوسرا ہو کیسے سکتا ہے قرآن مجید نے اس ثنوی عقیدہ کا بطلان دوسری جگہ اس طرح پر فرمایا۔ سورۃ الانبیاء پارہ ۱۷ رکوع ۲ آیۃ ۲۲

لَوْ كَانَ فِيهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ٥

اگر دونوں (زمین و آسمان میں) میں کوئی اور بھی معبود ہوتا تو ضرور فساد ہو جاتا پس رب العرش ہر قسم کے اس نقص سے پاک ہے جو وہ بیان کرتے ہیں۔

اس آیتہ کے بعد کی آیات میں مزید تصریحات ہیں اور اللہ تعالٰی کے سوا کسی اور کو معبود بنانے والوں سے مطالبہ دلیل کیا ہے۔ اور پھر بتایا

ہے کہ

عقیدہ توحید اجماعی عقیدہ ہے

اور بتایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پہلے جس قدر انبیاء آئے ان کی تعلیم کا خلاصہ یہی تھا۔

إِنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ

آپ سے پہلے جو رسول آئے ہم نے ان پر یہی وحی کی تھی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں پس میری ہی عبادت کرو۔ غرض یہ دلیل رد شرک کی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی معبود ہوتا تو فساد پیدا ہو جاتا اس کا مطلب یہ ہے کہ نظام عالم میں فساد پیدا ہو جانا چاہیئے۔ چونکہ نظام عالم میں کسی قسم کا تفرقہ نہیں بلکہ وہ اپنے صحیح مقررہ نظام پر چل رہا ہے یہی ایک خدا ہونے کی دلیل ہے۔ یہ کہکر اگلی آیات میں مزید دلائل پیش کئے ہیں

عاقلے را اشارہ بس است

تثلیث کی تردید

رد شرک کے احکام کے ضمن میں تثلیث کی تردید کا بھی حکم دیا جس طرح پر دو خدا یزدان اور اہرمن) ماننے والے کی تردید کی فرمایا۔ پارہ ۶ سورۃ النساء رکوع ۲۳ آیت ۱۷۱

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَىٰ مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِنْهُ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَلَا تَقُولُوا ثَلَاثَةٌ انْتَهُوا خَيْرًا لَكُمْ إِنَّمَا اللَّهُ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ

سُبۡحٰنَهٗۤ اَنۡ يَّكُوۡنَ لَهٗ وَلَدٌ‌ ۘ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ‌ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيۡلًا ۝

ترجمہ:- اے اہل کتاب اپنے دین میں غلو مت کرو اور اللہ تعالیٰ پر سوائے حق کے کچھ مت کہو۔ مسیح عیسیٰ بن مریم اللہ کا رسول ہے اور اس کی پیش گوئی ہے جو اس نے مریم کی طرف القا کی اور اس کی طرف سے روح ہے۔ پس اللہ پر ایمان لاؤ اور تین (خدا) مت کہو اس سے باز آجاؤ تو تمہارے لئے بہتر ہے اللہ تعالیٰ ہی صرف اکیلا معبود ہے وہ اس سے پاک ہے کہ اس کا کوئی بیٹا ہو جو کچھ زمین و آسمان میں ہے اسی کا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کافی کارساز ہے۔

تشریحی نوٹ

اس آیت میں سات مختلف احکام ہیں۔

(۱) دین میں غلو نہ کرو (۲) اللہ تعالیٰ پر افترا نہ کرو یا اسکی طرف ایسی باتیں منسوب نہ کرو جو حق نہیں۔

(۳) حضرت مسیح ابن مریم کو صرف اللہ کا رسول تسلیم کرو (۴) اللہ تعالیٰ ہی پر ایمان لاؤ۔ (۵) تین خدا مت کہو عقیدہ تثلیث کو ترک کرو۔

(۶) اس عقیدہ تثلیث کو ترک کرو یہ خیر و برکت کا ذریعہ ہے۔

(۷) اللہ تعالیٰ ہی اکیلا معبود ہے اس کا کوئی بیٹا نہیں اس لئے ابن اللہ کا عقیدہ باطل ہے آیت کا آغاز اہل کتاب کو خطاب سے شروع ہوتا ہے۔ مگر میں نے ابتدائی اوراق میں بتایا ہے کہ وہ ان ہدایات کو بھی داخل احکام قرار دونگا جو کسی نیک کام کے کرنے یا برے کام سے

منع کرنے کی روح اپنے اندر رکھتے ہوں۔

اس آیۃ میں جیسا کہ میں نے اوپر بیان کیا آٹھ مختلف احکام ہیں تثلیث کے عقیدہ کی تردید کی اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر ایمان لانے کا حکم دیا اور حضرت مسیح کو صرف اللہ کا رسول ماننے کی ہدایت کی تثلیث کے عقیدہ سے باز آنے کا حکم دیا ابنیت مسیح اور کفارہ کے دلائل الگ دیئے ہیں۔

سورۃ المائدہ پارہ ۶ رکوع ۱۱ آیۃ ۷۷

اس سلسلہ کے کچھ اور احکام

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوا أَهْوَاءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوا مِنْ قَبْلُ وَأَضَلُّوا كَثِيرًا وَضَلُّوا عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ ۝

اے نبی کہدو کہ اے اہل کتاب اپنے دین میں حقیقت کے خلاف غلو نکرو اور اس قوم کی خواہشوں کی پیروی نکرو جو تم سے پہلے گمراہ ہو چکی ہے اور اس نے (اپنے بدعمل سے) بہتوں کو گمراہ کیا (اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ) وہ راہ راست (صراط مستقیم) سے بھٹک گئے۔

تشریحی نوٹ

اس آیۃ میں ایک تو وہی حکم ہے جو اوپر کی آیۃ میں دیا گیا ہے دوسرا حکم جو زاید ہے وہ یہ ہے کہ جن لوگوں کی گمراہی اور اسکے نتیجے میں ہلاکت کا ثبوت موجود ہو ان کی اتباع مت کرو اس لئے کہ اس اتباع کا نتیجہ بجز ہلاکت اور حق سے دور ہونے کے اور کیا ہوگا؟

...ضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت

یہ آیت حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر بھی ایک دلیل ہے اس
...رح پر کہ اس آیت میں عیسائیوں کے عقیدہ الوہیت و ابنیت مسیح
...ا تردید میں کہا گیا ہے کہ پہلے بھی ایسی قومیں گذری ہیں جنھوں نے
...س قسم کے عقائد سے اپنے آپ اور اپنی قوم کو ہلاک کیا اور اب عالم
...نسانی کی تاریخ نے اس زمانہ میں ثابت کر دیا ہے اور خود عیسائی
...بھی تسلیم کرنے لگے ہیں تاریخ الامم سے ناواقف نبی امی (فداہ ابی وامی)
...ا یہ الزام عیسائیت پر آج کی تحقیقات میں ثابت ہو کر

قرآن کریم کے کلام الٰہی اور آپکے نبی ہونیکا ثبوت ہے

...س رکوع میں مسیح کی الوہیت ۔ ابنیت ۔ تثلیث وغیرہ تمام عقائد
...ی تردید ہے

...شرک کی ایک اور قسم

غرض قرآن کریم نے مختلف پیرایوں میں شرک سے بچنے کی ہدایت کی رد شرک کے دلائل دے اور
...اسکے اقسام بتائے اور اس کے بدنتائج سے آگاہ کیا میں اب شرک
...کی ایک اور قسم کے ذکر کے بعد اس بیان کو ختم کر کے ایمان باللہ کے متعلق
...دوسرے احکام بیان کرنے کی مولی کریم سے توفیق چاہوں گا۔
شرک کی یہ قسم دراصل ایک بنیادی حیثیت رکھتی ہے جس طرح
...یہ اعمال کے لئے نیت ایک ضروری چیز ہے اس طرح پر شرک کے لئے

ہوائے نفس ہے چنانچہ قرآن شریف فرماتا ہے سورۃ الفرقان پارہ ۱۹ آیت ۴۳ ۔

اَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ؕ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَیْهِ وَكِیْلًا ۙ اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ یَسْمَعُوْنَ اَوْ یَعْقِلُوْنَ ؕ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِیْلًا ۠

کیا تو نے اسے دیکھا جس نے اپنی خواہش نفس کو معبود بنا لیا تو کیا تو اس کا نگہبان ہو سکتا ہے کیا تو گمان کرتا ہے کہ ان کی اکثریت سنتے ہیں یا عقل رکھتے ہیں؟ (نہیں نہیں) وہ تو کالانعام (حیوانات کی طرح) ہیں بلکہ وہ ان سے بھی زیادہ گمراہی کے راستہ پر ہیں۔

تشریح نوٹ قرآن کریم کے اس مقام کو غور سے پڑھنے پر معلوم ہوتا ہے کہ اس سے پہلی آیات میں پہلی قوموں کی ہلاکت اور تباہی کا ذکر فرماتا ہے اس کے بعد اس آیت میں ان لوگوں کا ذکر کیا جو اپنی ہوائے نفس کو معبود بناتے ہیں اور ان کی حالت کا اظہار فرمایا کہ بظاہر وہ سنتے سوچتے نظر آتے ہیں مگر حقیقت میں چارپایوں سے بھی بدتر ہیں ظاہر ہے چارپائے مکلف نہیں انپر شریعت کا احتساب نہیں یہ انسان عقل رکھتے ہوئے بھی گمراہی کے راستہ پر جا رہے ہیں۔

ہوا سے کیا مراد ہے لغت عرب میں ہوا سے مراد ہے بلندی سے پستی کی طرف گرنا۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے اشرف المخلوق اور اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ میں پیدا کیا لیکن جب وہ ہوائے نفس کا غلام

بن جاتا ہے تو ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سَافِلِيْنَ ؕ کا مصداق ہو جاتا ہے اس میں شک نہیں کہ بعض اوقات یہ لفظ اچھے معنوں میں بھی مستعمل ہوتا ہے مگر وہاں قرینہ ہوتا ہے عام طور پر یہ اس وقت استعمال ہوتا ہے جب کوئی عمل انسان کو مقام شرف سے گرا کر پستی کی طرف لے جائے اللہ تعالیٰ کی عبادت یعنی اللہ تعالیٰ کو معبود حقیقی یقین کرنا اور اپنے عمل سے اسکی شہادت دینا انسان کو اوپر کی طرف لے جاتا ہے لیکن جب نفسانی خواہشات کو معبود بنا لیتا ہے تو پھر نیچے کی طرف گرتا ہے جس کا اشارہ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سَافِلِيْنَ میں کیا ہے

دراصل باقی تمام اقسام شرک کے بالکل عیاں اور نمایاں ہیں وہ انکے گھڑے ہوئے معبود ہوں یا پتھر درخت - اور دوسری چیزیں یہ سب کھلا کھلا شرک ہے سب سے بڑا شرک تو وہ بت ہے جس کو انسان اپنے پہلو میں رکھ لیتا ہے اور وہ اپنی نفسانی خواہشوں کی اتباع ہے اسمیں یہ حکم ہے کہ انسان اپنی ہوا و ہوس کو معبود نہ بنائے بلکہ اپنی تمام خواہشوں کو اللہ تعالیٰ کی رضا اور احکام کے ماتحت کرتے جب تک وہ توحید کے اس مقام کو حاصل نہیں کرتا وہ کامل نہیں ہو سکتا

متفرق احکام ردِ شرک میں

(۱) سورۃ حٰمٓ پارہ ۲۴ آیت ۳۸

وَمِنْ اٰيٰتِهِ الَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۚ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ؕ

ترجمہ۔ اور دیکھو، اللہ تعالیٰ کی آیات میں سے رات اور دن اور سورج اور چاند ہیں سورج کو سجدہ مت کرو اور چاند کو بھی سجدہ نہ کرو اور اللہ تعالیٰ ہی کو سجدہ کرو جس نے سورج اور چاند کو پیدا کیا ہے اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو۔

تشریحی نوٹ اس آیتہ میں سورج اور چاند کو سجدہ نہ کرنے کا حکم دیا ہے اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کو سجدہ کرنے کا حکم دیا اس لئے کہ سورج اور چاند کو تو اللہ تعالیٰ نے ہی پیدا کیا ہے اور عبادت اللہ ہی کی کرنی چاہئیے اس عبادت کی تکمیل بغیر اس کے نہیں ہو سکتی یا وہ عبادت عبادت تب ہی ہو سکتی ہے کہ صرف اسی کی عبادت کی جاوے۔

(نوٹ ضروری) میں قارئین کرام کو اس طرف توجہ دلاتا ہوں کہ جب وہ اس کتاب میں کسی آیتہ مشتمل بر احکام (اوامر یا نواہی) کو پڑھیں تو قرآن کریم میں اس رکوع کو نکال کر اس کے سیاق و سباق کو ضرور پڑھ لیں اس سے انہیں بحمد اللہ قرآن کریم کے سمجھنے اور اس آیتہ کے مطالب عالیہ پر غور کرنے میں بڑی مدد ملیگی۔ (عرفانی الکبیر)

ایسی مشرک قومیں دنیا میں پہلے بھی تھیں جو اجرام سماوی کی پرستش کرتی تھیں چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم ستارہ پرست تھی۔ ملکہ سبا سورج پرست تھی۔

اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جہاں ان اجرام سماوی کی پرستش سے منع کیا

یہاں سورج اور چاند کے متعلق مختلف آیات میں ایسے امور بیان کئے
جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ معبود نہیں ہو سکتے منجملہ ان کے ایک بات یہ فرمائی
کہ چاند اور سورج کو تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے ۔ سورۃ ابراہیم پارہ
۱۳ آیتہ ۳۴

وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَيْنِ ۚ

اور تمہارے لئے سورج اور چاند کو مسخر کر دیا ہے جو ایک قانون پر چل رہے
ہیں ۔ اور اسی مضمون کو دوسرے پیرایہ میں سورہ رعد پارہ ۱۳ آیتہ
۲ میں یوں فرمایا ۔

وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَّجْرِىْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ

اور سورج اور چاند کو مسخر کر دیا (کام پر لگا دیا) ہر ایک ایک وقت
مقررہ تک چل رہا ہے ۔ ان آیات میں فلکیات کے علمی مضامین کو بھی بیان
کر دیا ہے جو آج حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کی صداقت
کے بین دلایل ہیں اور اپنے اندر عظیم الشان پیشگوئیوں کو لئے ہوئے ہیں
مثلاً آج سورج کی تسخیر کا ثبوت ان علوم سے ظاہر ہے جو مختلف سورج
کی شعاعوں سے انسانی مفاد کے لئے پیدا ہو چکے ہیں ۔

غرض چاند اور سورج کو سجدہ نہ کرنے کا حکم اسی اصل پر ہے کہ
یہ تو تمہارے خادم ہیں مخدوم بھی نہیں ہو سکتے چہ جائیکہ معبود قرار دیئے جاویں

رد شرک کے کچھ اور دلایل

قرآن کریم نے رد شرک میں مختلف دلایل دیئے
ہیں ان میں سے بعض کا ذکر اوپر کر آیا ہوں ۔

ایک دو اور بیان کرکے اس کو ختم کر دیتا ہوں۔

رد شرک کی ایک دلیل

جس قدر معبودان باطل مشرکوں نے تجویز کئے ہیں ان کے خدا ہونے کی ایک عام فہم دلیل یہ ہے کہ وہ سب کے سب مخلوق ہیں اور خود انہوں نے کچھ پیدا نہیں کیا چنانچہ فرماتا ہے سورۃ الفرقان پارہ ۱۸ رکوع اول آیت ۳

وَاتَّخَذُوا مِن دُونِهِ آلِهَةً لَّا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ وَلَا يَمْلِكُونَ لِأَنفُسِهِمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا وَلَا يَمْلِكُونَ مَوْتًا وَلَا حَيَاةً وَلَا نُشُورًا

ترجمہ - اور لوگوں نے (اللہ تعالٰے کے سوا) اور معبود بنائے ہیں جو کوئی چیز پیدا نہیں کرتے اور وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں اور اپنے آپ کے لئے بھی کسی نفع یا ضرر کی طاقت نہیں رکھتے اور نہ انہیں موت - حیات اور نہ مرکر جی اٹھنے پر ہی کسی قسم کی مقدرت یا اختیار حاصل ہے اس آیۃ میں ان معبودان باطلہ کی تردید میں تین دلایل پیش کئے ہیں -

اول - وہ خود مخلوق ہیں اور کوئی خلق نہیں کرسکتے -

دوم - اپنی ذات کے لئے بھی نفع و نقصان کا اختیار نہیں رکھتے دوسروں کو کیا نفع پہونچائیں گے - نقصان کے اختیار سے یہ مطلب ہے کہ اپنے آپ کو کسی نقصان یا ضرر سے بچا نہیں سکتے -

علوم القرآن

سوم - حیات موت اور بعد الموت بعث پر انہیں کوئی اختیار نہیں ہے

(۴) سورۃ الحج پارہ ۱۷ آیت ۷۲

وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَانًا وَمَا لَيْسَ لَهُمْ بِهِ عِلْمٌ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ نَصِيرٍ ۝

اور اللہ تعالیٰ کے سوا اس کی عبادت کرتے ہیں جس کی کوئی مضبوط دلیل نہیں اتاری اور انہیں جس کا کوئی علم نہیں اور (واقعات یوں اس کا اظہار کریں گے) کہ مشرکوں کا کوئی مددگار نہیں اس آیت میں اس امر کی طرف توجہ دلائی ہے کہ توحید پر تو خود انسان کی فطرت گواہ ہے اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اور معبود بناتے ہیں اس کے لئے کوئی دلیل نازل نہیں کی گئی - دلیل تو تب نازل ہوتی کہ کوئی نبی شرک کی تعلیم لیکر آیا ہوتا اور یوں بھی مشرک پر کوئی دلیل قائم نہیں ہو سکتی علمی رنگ رکھتی ہو اور واقعات یوں فیصلہ کرتے ہیں کہ انبیا علیہم السلام کے مقابلہ میں جو پیغام توحید لیکر آتے ہیں مشرکین کی ناکامی ثابت کر دیتی ہے کہ یہ باطل پرست ہیں اور کوئی تائید ان کے ساتھ نہیں -

سورۃ القصص پارہ ۲۰ آخری آیت

وَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ لَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۝

اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود نہ پکار - ہر چیز ہلاک ہونیوالی ہے

سوائے اسکے جس سے اس کا ارادہ کیا ہے اسی کا حکم ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔

تشریحی نوٹ

آیت نویں نے اس حکم کے بیان کے لئے پیش کی ہے جو لَا تَدْعُ میں ہے اس حکم کے ساتھ پھر توحید کا اظہار بغرض تائید فرمایا اور خدا تعالےٰ کے سوا کسی اور کو معبود نہ ٹھہرانے کی ایک دلیل بھی دی کہ ہر شئے ہلاک ہونے والی ہے اس لئے وہ معبود نہیں ہو سکتی۔ اور اللہ تعالیٰ کی ذات حَیٌّ لَا یَمُوْتُ ہے اسلئے پھر فرمایا۔ اللہ ہی کا حکم ہے اور اسی کے حضور جانا ہے۔

(۳) سورۃ الشعراء پارہ ۱۹ رکوع ۱۱ آیتہ ۲۱۴

فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ ۝

اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو معبود نہ ٹھہراؤ ورنہ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم ان لوگوں میں سے ہو جاؤ گے جو شرک کی وجہ سے عذاب پانے والے ہیں

ایک اور دلیل رد شرک میں

اب میں قرآن کریم سے ایک اور دلیل پیش کر کے اس حصہ کو ختم کر دیتا ہوں۔ سورۃ الحج پارہ ۱۷ آیتہ ۷۳، ۷۴۔ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ؕ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْـًٔا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ؕ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ۝ لوگو! ایک مثال پیش کی جاتی ہے اسے توجہ سے سنو۔ اللہ کے سوا جن معبودان باطلہ کو تم پکارتے ہو (انکی حقیقت یہ ہے کہ) انہوں نے ایک مکھی تک تو پیدا نہیں کی اور اگر یہ تمہارے سارے معبود ملکر بھی کوشش کریں ایک مکھی پیدا نہیں کر سکیں گے اور اگر وہ ہماری پیدا کردہ مکھی ان سے کچھ

چھین لے جائے تو ان میں یہ طاقت نہیں کہ اس چیز کو واپس لے سکیں تو اب سمجھ لو کہ یہاں طالب اور مطلوب دونوں ہی کمزور ہیں۔

یہ ایک بدیہی مشاہدہ ہے اور فطرت انسانی اس سے بخوبی آشنا ہے پھر معبودان باطلہ کی پرستش کیوں؟

غرض اس طرح پر قرآن کریم نے اس حکم کی صراحت اور اسکی خلاف ورزی کے نتائج اور عواقب کو بیان کیا ہے اور اس امر کی ہدایت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ اسی قدر ضروری تفصیل کے بعد اس سلسلہ کے مزید احکام درج کر دیتا ہوں اور اگر کہیں ضرورت تشریح ہوئی تو کرنے کی توفیق چاہونگا۔

شرک اور رد شرک کے متعلق احکام بیان کرنے سے توحید کا مسئلہ خود بخود صاف ہو جاتا ہے بایں قرآن کریم نے صاف الفاظ میں اللہ تعالیٰ کی توحید کے متعلق بھی احکام دیئے ہیں چنانچہ فرماتا ہے

(۱) پارہ ۳۰ سورۃ اخلاص

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۱ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۲ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ۳ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۴

کہو اللہ ایک ہے (۱) اللہ بے نیاز ہے (۲) نہ اس کا کوئی بیٹا ہے اور نہ وہ کسی کا بیٹا ہے (۳) اور نہ کوئی اسکا ہمسر ہے (۴)

تشریحی نوٹ اس مختصر سی سورۃ میں اللہ تعالیٰ کی توحید کے تمام پہلوؤں کو بیان کر دیا اور مشرکوں کے عقاید کے تمام

پہلوؤں کی تردید بھی کر دی۔

اللہ تعالیٰ کی توحید کے تمام مراتب کو احد کہکر بیان کردیا کہ وہ اپنی ذات۔ صفات۔ اعمال میں اکیلا ہی ہے دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ کی صمدیت کا اظہار کیا کہ وہ کسی کا محتاج نہیں بے نیاز ہے اور پھر شرک کے مختلف پہلو کو کہ کوئی اس کا بیٹا ہو رد کیا کہ نہ اس کا عرف عام کے لحاظ سے بیٹا ہے نہ وہ کسی کا بیٹا اور بالآخر شرک کے اس پہلو کی تردید کی کہ اس کا کوئی ہمسر ہو۔

اللہ تعالیٰ کی صفات پر ایمان ایمان باللہ کی تکمیل کے لیے ضروری ہے

اللہ تعالیٰ کی صفات پر بحث میں نے تفصیل سے اپنی کتاب اسماء الحسنیٰ میں کی ہے یہاں میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اسلامی اصول کی فلاسفی میں سے ایک حصہ درج کر دیتا ہوں۔ جاننا چاہیئے کہ جس خدا کی طرف ہمیں قرآن شریف نے بلایا ہے۔ اس کی اس نے یہ صفات لکھی ہیں۔

هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ۔ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى۔ يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ

وَالْاَرْضِ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ۔ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ
قَدِیْرٌ ۔ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ۔ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ ۔ اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ
اِذَا دَعَانِ ۔ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۔ قُلْ ھُوَ اللّٰہُ
اَحَدٌ ۔ اَللّٰہُ الصَّمَدُ ۔ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ
وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ ۔ یعنی وہ خدا جو واحد لاشریک
ہے جس کے سوا کوئی بھی پرستش اور فرمانبرداری کے لائق نہیں ۔
اس لئے فرمایا کہ اگر وہ لاشریک نہ ہو تو شاید اس کی طاقت
دشمن کی طاقت غالب آجائے اس صورت میں خدائی
رض خطرہ میں رہے گی ۔ اور یہ جو فرمایا کہ اس کے سوا کوئی پرستش
لائق نہیں ۔ اس سے یہ مطلب ہے کہ وہ ایسا کامل خدا
ہے جس کی صفات اور خوبیاں اور کمالات ایسے اعلیٰ اور بلند
کہ اگر موجودات میں سے بوجہ صفات کاملہ کے ایک خدا
تخاب کرنا چاہیں ۔ یا دل میں عمدہ سے عمدہ اور اعلیٰ سے
یٰ خدا کی صفات فرض کریں تو سب سے اعلیٰ جس سے بڑھ کر
اعلیٰ نہیں ہوسکتا ۔ وہی خدا ہے جس کی پرستش میں ادنیٰ کو
یک کرنا ظلم ہے ۔ پھر فرمایا کہ عالم الغیب ہے ۔ یعنی اپنی ذات کو
پ ہی جانتا ہے ۔ اس کی ذات پر کوئی احاطہ نہیں کرسکتا ۔ ہم
تاب اور ماہتاب اور ہر ایک مخلوق کا سراپا دیکھ سکتے ہیں ۔

مگر خدا کا سراپا دیکھنے سے قاصر ہیں۔ پھر فرمایا کہ وہ عالم الشہادۃ ہے۔ یعنی کوئی چیز اس کی نظر سے پردہ میں نہیں ہے۔

یہ جائز نہیں کہ وہ خدا کہلا کر پھر علم اشیاء سے غافل ہو۔ وہ اس عالم کے ذرہ ذرہ پر اپنی نظر رکھتا ہے لیکن انسان نہیں رکھ سکتا وہ جانتا ہے کہ کب اس نظام کو توڑ دیگا۔ اور قیامت برپا کر دیگا۔ اور اس کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ ایسا کب ہو گا سو وہی خدا ہے جو ان تمام وقتوں کو جانتا ہے پھر فرمایا۔ ھُوَ الرَّحْمٰنُ۔ یعنی وہ جانداروں کی ہستی اور ان کے اعمال سے پہلے محض اپنے لطف سے نہ کسی غرض سے اور نہ کسی عمل کے صلہ میں ان کے لئے سامانِ راحت میسّر کرتا ہے۔ جیسا کہ آفتاب اور زمین اور دوسری تمام چیزوں کو ہمارے وجود اور ہمارے اعمال کے وجود سے پہلے ہمارے لئے بنا دیا۔ اس عطیہ کا نام خدا کی کتاب میں رحمانیت ہے۔ اور اس کام کے لحاظ سے خدائے تعالیٰ رحمٰن کہلاتا ہے۔ اور پھر فرمایا کہ الرَّحِیْمُ یعنی وہ خدا نیک عملوں کی نیک تر جزا دیتا ہے۔ اور کسی کی محنت کو ضائع نہیں کرتا اور اس کام کے لحاظ سے رحیم کہلاتا ہے۔ اور یہ صفت رحیمیت کے نام سے موسوم ہے اور پھر فرمایا۔ مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ یعنی وہ خدا ہر ایک چیز کی جزا اپنے ہاتھ میں رکھتا ہے۔ اس کا کوئی ایسا کارپرداز نہیں جس کو اس نے زمین و آسمان کی حکومت سونپ دی ہو۔ اور آپ الگ ہو بیٹھا ہو۔

اور آپ کچھ نہ کرتا ہو۔ وہی کارپرداز سب کچھ جزا و سزا دینا ہو
آئندہ دینے والا ہو۔ اور پھر فرمایا۔ اَلْمَلِکُ الْقُدُّوسُ۔
یعنی وہ خدا بادشاہ ہے جس پر کوئی داغ عیب نہیں یہ ظاہر ہے کہ
انسانی بادشاہت عیب سے خالی نہیں۔ اگر مثلاً تمام رعیت
جلاوطن ہوکر دوسرے ملک کی طرف بھاگ جاوے تو پھر بادشاہی
قائم نہیں رہ سکتی۔ یا اگر مثلاً تمام رعیت قحط زدہ ہو جائے تو پھر
خراج شاہی کہاں سے آئے۔ اور اگر رعیت کے لوگ اس سے بحث
شروع کردیں کہ تجھ میں ہم سے زیادہ کیا ہے تو وہ کونسی لیاقت
اپنی ثابت کرے۔ پس خدائے تعالیٰ کی بادشاہی ایسی نہیں ہے وہ
ایک دم میں تمام ملک فنا کرکے اور مخلوقات پیدا کرسکتا ہے اگر وہ
ایسا خالق اور قادر نہ ہوتا تو پھر بجز ظلم کے اس کی بادشاہت چل نہ سکتی
کیونکہ وہ دنیا کو ایک مرتبہ معافی اور نجات دیکر پھر دوسری دنیا کہاں
سے لاتا۔ کیا نجات یافتہ لوگوں کو دنیا میں بھیجنے کے لئے پھر پکڑتا اور
ظلم کی راہ سے نجات دہی کو واپس لیتا تو اس صورت میں اس کی خدائی
میں فرق آتا۔ اور دنیا کے بادشاہوں کی طرح داغدار بادشاہ ہوتا۔
جو دنیا کے لئے قانون بناتے ہیں۔ بات بات پر بگڑتے ہیں اور خود غرضی کے
وقتوں پر جب دیکھتے ہیں کہ ظلم کے بغیر چارہ نہیں تو ظلم کو شیر مادر سمجھ لیتے
ہیں۔ مثلاً قانون شاہی جائز رکھتا ہے کہ ایک جہاز کو بچانے کے لئے ایک
کشتی کے سواروں کو تباہی میں ڈال دیا جائے اور ہلاک کیا جائے۔ مگر

خدا کو تو یہ اضطرار پیش نہیں آنا چاہئیے۔ پس اگر خدا پورا قادر اور عدم سے پیدا کرنے والا نہ ہوتا تو یا تو وہ کمزور راجوں کی طرح قدرت کی جگہ ظلم سے کام لیتا۔ اور عادل بن کر خدائی ہی کو الوداع کہتا۔ بلکہ خدا کا جہاز تمام قدرتوں کے ساتھ سچے انصاف پر چل رہا ہے۔ پھر فرمایا۔ اَلسَّلَامُ۔ یعنی وہ خدا جو تمام عیبوں اور مصائب اور سختیوں سے محفوظ ہے بلکہ سلامتی دینے والا ہے۔ اس کے معنی بھی ظاہر ہیں کیونکہ اگر وہ آپ ہی مصیبتوں میں پڑتا۔ لوگوں کے ہاتھ سے مارا جاتا اور اپنے ارادوں میں ناکام رہتا۔ تو پھر اس بدنمونہ کو دیکھکر کس طرح دل تسلی پکڑتے کہ ایسا خدا ہمیں ضرور مصیبتوں سے چھڑا دیگا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ باطل معبودوں کے بارہ میں فرماتا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ لَنْ یَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّ لَوِ اجْتَمَعُوْا لَہٗ وَاِنْ یَّسْلُبْھُمُ الذُّبَابُ شَیْئًا لَّا یَسْتَنْقِذُوْہُ مِنْہُ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ مَا قَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖ اِنَّ اللّٰہَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ" پ ۱۷ ع ۱۰ جن لوگوں کو تم خدا بنائے بیٹھے ہو۔ وہ تو ایسے ہیں کہ اگر سب مل کر ایک مکھی پیدا کرنا چاہیں تو کبھی پیدا نہ کرسکیں۔ اگرچہ ایک دوسرے کی مدد بھی کریں۔ بلکہ اگر مکھی ان کی چیز چھین کر لے جائے تو انہیں طاقت نہیں ہو گی کہ وہ مکھی سے چیز واپس لے سکیں ان کے پرستار عقل کے کمزور اور وہ طاقت کے کمزور ہیں۔ کیا خدا ایسے ہوا کرتے ہیں۔ خدا تو وہ ہے کہ سب قوتوں

سے زیادہ قوت والا اور سب پر غالب آنے والا ہے۔ نہ اس کو کوئی پکڑ سکے اور نہ مار سکے۔ ایسی غلطیوں میں جو لوگ پڑتے ہیں۔ وہ خدا کی قدر نہیں پہچانتے اور نہیں جانتے۔ خدا کیسا ہونا چاہیئے اور پھر فرمایا کہ خدا امن کا بخشنے والا اور اپنے کمالات اور توحید پر دلائل قائم کرنے والا ہے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ سچے خدا کا ماننے والا کسی مجلس میں شرمندہ نہیں ہو سکتا۔ اور نہ خدا کے سامنے شرمندہ ہو گا۔ کیونکہ اس کے پاس زبردست دلائل ہوتے ہیں۔ لیکن بناوٹی خدا کا ماننے والا بڑی مصیبت میں ہوتا ہے۔ وہ بجائے دلائل بیان کرنے کے ہر ایک بیہودہ بات کو راز میں داخل کرتا ہے۔ تا ہنسی نہ ہو۔ اور ثابت شدہ غلطیوں کو چھپانا چاہتا ہے۔

اور پھر فرمایا کہ اَلْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ۔ یعنی وہ سب کا محافظ ہے اور سب پر غالب اور بگڑے ہوئے کاموں کا بنانے والا ہے اور اس کی ذات نہایت ہی مستغنی ہے۔ اور فرمایا هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى۔ یعنی وہ ایسا خدا ہے کہ جسموں کا بھی پیدا کرنے والا اور روحوں کا بھی پیدا کرنے والا رحم میں تصویر کھینچنے والا ہے۔ تمام نیک نام جہاں تک خیال میں آ سکیں۔ سب اسی کے نام ہیں۔ اور پھر فرمایا۔ يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ

یعنی آسمان کے لوگ بھی اس کے نام کو پاکی سے یاد کرتے ہیں اور زمین کے لوگ بھی
اس آیت میں اشارہ فرمایا کہ آسمانی اجرام میں آبادی ہے اور وہ لوگ بھی پابند خدا کی
ہدایتوں کے ہیں اور پھر فرمایا علی کل شئی قدیر یعنی خدا قادر ہے یہ پرستاروں کیلئے تسلی ہے
کیونکہ اگر خدا عاجز ہو ۔ اور قادر نہ ہو تو ایسے خدا سے کیا امید رکھیں اور پھر فرمایا
رب العالمین الرحمن الرحیم مالک یوم الدین ۔ اجیب دعوۃ الداع اذا دعان یعنی
وہی خدا ہے جو تمام عالموں کا پرورش کرنے والا رحمن رحیم اور جزا کے دن کا آپ
مالک ہے ۔ اس اختیار کو کسی کے ہاتھ میں نہیں دیا ۔ ہر ایک پکارنے والے
کی پکار کو سننے والا اور جواب دینے والا یعنی دعاؤں کا قبول کرنے والا اور پھر
فرمایا ۔ الحی القیوم یعنی ہمیشہ رہنے والا اور تمام جانوں کی جان اور سب کے
وجود کا سہارا یہ اس لئے کہا کہ وہ ازلی ابدی نہ ہو تو اس زندگی کے بارے میں بھی
دھڑکا رہے گا کہ شاید ہم سے پہلے فوت نہ ہو جائے اور پھر فرمایا کہ وہ خدا اکیلا
خدا ہے نہ وہ کسی کا بیٹا اور نہ کوئی اس کا بیٹا اور نہ کوئی اس کے برابر اور نہ کوئی اس
کا ہم جنس ۔ اور یاد رہے کہ خدائے تعالیٰ کی توحید کو صحیح طور پر ماننا اور اس میں زیادتی
یا کمی نہ کرنا یہ وہ عدل ہے جو انسان اپنے مالک حقیقی کے حق میں بجا لاتا ہے یہ تمام حصہ
اخلاقی تعلیم کا ہے جو قرآن شریف کی تعلیم میں سے درج ہوا ہے ۔ اس میں اصول یہ
ہے کہ خدائے تعالیٰ نے تمام اخلاق کو افراط اور تفریط سے بچایا ہے اور ہر ایک خلق کو
اس حالت میں خلق کے نام سے موسوم کیا ہے کہ جب اپنی واقعی اور واجب حد سے کم و بیش
نہ ہو ۔ یہ تو ظاہر ہے کہ نیکی حقیقی وہی چیز ہے جو دو حدوں کے وسط میں ہوتی ہے ۔ یعنی
زیادتی اور کمی یا افراط اور تفریط کے درمیان ہوتی ہے ہر ایک عادت جو وسط

کی طرف کھینچے اور وسط پر قائم کرے وہی خلق فاضل کو پیدا کرتی ہے غرض امر موقعہ کا پہچاننا ایک وسط ہے مثلاً اگر زمیندار اپنا تخم وقت سے پہلے بو دے یا وقت کے بعد دونوں صورتوں میں وہ وسط کو چھوڑتا ہے نیکی اور حق اور حکمت سب وسط میں ہے اور وسط موقعہ شناسی میں یا یوں سمجھو کہ حق وہ چیز ہے کہ ہمیشہ وہ متقابل باطلوں کے وسط میں ہوتا ہے اور اس میں شک نہیں کہ عین موقعہ کا التزام ہمیشہ انسان کو وسط میں رکھتا ہے اور خداشناسی کے بارے میں وسط کی شناخت یہ ہے کہ خدا کی صفات بیان کرنے میں نہ تو نفی صفات کے پہلو کی طرف جھک جائے اور نہ تو خدا کو جسمانی چیزوں کا مشابہ قرار دے یہی طریق قرآن شریف نے صفات باری تعالیٰ میں اختیار کیا ہے چنانچہ وہ یہ بھی فرماتا ہے کہ خدا سنتا جانتا بولتا کلام کرتا ہے اور پھر مخلوق کی مشابہت سے بچانے کیلئے یہ بھی فرماتا ہے۔ لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ یعنی خدا کی ذات اور صفات میں کوئی اس کا شریک نہیں اس کیلئے مخلوق سے مثالیں مت دو سو خدا کی ذات تشبیہ اور تنزیہ کے بین بین رکھنا یہی وسط ہے۔ غرض اسلام کی تعلیم میانہ روی کی تعلیم ہے سورۃ فاتحہ بھی میانہ روی کی ہدایت فرماتی ہے کیونکہ خدا نے تعالیٰ فرماتا ہے غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ مغضوب علیہم سے وہ لوگ مراد ہیں جو خدا نے تعالیٰ کے مقابل پر قوت غضبی کو استعمال کر کے قوی سبعیہ کی پیروی کرتے ہیں اور میانہ طریق وہ ہے جس کو لفظ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ سے یاد فرمایا ہے۔ غرض اس مبارک امت کیلئے قرآن شریف میں وسط کی ہدایت ہے توریت میں خدا نے تعالیٰ نے انتقامی امور پر زور دیا تھا اور انجیل میں عفو اور درگذر پر زور دیا تھا اور اس امت کو موقعہ شناسی اور وسط کی تعلیم ملی چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَکَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا یعنی ہم نے تمکو وسط پر عمل کرنیوالے بنایا اور وسط کی تعلیم تمہیں دی سو مبارک وہ جو وسط پر چلتے ہیں۔ خَیْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَطُهَا

(۳) ایمان بالرسل کے متعلق احکام

(۲) ایمان بالرسل کے متعلق احکام

باب الایمان کی ذیل میں صفحہ ۵ پر سورۃ النساء کی جو آیت میں نے ایمان لانے کے حکم کے متعلق لکھی ہے اس میں دوسرا درجہ ایمان بالرسول کا ہے۔ اگرچہ عام طور پر اللہ تعالیٰ پر ایمان کے بعد ملائکۃ اللہ اور کتاب اللہ پر ایمان لانے کی ترتیب رکھی گئی ہے اور سورۃ بقرہ کے آخری رکوع میں بھی ترتیب امور ایمانیہ میں اللہ تعالیٰ پر ایمان کے بعد ملائکہ ہی پر ایمان رکھا گیا ہے مگر میں سورۃ النساء کی متذکرہ آیت کے موافق دوسرے نمبر پر ایمان بالرسل کا ذکر کرتا ہوں۔

ایمان بالرسل کے متعلق قرآنی خصوصیات۔

ایمان بالرسل کے سلسلہ میں اولاً میں وہ چند خصوصیات بیان کرنا چاہتا ہوں جو اس عقیدہ ایمان بالرسل میں قرآن کریم نے بیان کی ہیں ان خصوصیات کو مدنظر رکھے بغیر قرآن کریم کی عظمت اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال ظاہر نہیں ہوتا اور یہ خصوصیات ہی بتاتی ہیں کہ قرآن کریم کے ذریعہ جو تکمیل دین اور اتمام نعمت ہوا وہ ایک حقیقت ہے

پہلی خصوصیت

قرآن کریم نے جس پہلی خصوصیت کا ذکر کیا ہے اور جو ایمان بالرسل کے لئے ایک بنیادی چیز ہے وہ

ہے کہ دنیا کا کوئی ملک اور کوئی قوم ایسی نہیں رہی جہاں اللہ تعالےٰ نے اپنے نبی اور رسول ہدایت کے لیے نہ بھیجے ہوں

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے پہلے ہر قوم یہ یقین رکھتی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اسے ہی ایک ممتاز حیثیت دی ہے چنانچہ بنی اسرائیل یہی سمجھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے نبوۃ و رسالت کے لیے ان کی قوم کو منتخب کر لیا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔

پارہ ۶ سورۃ المائدہ رکوع ۳ آیۃ ۱۹

وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَىٰ نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ

اور یہودی اور عیسائی کہتے ہیں کہ ہم ہی اللہ کے فرزند اور اس کے پیارے ہیں اس قسم کے عقیدہ نے نسلی امتیاز پیدا کر کے دوسرے انسانوں سے جو اس مخصوص خاندان سے تعلق نہ رکھتے تھے نفرت اور حقارت پیدا کر دی اسلام کو چونکہ

اخوت اور مساوات انسانی

کا سبق دینا تھا اس لئے اس نے قرآن کریم کے ذریعہ ظاہر کیا کہ کوئی قوم اور ملک ایسا نہیں کہ خدا تعالیٰ نے اپنے نبی وہاں مبعوث نہ فرمائے ہوں ۔

چنانچہ فرمایا پارہ ۱۳ سورۃ النحل رکوع ۵ آیۃ ۳۶

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ

اور یقیناً ہم نے ہر ایک قوم میں رسول مبعوث کیا جس نے یہ تعلیم دی کہ اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرو اور شیطان سے بچو۔

(۲) پارہ ۲۲ سورۃ فاطر رکوع ۳ آیت ۲۴

إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَإِن مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ

ہم نے آپ کو حق کے ساتھ بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے اور ایسی کوئی قوم نہیں جس میں ہم نے اپنا نذیر نہ بھیجا ہو۔

(۳) پارہ ۲۱ سورۃ الروم رکوع ۵ آیت ۴۷

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ رُسُلًا إِلَىٰ قَوْمِهِمْ

اور آپ سے پہلے ہم نے رسولوں کو ان کی قوموں کی طرف بھیجا

میں نے بطور نمونہ یہ آیات پیش کی ہیں قارئین کرام جب قرآن مجید میں آیات کو اور ان کے سیاق و سباق کو پڑھیں گے تو انہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رسالت کے دلائل کا بھی علم ہوگا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا ایک قانون استمراری ہے کہ وہ تمام قوموں میں نبی بھیجتا آیا ہے۔ اس خصوصیت کو قرآن کریم نے اس مقصد سے پیش کیا ہے تاکہ قوموں اور ملکوں میں نسل اور وطنی منافرت پیدا نہ ہو اور وہ مقصد پورا ہو جو

قرآن کریم کے نزول اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کا ہے کہ

وحدۃ نسل انسانی

کے عقیدے پر یقین پیدا کیا جاوے جو باہمی منافرت کے دور کرنے کے لئے ضروری ہے۔

دوسری خصوصیت ایمان بالرسل کے سلسلہ میں دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اسلام نے تمام انبیاء علیہ السلام پر ایمان لانا ضروری قرار دیا۔ اس سے پہلے مختلف اقوام اور ملل یہ ضروری نہ سمجھتے تھے کہ وہ دوسرے انبیاء پر بھی ایمان لائیں وہ صرف اپنے رسول کو مان لینا کافی سمجھتے تھے اسلام نے ایمان بالرسل کی تکمیل کے لئے یہ لازمی قرار دیا کہ

تمام انبیاء پر ایمان رکھنا ضروری ہے

ور جس قوم نے بھی اپنے کسی نبی رسول خواہ اس کا نام وہ رشی یا وتار رکھیں یا کوئی اور ایک قوم اس کو اپنا مقتدا سمجھتی ہو اس کا نام رآن کریم نے بتایا ہو یا نہ بتایا ہو اس پر ایمان لانا ضروری ہے چونکہ انبیاء علیہم السلام کی تعداد غیر محدود ہے ہم نہیں کہہ سکتے کہ کس قدر آئے ن لئے قرآن کریم نے ایک اصل بتا دیا۔

دیکھو سورہ المومن رکوع ۸ آیۃ ۷۹

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّن قَبْلِكَ مِنْهُم مَّن قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُم مَّن لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ

اور یقیناً ہم نے تم سے پہلے بہت سے رسول بھیجے ہیں ان میں سے بعض کا حال آپ سے بیان کر دیا ہے اور بعض کا ذکر نہیں کیا۔

غرض اس طرح پر ایمان بالرسل میں اس کو لازم قرار دیا کہ تمام انبیاء و رسل ہر وہ خواہ کسی قوم اور ملک میں آئے ہوں قرآن کریم میں ان کا نام لیکر ذکر ہو یا نہ ہو ایمان لایا جائے۔

ان تمام انبیاء کی تعلیم ایک ہی توحید پر عمل تھا۔ اگر ان کے بعد ان کی اقوام نے اس تعلیم کو بگاڑ دیا ہے تو یہ ان کی طرف منسوب نہیں ہو سکتی جیسے ہم دیکھتے ہیں مثلاً حضرت مسیح علیہ السلام نے وہ تعلیم نہ دی تھی جو عیسائی پیش کرتے ہیں یا ہندوستان میں آنے والے رشیوں نے بت پرستی کو تعلیم نہ دی تھی وہ ایک ہی الٰہ کو مانتے اور اسکی عبادت کا حکم دیتے تھے جیسا کہ اوپر سورۃ النحل کی آیۃ میں بیان ہوا ہے۔

تیسری خصوصیت

قرآن کریم میں ایمان بالرسل کے متعلق ایک اساسی عقیدے کی تعلیم دی کہ بلحاظ رسالت و نبوۃ ان میں کسی قسم کی تفریق ضروری نہیں بلکہ نبی اور رسول کی حیثیت سے وہ سب برابر ہیں اور ان میں کسی قسم کا تفرقہ

کرنا جائز نہیں چنانچہ سورۃ بقرہ کے آخری رکوع میں فرمایا

كُلٌّ آمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَ
وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ
بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ

ہر ایک اللہ تعالیٰ پر اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں پر ایمان لایا اور ہم ان رسولوں کے متعلق کوئی فرق نہیں کرتے

اسی مضمون کو سورہ بقرہ کے رکوع ۱۶ اور سورہ آل عمران کے رکوع ۹ میں اس طرح پر بیان کیا۔

لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ

ہم ان انبیاء کے مابین تفریق نہیں کرتے

غرض پہلے بتایا کہ ہر قوم میں اللہ تعالیٰ کے نبی آئے
ھر بتایا کہ بعض کا ذکر کیا ہے بعض کا نہیں لیکن ایمان سب پر لازمی ہے
ور اس ایمان کی یہ شرط ہے کہ

ان میں تفریق جائز نہ رکھی جائے

تفریق سے مراد یہ ہے کہ بعض کو مانا جاوے اور بعض کا انکار
یا جاوے قرآن کریم نے دوسرے مقام پر اس کی تصریح فرما دی ہے
ہ ۶ سورۃ النساء رکوع ۲۱ آیۃ ۲۲ میں صاف فرمایا کہ تفرقہ سے کیا مراد ہے؟

وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ

اور کہتے ہیں ہم بعض پر ایمان لاتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو قرآن کریم حقیقی کافر اور مستحق عذاب قرار دیتا ہے۔

چوتھی خصوصیت

اگرچہ منصب رسالت کے لحاظ سے ان میں کسی قسم کا تفرقہ جائز نہیں مگر اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ بعض انبیاء کو بعض پر فضیلت بھی ہے اور فضیلت کے متعلق ہمیشہ یاد رکھو کہ یہ ایک اضافی چیز ہوتی ہے چنانچہ خود قرآن کریم بیان کرتا ہے۔ پارہ ۳ پہلی آیت

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ

ان رسولوں میں سے بعض کو ہم نے بعض پر فضیلت دی ہے ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ جن سے اللہ تعالیٰ نے کلام کیا اور بعض کے درجات کو بلند کیا۔

(تشریحی نوٹ) میں اس آیت کے متعلق ایک لمبی بحث نہیں کروں گا میں نے یہ بحث تو اس لئے کیا ہے کہ قرآن کریم فرماتا ہے کہ بعض پر ہم نے بعض کو فضیلت دی ہے اور حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی کو سزاوار ہے کہ وہ اپنے مرسلین کے مقام فضیلت کو بیان کرے یہاں دراصل ایک حقیقت کو بیان کرنا مقصود ہے کہ ایک طرف تو یہ کہا جاتا ہے کہ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ہے اور دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ بعض کو فضیلت بھی ہے اسی لئے میں نے کہا کہ یہ نسبتی امر ہوتا ہے چنانچہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بعض کو صرف کلام الٰہی سے مشرف کیا مگر بعض ایسے بھی ہیں کہ ان کو صرف کلام سے ہی مشرف نہیں فرمایا بلکہ ان کے درجات کو بلند کیا

اور یہ اس طرح پر کہ بعض کو نبوۃ بھی دی اور سلطنت بھی عطا کی جیسے حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو

پانچویں خصوصیت انبیاء و رسل کے متعلق ایمان کے سلسلہ میں اسلام نے یہ خصوصیت بتائی ہے کہ وہ معصوم ہوتے ہیں اور ہر ایک قسم کے گناہوں سے پاک ہوتے ہیں پس جہاں یہ ضروری ہے کہ ان کو مرسل من اللہ یقین کیا جاوے اور امر رسالت میں ان میں تفریق نہ کی جاوے یعنی بعض پر ایمان لائیں بعض کا انکار ایسا نہیں بلکہ سب کو

مرسل من اللہ یقین کریں

اس طرح ایمان بالرسل کے اجزا میں یہ ضروری ہے کہ ان کو معصوم یقین کریں یہ خصوصیت صرف اسلام نے بتائی ہے ورنہ دوسرے مذاہب اس کو ضروری نہیں سمجھتے عیسائی تو سب کو نعوذ باللہ بٹ مار اور چور کہتے ہیں اور یہودیوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام اور بعض دوسرے نبیوں پر اتہام لگایا اور قرآن کریم نے

ان سب الزامات کی تردید کی

میں اس تفصیل میں نہیں جاتا اگر اللہ تعالیٰ نے موقعہ دیا اور توفیق دی تو قصص الانبیاء میں بحث کروں گا۔ قرآن کریم نے بعض انبیاء علیہم السلام کے نام لیکر ان الزامات کی تردید کی اور یوں عام طور پر ان کی معصومیت کا اظہار فرمایا حضرت ابراہیم حضرت یوسف حضرت سلیمان علیہم السلام پر لگائے گئے الزامات کی صاف تردید کی ہے۔

عیسائیوں نے خصوصیت کے ساتھ انبیاء علیہم السلام کی معصومیت کا انکار کیا ہے اور قرآن کریم نے اسی لئے خصوصیت کے ساتھ اس عقیدہ کی تردید کیا ہے کہ نبی معصوم ہوتے ہیں جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے اس مستقل موضوع پر پھر لکھنے کا عزم ہے یہاں بیں نہایت اختصار سے بعض ان اصولوں کا ذکر کر دینا مناسب سمجھتا ہوں جو مسئلہ عصمت انبیاء کے سمجھنے کیلئے اساسی حیثیت رکھتے ہیں۔

(اول) نبی کی وحی شیطانی القا سے پاک ہوتی ہے۔ دیکھو سورۃ الحج پارہ ۱۷ آیتہ ۵۳) وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِى الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۙ

اور ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول یا نبی نہیں بھیجا کہ جب اسنے (لوگوں کی اصلاح کا) ارادہ کیا تو شیطان نے اس آرزوے اصلاح وہدایت میں رخنہ اندازی شروع کی پس اللہ تعالیٰ نے شیطانی وسوسہ اندازیوں کو مٹا دیا اور اللہ تعالیٰ اپنی آیات (نشانات) کو اور مضبوط کر دیتا ہے اور اللہ علیم وحکیم ہے۔

(تشریحی نوٹ) آیتہ کا مضمون صاف ہے کہ انبیاء علیہم السلام ہدایت واصلاح کا منصب لیکر آتے ہیں اور شریر النفس لوگ انکی مخالفت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو ناکام کر دیتا ہے بعض لوگوں نے اپنے قصور فہم سے القی الشیطان سے یہ مراد لی کہ شیطان بھی کچھ مداخلت کر دیتا ہے یہ اس آیتہ کا قطعاً مفہوم نہیں اور اس سے پہلے آیات میں صاف طور پر نبی کی مخالفت کرنے والوں کی سزا کا ذکر ہے۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے اس عام قانون کا ذکر فرمایا کہ ہر نبی کے منصب اصلاح و ہدایت کی مخالفت ہوتی ہے مگر وہ مخالفت کامیاب نہیں ہوتی بلکہ نبی کامیاب ہو جاتا ہے اور یہ آیت صریح دلالت کرتی ہے کہ نبی کی وحی القائے شیطانی سے پاک ہوتی ہے۔

(دوم) قرآن مجید نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں پر شیطانی تسلط نہیں ہو سکتا ان عبادی لیس لک علیہم سلطان اور انبیاء علیہم السلام تو عباد المخلصین ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کو برگزیدہ کرتا ہے اور ان کی حفاظت اور سلامتی کا آپ اظہار فرماتا ہے جیسے سورۃ الصافات پارہ ۲۳ کی آخری آیۃ میں فرمایا۔

وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ

(سوم) ان کی دعوت اصلاح میں ان کی کوئی نفسانی غرض نہیں ہوتی وہ اپنے پیغام ہدایت کے لیے کسی اجر کے خواہشمند نہیں ہوتے بلکہ صاف طور پر کہتے ہیں کہ ہم تم سے کسی اجر کے خواہشمند نہیں ہیں ہر نبی اپنی قوم کو یہی کہتا آیا ہے۔

اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ

(چہارم) ان کی بعثت سے پہلے کی زندگی بتاتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اس مخلوق کے لئے اپنے دل میں ہمدردی اور محبت اور بہتری کے جذبات رکھتے ہیں اور ان کی قوم ان سے بہترین امیدیں وابستہ کئے ہوئے ہوتی ہے چنانچہ حضرت صالح علیہ السلام کی ایک مثال میں پیش کرتا ہوں۔

سورہ ہود پارہ ۱۲ رکوع ۷ آیۃ ۶۲ قَالُوا يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ اَتَنْهٰىنَآ اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا وَاِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ۝

انھوں نے کہا کہ اے صالح اس سے پہلے تو ہماری امیدیں تمہارے ساتھ وابستہ تھیں کیا تو ہم کو ان کی عبادت کرنے سے روکتا ہے جن کی عبادت ہمارے آباو اجداد کرتے آئے ہیں اور یقیناً جس معبود کی طرف تو دعوت دیتا ہے ہم اس کے متعلق شک میں ہیں۔

تشریحی نوٹ

آیۃ صاف بتاتی ہے کہ حضرت صالح اپنی قوم کی ایک خاص پر امید شخصیت تھی اور یہ کوئی نئی بات نہیں ان کی فطرت ہی اس جذبہ سے خمیر کی گئی ہوتی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی تو ان جذبات سے بھرپور نظر آتی ہے اور آپ کے تقدس اور اعلیٰ چلن کے لئے تو خود قرآن کریم میں تحدی موجود ہے اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس کا نقشہ کھینچا ہے۔ غرض انبیا علیہم السلام کی عملی زندگی ان کے قبل بعثت کے کارنامے ان کی عصمت کا ثبوت ہوتے ہیں اور یہ عجیب بات ہے کہ کسی نبی پر اس کی قوم نے اس کی قبل بعثت کی زندگی پر اعتراض نہیں کیا۔ بلکہ جب اس نے اپنی قوم کو شرک کے ترک کرنے اور اپنی اخلاقی کمزوریوں کی اصلاح کے لئے

خدا کا نبی ہو کر دعوت دی

تب انھوں نے اس پیغام ربانی کی تکذیب کی

چھٹی خصوصیت

ایمان بالرسل کے متعلق قرآن کریم نے چھٹی خصوصیت بیان کی کہ وہ سب کے سب بشر تھے اور سب کے سب فوت ہو گئے۔ بظاہر ایک شخص کو خیال ہوگا کہ اس خصوصیت کی کیا ضرورت تھی؟ اس لئے کہ بعض قوموں نے جیسے مثلاً عیسائی یہودی مجوسی۔ انہوں نے اپنے نبیوں کو انسانیت کے مقام سے بلند کر کے خدا یا خدا کا بیٹا قرار دے لیا اور بعض کی نسبت خیال کر لیا کہ وہ اب تک زندہ ہیں اس لئے قرآن کریم نے غلطی کو دور کرنے کے لئے یہ بتایا کہ تمام

فتنۃ المحیا والممات

انبیاء بشر ہی تھے اور طبعی بشری ضروریات کے محتاج تھے چنانچہ قرآن مجید فرماتا ہے۔

دیکھو سورۃ الانبیاء پارہ ۱۷ آیت ۷ و ۸

اور ہم نے آپ سے پہلے بھی آدمی (ہی) رسول بنا کر بھیجے جن پر ہم نے وحی کی اگر تم جانتے ہو تو اہل ذکر سے پوچھ لو (۷) اور ان نبیوں کے جسم ایسے نہیں بنائے تھے کہ وہ کھانا نہ کھاتے ہوں اور ہمیشہ زندہ رہنے والے تھے۔

دوسرے مقامات پر بھی اس کی صراحت ہے اور اس کی اصل وجہ یہی ہے کہ پہلے بھی لوگوں میں کبھی اس قسم کے خیالات پیدا ہوئے اور آخری زمانہ میں یہ فتنہ خطرناک تھا کہ مسیح ابن مریم کو زندہ جسم کے ساتھ آسمان پر بٹھایا جانیوالا تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کی تردید کے لئے قرآن کریم میں صراحت کی۔

ساتویں خصوصیت

ایمان بالرسل کی تکمیل اس خصوصیت پر ایمان لانے سے ہوتی ہے کہ محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبین ہیں آپ کے وجود میں تمام نبوتیں جمع ہوگئیں یعنی نبوۃ کے تمام کمالات آپ کے وجود پر کامل ہوگئے اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ پر یہ وحی کی

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی

آج میں نے تم پر تمہارے لئے دین کو کامل کر دیا اور اپنی نعمت کی تکمیل کر دی

شریعت کامل ہوچکی اب کسی نئی شریعت کی ضرورت نہ ہوگی۔ اور نبوۃ کے فیوض اور برکات کا اصل چشمہ محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور آپؐ کی نبوۃ ہوگئی۔

میں نے یہ سات خصوصیتیں ایمان بالرسل کی بیان کی ہیں اب میں وہ احکام بیان کرتا ہوں جو ایمان بالرسل کے متعلق، عمومیت کا رنگ رکھتے ہیں۔ دراصل وہ ایک ہی حکم ہے اور اسکی مختلف صورتیں ہیں اور مختلف طریق پر قرآن کریم نے اس کو بیان کیا ہے میں ایک کے الفاظ لکھکر باقی کے حوالہ جات دیدوں گا۔

اطاعت رسول کرو

اس سلسلہ میں پہلی بات تو قرآن کریم نے بطور اصل محکم یہ فرمائی کہ رسول بھیجا ہی اس لئے جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جاوے

چنانچہ فرمایا پارہ پنجم سورۃ النساء رکوع ۱۰ آیۃ ۶۴

وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ

یعنی ہم نے کسی رسول کو نہیں بھیجا مگر اسلئے کہ اللہ تعالیٰ کے اذن سے اسکی اطاعت کیجاوے

اس میں بنیادی طور پر اللہ تعالیٰ نے اس اصل کو بیان دیا ہے کہ اسکی اطاعت کی جاوے۔ قرآن کریم نے اس اطاعت کے لئے نہایت لطیف پیرایہ میں تفصیلات دین میں انکی طرف نہیں آتا اس بنیادی حکم کے ذیل میں جو احکام دیئے ان میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ساتھ اسے ملزوم کر دیا جہاں بھی حکم دیا وہاں اللہ کی اطاعت کو مقدم کیا چنانچہ فرماتا ہے۔

(۱) پارہ ۵ سورۃ النساء رکوع ۸ آیۃ ۶۰

قُلْ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ۝

اے نبی کہدو کہ مومنو! (سنو) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ اور ان لوگوں کی بھی اطاعت کرو جو صاحب حکم ہیں۔ اور اگر کسی معاملہ میں اختلاف ہو۔ اور نزاع پیدا ہو تو چاہئے کہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف رجوع کرو (یعنے ان کے فیصلہ کو تسلیم کر لو۔) اگر تم اللہ تعالیٰ پر اور یوم آخرۃ پر ایمان رکھتے ہو۔ (یاد رکھو) یہی طریق عمل تمہارے لئے

خیر و برکت کا موجب ہے۔ اور انجام کار یہی احسن ہے۔

تشریحی نوٹ اس آیت میں چار حکم ہیں۔ (۱) اللہ تعالیٰ کی اطاعت (۲) اس کے رسول کی اطاعت (۳) صاحب الحکم کی اطاعت (۴) بصورت اختلاف اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ کو قبول کر لینا اور یہ امور تکمیل ایمان اور بہترین ثمرات کے لئے ضروری ہیں۔

اولی الامر کی بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں اللہ تعالےٰ نے ایسا جامع لفظ فرمایا ہے جو ہر صاحب امر کی اطاعت پر حاوی ہے اور یہ امر کہ متنازع ہو تو اس میں یہ اصول بتایا کہ اطاعت اولی الامر میں وہ اطاعت داخل نہیں جو اللہ اور رسول کے حکم کے خلاف ہو یا دوسرے الفاظ میں ایسے احکام قابل عمل اور اطاعت نہیں ہوتے جو معصیت کا رنگ رکھتے ہوں۔ اسکے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

کہ معصیت میں کسی قسم کی اطاعت جائز نہیں

اور قرآن کریم نے سورۃ لقمان میں ماں باپ کے ایسے احکام کے ماننے سے منع کر دیا جو مثلاً شرک کے لئے ہوں یہ ایک مثال ہے۔ ایسے تمام احکام جو اللہ تعالےٰ اور اسکے رسول کے خلاف ہوں۔ یہی ایک حکم ہے جو قرآن کریم کی مختلف سورتوں میں آیا ہے میں یہاں صرف ان کے حوالہ دے دیتا ہوں۔

(۱) سورۃ آل عمران پارہ ۳ آیۃ ۳۱

(۲) سورۃ الانفال پارہ ۹ آیۃ ۲ و آیۃ ۴۷

(۳) سورۃ طٰہٰ پارہ ۱۶ آیۃ ۹۱

اس آیت میں حضرت موسٰی علیہ السلام کی غیر حاضری میں حضرت ہارون کا اپنی قوم کو حکم بتایا گیا ہے۔

(۴) سورۃ نور پارہ ۱۸ رکوع ۷ آیۃ ۵۷ و ۵۴

(۵) سورۃ المایدہ پارہ ۷ رکوع ۱۱ آیۃ ۹۲

(۶) سورۃ نبا پارہ ۳۰ رکوع ۲ آیۃ ۱۳

میں نے چھ مقامات کو پیش کیا ہے قرآن کریم کے مختلف مقامات میں اس امر کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ یہ تو عام انبیاء علیہم السلام کی اطاعت کے متعلق احکام ہیں۔ مگر میں خصوصیت سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور آپؐ کے متعلق آداب کے احکام بھی درج کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق احکام و آداب

یہاں تک میں نے ایمان بالرسل کے متعلق احکام کا ذکر کیا ہے اب میں ان احکام کا ذکر کرتا ہوں جو حضرت خاتم النبیین سید الاولین والاخرین کے متعلق قرآن کریم میں دیئے گئے ہیں اس لئے کہ اپنی تعلیم اور نبوۃ کے لحاظ

سے آپ ہی زندہ رسول ہیں اور اس سلسلہ میں سب سے اول میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خصوصیات امتیازی کو بیان کرنا چاہتا ہوں جو آپ کو تمام انبیاء علیہم السلام سے ممتاز کرتی ہیں میں اس کتاب کے پڑھنے والوں کو کہوں گا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرۃ اور کمالات کا علم حاصل کرنے کے لئے میری کتاب رحمۃ للعالمین نی کتاب میں پڑھیں جس میں حضور کی سیرۃ قرآن کریم کی روشنی میں بیان کی گئی ہے اس لئے میں آپ کی خصوصیات کا بہت مختصر ذکر کروں گا۔

پہلی امتیازی خصوصیت

پہلی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ آپ کسی خاص قوم اور ملک اور خاص وقت کے لئے نبی ہو کر نہیں آئے بلکہ آپ کی نبوۃ اور دعوۃ کا دائرہ مرکز انسانیت پر کھینچا گیا ہے جس طرح قرآن کریم نے اللہ تعالے کا تصور رب العالمین کی صورت میں پیش کیا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃ للعالمین کہہ کر ظاہر کیا چنانچہ فرمایا ما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین (سورۃ الانبیاء پارہ ۱۷ آیۃ ۱۰۸)

یہ تو خود اللہ تعالے نے فرمایا کہ ہم نے آپ کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا ہے۔ میں نے رحمۃ للعالمین میں جس کا اوپر ذکر کیا ہے حضور کے اسماء قرآنی پر تفصیلی بحث کی ہے اور اس کے پڑھنے سے آپ کی خصوصیات اور کمالات کا علم ہوتا ہے۔

پھر اللہ تعالے نے آپ کو حکم دیا کہ اپنے منصب نبوۃ کی وسعت

کا اعلان کرو۔ فرمایا سورہ اعراف پارہ ۹ رکوع ۲۰ آیۃ ۱۵۹

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا

کہدو کہ اے لوگو میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔

آپ کو جو کتاب دی گئی وہ بھی زندہ اور ابدی شریعت

دوسری خصوصیت

ٹھیری چنانچہ فرمایا سورہ فرقان پارہ ۱۸ پہلی ہی آیۃ

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ

لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ۝

وہ ذات بابرکت ہے جس نے اپنے بندہ پر فرقان نازل کیا تاکہ

وہ تمام جہانوں کے لئے نذیر ہو۔

میں نے اسماء القرآن میں قرآن مجید کے ان اسماء پر جو قرآن کریم

میں ہیں ایک مستقل کتاب لکھی ہے۔ اس میں قرآن کریم کے کمالات کا تفصیلی

ذکر ہے اور اس کے اسم فرقان پر بھی بحث ہے اس لئے یہاں کچھ نہیں لکھا

مجھے صرف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امتیازی خصوصیات کا ذکر کرنا ہے

آپ کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ جو کتاب آپ پر نازل

تیسری خصوصیت

ہوئی اور جو تعلیم آپ نے پیش کی وہ اکمل ہے جیساکہ

فرمایا الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی اور

اسی کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ ہی اس کتاب کی حفاظت کا وعدہ فرمایا

انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون

ہم نے ہی قرآن کریم کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے

چوتھی خصوصیت آپ کی چوتھی امتیازی خصوصیت یہ تھی کہ آپ نے قومی وحدۃ کے مقابلہ میں انسانی وحدۃ اور مساوات کو پیش کیا اور یہ ظاہر ہے کہ نیشنلٹی کے مقابلہ میں ہیومنیٹی کا دائرہ عمل بہت وسیع ہے۔

پانچویں خصوصیت پانچویں خصوصیت یہ ہے کہ پہلے انبیاء علیہم السلام نے فطرت انسانی کی کسی ایک شاخ کی تربیت فرمائی لیکن آپ نے تمام اخلاقی قوتوں کی تربیت فرمائی اور اسی لیے آپ نے فرمایا کہ میں تکمیل اخلاق کے لئے آیا ہوں۔ اور اللہ نے آپ کی عملی زندگی کو اسوہ حسنہ قرار دیکر یہ بھی فرمایا

انک لعلیٰ خلق عظیم (سورۃ القلم)

یہ مضمون بجائے خود اپنی تفصیلات کے ساتھ ایک جداگانہ کتاب کو چاہتا ہے میں نے بطور نمونہ پانچ خصوصیات بیان کر دی ہیں اب میں ان احکام کو پیش کروں گا جو حضور کے متعلق قرآن کریم آپ کی اطاعت اور ایمان بالرسل کے ضمن میں بیان کرتا ہے اور ان احکام میں ہی آداب بھی آجاتے ہیں۔

تبلیغ رسالت کے متعلق احکام

تبلیغ کی تدریجی صورت اس عنوان کے تحت میں ان احکام کو بیان کرتا ہوں

تبلیغ رسالت پر مشتمل ہیں بظاہر یہ احکام حضرت نبی کریم صلی اللہ
وسلم کو مخاطب کر کے دیئے گئے ہیں۔ لیکن ان کا مخاطب ہر مومن
مسلم ہے اس لئے کہ تبلیغ تو ہر ایک پر فرض ہے جس صداقت کو
ن نے قبول کیا ہے اسے دوسروں تک پہونچائے حضرت نبی کریم
اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری ہدایات کو دوسروں تک پہونچاؤ
ایک موقعہ پر فرمایا کہ حاضر لوگ ان تک پہونچائیں جو موجود
ہیں۔ پس ہر خطاب سب مسلمانوں کو ہے اور حقیقت میں اول
مخاطب آپ ہی ہیں۔

(۱) سورۃ المائدہ پارہ ۶ رکوع ۱۰ پہلی آیت

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ ۚ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ۝

اے رسول جو کچھ تیرے رب سے تجھ پر نازل ہوا ہے اسے (لوگوں کو)
پہونچا دو اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو پھر اس پیغام رسالت کو نہیں پہونچایا
(اس راہ میں مشکلات ہیں مگر) اللہ تعالے آپ کو لوگوں (کے غلبہ اور حملہ)
سے محفوظ رکھے گا۔ اور جنہوں نے کفر اختیار کیا ہے اللہ تعالے ان کو (اپنے
مقاصد میں) کامیاب نہیں کرتا۔

نوٹ: اس حکم میں تبلیغ رسالت کو من کل الوجوہ پیش کرنے کا حکم ہے

کسی چیز کو چھپانے سے پرہیز کرنا چاہئے اس راہ میں مشکلات اور مخالفین کے حملہ لازمی ہیں۔ اس لئے پہلے ہی بشارت دیدی کہ اس تبلیغ رسالت میں اللہ تعالےٰ ہر قسم کے الزامات اور دشمنوں کے اقدامات سے تیری حفاظت فرمائے گا۔ یہ عصمت کامل کی طرف اشارہ کرتی ہے عصمت ظاہری بجائے خود حقیقی عصمت کا ثبوت ہے اس لئے کہ جو لوگ اللہ تعالےٰ سے تعلق نہیں رکھتے اور مجرم ہوتے ہیں وہ تو مستحق سزا ہوتے ہیں۔ لیکن متقی انسان کا تو اللہ ولی ہوتا ہے پس یہ آیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی

عصمت حقیقی کی بھی دلیل ہے

نوٹ۔ میں تو احکام کی ذیل میں ایک آیۃ یا اس کا کوئی حصہ پیش کرتا ہوں قارئین کریم کو چاہئے کہ قرآن کریم سے اس مقام کو نکال کر سیاق و سباق پر غور کریں اس طریق پر عمل کرنے سے وہ قرآن مجید کے حقایق و معارف سے بہرہ اندوز ہوں گے۔ تفصیل سے میں نے رحمتہ للعالمین جلد اول میں لکھا ہے۔

سورۃ الشعرا پارہ ۱۹ رکوع ۱۱ آیۃ ۲۱۴ سے ۲۱۸ تک

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ﴿۲۱۴﴾ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۱۵﴾ فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ۙ الَّذِيْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ۙ

ترجمہ اور اپنے سب سے قریب رشتہ داروں کو ڈراؤ[۱] اور مومنوں میں سے جو آپ کی اتباع کریں ان کے لئے اپنے بازو پھیلا دو[۲] اور اگر وہ نافرمانی کریں تو کہدو کہ میں تمہارے اعمال سے بری الذمہ ہوں اور العزیز الرحیم پر توکل[۳] کرو جو تجھے دیکھتا ہے۔ جب تو کھڑا ہوتا ہے۔

تشریحی نوٹ ان آیات میں تبلیغ کے سلسلہ کا آغاز بتایا کہ گھر سے شروع کرو جو آپ کے اقارب ہیں پہلے یہ پیغام حق ان کو پہنچاؤ یہ ایک نعمت ہے جو کامرانی کا ذریعہ ہے۔ سب سے اول وہ مستحق ہیں۔

پھر جو ایمان لائیں اور نہ صرف ایمان بلکہ تیری پیروی کریں۔ ان کے لئے اپنے بازوں کو پھیلا دے یا نیچا کر مطلب یہ ہے کہ ان کو اپنے آغوش رحمت میں لے۔ اور اگر نافرمانی کریں تو ان کے اعمال سے اظہار بیزاری (براءت) کر

اور بالآخر العزیز اور الرحیم پر توکل کر جس کی نظروں میں تو ہے۔

اس حکم کی تکمیل میں آپ نے کوہ صفا پر چڑھ کر (الحمدللہ میں نے اس مقام کو دیکھا ہے عرفانی) اپنے تمام عزیزوں کو نام

نام پکارا سب لوگ جمع ہوگئے جو نہ آ سکتے تھے انہوں نے نمائندے
بھیجے آپ نے ان کو کہا کہ اگر میں کہوں کہ وادی میں ایک لشکر ہے جو تم پر حملہ
کرنے والا ہے تو تم میری بات کو مان لوگے سب نے کہا کہ ہاں اس لئے کہ

ہم نے ہمیشہ تجھکو راستباز اور امین پایا ہے

اس پر آپ نے فرمایا کہ میں تم کو آنے والے عذاب سے ڈراتا ہوں۔
جو تمہارے سامنے ہے ابولہب نے بڑے غصہ کا اظہار کیا اور کہا
کیا اسی لئے بلایا تھا۔

یہ واقعہ میں نے اس لئے لکھدیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے
شوق تبلیغ اور تعمیل احکام الہٰی کا اندازہ ہو اور یہ کہ علے رؤس الاشہاد
سارے لوگوں نے آپکی راستبازی کا اعلان کیا۔

سورۃ الشعراء میں ہر نبی کے ذکر کے بعد اللہ تعالےٰ کی صفات
العزیز اور الرحیم پر توکل کرنے کا حکم ہے اس میں یہ بشارت ہے کہ
العزیز اور غالب خدا تجھ کو غالب کریگا۔ اور الرحیم تیری کوششوں
اور محنتوں کو ضائع نکریگا۔

تبلیغ کے اصول

میں چاہتا تھا کہ تبلیغ رسالت کے دائرہ کی وسعت
کو بیان کروں کہ کس طرح وہ وسیع ہوتا گیا
مگر میں آپؐ کی خصوصیات رسالت میں ان کو بیان کر آیا ہوں
اس لئے اب ان احکام کو بیان کرتا ہوں جو تبلیغ رسالت

کے لئے بطور اصول اور گر کے ہیں۔ سورۃ النحل پارہ ۱۴ آیۃ ۱۲۶

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِهٖ قف وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ ۝

اے نبی! اپنے رب کے راستے کی طرف لوگوں کو بلاؤ اس طرح کہ حکمت کی باتیں بیان کی جائیں اور طرز بیان ایسا اچھا ہو کہ وہ نصیحت حاصل کریں۔ اور اگر منکرین و مخالفین سے بحث و نزاع کا مسئلہ پیش آجاوے تو وہ بھی ایسے طریقہ پر ہو کہ بہترین پیرایہ میں ہو۔

جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مقام دعوت الحق پر کھڑا کیا تو خود اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس طریق دعوت سے آگاہ فرمایا کہ جو نتیجہ خیز ہو حکمت اور دانائی سے کام لیا جائے خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے منصب رسالت میں یہ امر داخل ہے یعلمهم الکتاب والحکمة کہ وہ علم الکتاب اور اسرار حکمت سے آگاہ کرتا ہے اس آیتہ سے یہ بھی پایا جاتا ہے کہ مناظرہ دعوت الی اللہ کا لازمی جزو نہیں ہے اصل مقصد اور طریق حکمت موعظہ حسنہ ہے لیکن اگر ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ مناظرہ کا رنگ ہو جاوے تو بھی ضرورت اس امر کی ہے کہ جو بات کہی جاوے وہ اپنی جگہ محکم ہو۔ اور اس کو ایسے طریق سے ادا کیا جاوے کہ سننے والوں کے لئے

ایسی موعظہ ہو کہ اس میں حسن اور خوبی پیدا ہو جاوے۔
چونکہ حضور کے اسماء مبارکہ میں داعیاً الی اللہ بھی ہے اور میں نے رحمۃ للعالمین میں اس نام کے نیچے اس آیۃ کی مفصل تشریح کی ہے اس لئے اس سے زیادہ نہیں لکھتا۔

موسوی اور محمدی طریق دعوت کا امتیاز

میں بعض اوقات اپنے ذوق سلیم اور رآمد حقائق سے مجبور ہو جاتا ہوں کہ مزید تشریح کروں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام مامور ہو کر فرعون کی طرف دعوت حق کے لئے گئے۔ تو انکو جو طریق تبلیغ بتایا گیا وہ اسی قدر تھا کہ (دیکھو سورۃ طٰہٰ پارہ ۱۶ رکوع ۲ آیۃ ۴۳)

اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۝ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ۝

تم دونوں فرعون کی طرف جاؤ اس نے سرکشی اختیار کی ہے اور تم اس سے نرمی سے گفتگو کرنا شاید وہ نصیحت قبول کرے یا اللہ سے ڈرے۔

حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو طریق تبلیغ اس حد تک بتایا کہ نرم بات کرنا۔ لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام بہت بلند ہے اس لئے آپ کو طریق تبلیغ وہ بتایا جو تمام خوبیوں کا جامع ہے۔ اور تمام پہلوؤں پر مشتمل ہے۔ اس خصوص میں اسی قدر اشارہ کافی ہے۔ تفصیل رحمۃ للعالمین میں دیکھو۔ تو واضح ہوگا کہ حضور کا طریق تبلیغ تمام پہلوؤں پر حاوی ہے۔

غرض قرآن کریم نے جو طریق تبلیغ بتایا وہ ہر رنگ میں جامع اور تمام پہلوؤں پر حاوی ہے۔

منافقین کیلئے طریق تبلیغ

اور جو کچھ بیان کیا ہے وہ تو ان لوگوں کے متعلق ہے جو ابھی داخل اسلام نہیں ہوئے مگر ایک گروہ ایسے لوگوں کا بھی ہوتا ہے جو بظاہر ایمان تو لے آتے ہیں اور یہی ظاہر کرتے ہیں مگر بعض اوقات انکی وجہ سے مخلصین کو مشکلات پیش آجاتے ہیں اس لئے ان کے متعلق دوسرا طریق تبلیغ بتایا

سورۃ النساء پارہ ۵ آیت ۶۴

فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَّهُمْ فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًاۢ بَلِيْغًا ۝

پس ان سے اعراض کرو اور ان کو نصیحت کرو اور انکو ایسی بات کہو جو ان کے دلوں میں گھر کر جائے۔

اس آیت میں منافقین یا کمزور طبیعت کے لوگوں کی اصلاح کے لئے تین باتوں کا حکم دیا اوّل درگذر دوم پند و نصیحت سوم طریق بیان ایسا ہو کہ اظہار مقصد پورے طور پر ہو اور سننے والوں پر موثر ہو۔

آپکا کام صرف ابلاغ ہے

تبلیغ کے طریقوں کے بیان کرنے کے بعد واضح فرمایا کہ دین میں جبر نہیں ہے۔ اس لئے کہ حق و باطل واضح ہوتا ہے اس لئے آپ کا کام صرف پہونچا دینا ہے

پارہ ۳ سورۃ آل عمران آیت ۱۹

(۱) وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ط وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۝

پس اگر وہ پھر جائیں (قبول نہ کریں) تو تجھ پر صرف اتنا ہی فرض ہے کہ پہونچا دیا جاوے۔ اور اللہ بندوں کو خوب دیکھنے والا ہے۔

اسی کی تصریح میں دوسری جگہ فرمایا۔ پارہ ۲۶ سورۃ ق آخری آیۃ

(۲) نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ قف فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ۝

ہم خوب جانتے ہیں جو وہ کہتے ہیں اور تو ان پر مسلط نہیں پس قرآن کے ذریعہ ان کو نصیحت کرو جو میرے عذاب کے وعدے سے ڈرتا ہے۔

(۳) وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ قف فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ج پارہ ۱۵ سورۃ کہف آیۃ ۳۰ رکوع ۴

اور کہدو کہ تیرے رب کی طرف سے تو حق ہی ہے پس جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے انکار کرے۔

اس میں بھی اس حقیقت کا انکشاف کیا کہ ایمان اور کفر میں کسی پر زبردستی نہیں جو شخص خداداد قوتوں سے کام لے۔ وہ اس کو قبول کرے گا۔ اور جو کام نہیں لیتا وہ آپ کفر کو اختیار کرتا ہے۔

غرض حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مقصد تو تبلیغ کر دینا ہے۔

قرآن کریم کے دوسرے مقامات میں بھی اسکی صراحت ہے۔ میں ان کے حوالہ جات یہاں دے دیتا ہوں۔

الف۔ اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ (پارہ ۲۵ سورۃ شوریٰ آیۃ ۴۸)

ب۔ فَذَكِّرْ ؕ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ؕ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ۙ (سورۃ غاشیہ پارہ ۳۰ آیۃ ۲۰)

جیسا کہ میں نے شروع میں بتایا ہے کہ بعض مقامات پر خطاب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے۔ اور اس کے پس منظر میں مومنین کو ہدایات دی گئی ہیں۔ اس لئے وہ احکام ہم سب کے لئے ہیں۔ اس لئے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق فرمایا گیا ہے۔

(سورۃ احزاب پارہ ۲۱ رکوع ۳ آیۃ ۲۱)

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ؕ

اور یقیناً تمہارے لئے رسول اللہ (کی عملی زندگی) میں اعلیٰ درجہ کا نمونہ ہے۔ ہر اس کے لئے جو اللہ تعالےٰ اور پچھلے دن کی امید رکھتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کثیر کرتا ہے۔

تشریحی نوٹ: میں نے اس آیت کو پیش تو اوپر بیان کردہ مقصد کیلئے استدلال کے طور پر کیا ہے لیکن یہ آیت بجائے خود اخلاقیات کا ایک سبق آموز دفتر ہے یہ آیت سورہ احزاب میں واقع ہوئی اور احزاب حضور کی زندگی میں سب سے بڑے امتحان کا معرکہ ہے جس میں آپ کے استقلال کا بہترین نمونہ نظر آتا ہے۔

دوسرے اس آیتہ میں اس امر کی طرف توجہ دلائی ہے کہ کسی مفید سے وجود پائے سے اسی وقت فائدہ اٹھایا جاتا ہے جب اس سے عملی استفادہ کیا جاوے اس لئے یہاں فرمایا کہ حضور کی عملی زندگی تو ایسا نمونہ ہے کہ اگر تم اس سانچہ میں اپنے آپ کو ڈھال لو تو اس میں وہ تمام خوبیاں اور حسنات پیدا ہو سکتے ہیں جو اس وجود میں ہیں مگر اس کے لئے دو شرطیں ہیں۔

اول یہ کہ اللہ پر امید ہو اس شرط کو مقدم کیا ہے اس لئے کہ یہ نہایت رفیع الشان مقام ہے اور اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا قرب ہے اور اس کے بعد فرمایا کہ دوسری شرط ہے یوم الآخرۃ پر ایمان یعنے وہ دن جبکہ اعمال انسانی کی جزا سزا دی جائیگی اس کو دوسرے درجہ پر رکھا کہ اگر انسان مکافات عمل کے عقیدہ پر ایمان لائے تو وہ اپنے اعمال پر کھتا رہے گا۔ اور پھر اس کے لئے ذریعہ بتایا کہ

بکثرت ذکر اللہ کرو

میں نے یہ مختصر تشریحی نوٹ لکھدیا ہے کہ پڑھنے والے بیدار ہوں۔

اب یہ بات بآسانی سمجھ میں آسکتی ہے کہ وہ احکام جو تبلیغ کے متعلق دیئے گئے ہیں ہم میں سے ہر ایک کو ان پر عمل کرنا چاہئیے۔ چنانچہ قرآن مجید اس بلاغ کو جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطاب میں بظاہر مخصوص فرمایا تھا وسعت دیتا ہے۔

دعوت و تبلیغ کی وسعت

ہر شخص کو مبلغ ہونا چاہئے دیکھو سورۃ آل عمران پارہ ۴ رکوع ۱۱ پہلی آیت

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ

تم بہترین امت ہو جو لوگوں کی بھلائی کے لیئے قائم کی گئی ہے۔ اچھے کام کا حکم دیتے ہو اور بری باتوں سے منع کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہو

اس آیۃ میں صاف طور پر وہی مقصد اور فرض بتایا گیا ہے جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا اس طرح یہ قرآن کریم ہر اپنے ماننے والے مسلم و مومن پر وہ ذمہ داریاں جو تبلیغ سے متعلق ہیں عائد کرتا ہے اس لیے انکی ہی ہدایت کے لیئے وہ اصول تبلیغ کے جن کا میں اوپر ذکر کر آیا ہوں ہم سب کے لیئے

آئینہ حق نما ہیں

یہاں تک میں نے ان احکام کی تشریح کی جن میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خطاب تھا اور میں نے بتایا کہ دراصل ان، احکام کے لیئے ہر مسلمان پر لازم ہے کہ تعمیل کرے اب میں ان احکام قرآنی کو بیان کرتا ہوں جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اطاعت وغیرہ کے متعلق دیئے گئے ہیں۔

(۱) دعوت النبی کو عملاً قبول کرو اور اس کے فیصلہ کی تعمیل کرو۔

ان احکام کے سلسلہ میں سب سے پہلے میں یہ بیان کرتا ہوں کہ جب اللہ تعالیٰ

کا رسول بلائے تو اس دعوت کو عملاً قبول کرو۔

(۱) سورۃ نور پارہ ۱۸ رکوع ۷ آیۃ ۵۲

اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

مومنوں کو جب اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاوے تو ان کا جواب یہی ہوتا ہے کہ ہم نے سن لیا اور ہم اطاعت کرتے ہیں (یعنے اسکی تعمیل کریں گے) یہی وہ مومن ہیں جو کامیاب ہوں گے۔

نوٹ:۔ اس آیت میں کامیابی کا ایک اصل بتایا ہے کہ مومن اللہ اور اس کے رسول کی دعوت اور فیصلہ پر توجہ کرتے اور عمل کرتے ہیں وہی کامیاب ہوں گے۔

اس سے اوپر کی آیات میں منافقوں کی عملی حالت کا ذکر کیا ہے کہ وہ رسول کے ذریعہ آنے والے حکم کو خفیف سمجھتے ہیں۔ پس مومن اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتا ہے اس کی تائید میں دوسری جگہ فرمایا۔

(۲) سورۃ النساء پارہ پنجم رکوع ۹ آیۃ ۶۶

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَھُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝

پس دیا دو رکھو) اور تیرا رب گواہ ہے (اسکی قسم ہے) کہ یہ لوگ کبھی مومن نہیں ہوسکتے جب تک اپنے تمام نزاعوں میں آپ کو حکم نہ بنائیں اور پھر اتنا ہی نہیں جو فیصلہ آپ کریں اس کے متعلق ان کے دلوں میں تنگی نہ ہو۔ اور پوری، فرمانبرداری کریں۔ جو مان لینے کا حق ہے

نوٹ:۔ یہاں بھی پہلی آیات میں منافقین کے اعمال کا ذکر کیا ہے۔ اور مومنون کے عملی امتیاز کو واضح کیا ہے اس میں پہلا حکم یہ ہے کہ مومن ہر متنازعامر میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم ٹھہراتا ہے اور پھر ان کے فیصلہ کو خوشی اور بشاشت سے قبول کرتا ہے اور اسکی تعمیل میں کامل فرمانبرداری کا نمونہ پیش کرتا ہے۔

سورۃ الانفال رکوع ۳ آیۃ ۲۵

دعوت رسول کا عملی جواب زندگی بخش ہے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ○

مومنو! اللہ اور اس کے رسول کی دعوت (پکار) کا جواب دو جبکہ وہ تمہیں پکارتا ہے۔ (اس قبول دعوت کا نتیجہ یہ ہے کہ) وہ تمہیں ایک زندگی عطا کریگا اور جان لو کہ اللہ تعالےٰ انسان اور اس کے دل کے درمیان حایل ہو جاتا ہے اور جان لو کہ آخر کار اسی کے حضور تم جمع کئے جاؤ گے۔

تشریحی نوٹ اس آیۃ میں قرآن کریم نے فلسفہ حیات کے بنیادی حکم کو بتایا

ہے اور وہ ہے اللہ اور اس کے رسول کی دعوت کو قبول کرنا اور اس کا عملی جواب دینا۔ گویا دعوت تجدید حیات کا پیغام ہے اور تاریخ شہادت دیتی ہے کہ اس دعوت کو قبول کرنے والی قوم کو جو مردہ تھی۔ کس طرح پھر زندہ کر دیا گیا۔

دوسرے عدم جواب دعوت کے نتیجہ سے آگاہ کیا کہ جب کوئی اس دعوت کو رد کر دیتا ہے تو پھر اسے نیکی کی توفیق نہیں ملتی۔ دعوت کے عملی جواب کے ساتھ اس امر کا بیان کہ اللہ تعالےٰ حائل ہو جاتا ہے بھی تعلق رکھتا ہے یہ گویا دعوت رسول کو قبول کرنے کے نتائج بتائے ہیں کہ اس دعوت کو قبول کرنے سے اللہ تعالےٰ انسان کے قلب کے قریب ہو جاتا ہے۔ بلکہ اسے اپنا عرش قرار دیتا ہے دوسرے تم کو یہ یاد رکھنا چاہئے کہ آخر اسی کے حضور جانا ہے۔

(۳) مومن بالرسول کے فرائض

میں اس باب میں جہاں رسول کا لفظ استعمال کرتا ہوں اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی مراد ہیں۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق مومنوں کے کیا فرائض ہیں۔ ان پر غور کرو۔

الف:۔ سورۃ الفتح پارہ ۲۶ آیۃ ۸ و ۹

إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ۙ لِتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ ۚ وَتُسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ۝

ترجمہ:- ہم نے آپ کو شاہد ۔ مبشر اور نذیر کر کے بھیجا ہے تاکہ تم اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اسکی مدد کرو اور اس کا ادب کرو ۔ اور صبح شام اسکی تسبیح کرو

تشریحی نوٹ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء شاہد ۔ مبشر ۔ نذیر وغیرہ پر تفصیلی بحث قرآن کریم ہی کی روشنی میں رحمۃ للعالمین حصہ اول میں کر چکا ہوں اور میں اس کے پڑھنے کیطرف توجہ دلاتا ہوں ۔

یہاں مجھے ان احکام کی طرف توجہ دلانا ہے جن پر ہمیں نے نمبر دیئے ہیں ۔ پہلے یہ سمجھ لو کہ آیت کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء شاہد مبشر نذیر کا ذکر کیا اور اس کے بعد معاً حکم دیا کہ تم ایمان لاؤ وغیرہ ۔ اس میں ایک لطیف ربط ہے بتانا یہ مقصود ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان اسماء صفاتی سے فیض یاب ہونے کے لئے تین باتوں کی ضرورت ہے ۔

(۱) ایمان لاؤ (۲) اسکی مدد کرو (۳) اس کا ادب کرو (۴) صبح و شام تسبیح کرو ۔ اگر ان اعمال اربعہ پر عمل کرو گے تو ان ثمرات سے بہرہ اندوز ہوگے اگر عمل نہ کرو گے تو توفیق چھن جائے گی ۔

تسبحوہ سے کیا مراد ہے عام طور پر کہا جاتا ہے کہ یہ ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرو ۔ اور قرآن کریم کے دوسرے مقامات پر تسبیح کے اوقات میں اسی طرح فرمایا گیا ہے مگر مجھے جو فہم عطا ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ اس ضمیر کا مرجع بھی وہی ہے ۔ جو تعزروہ

ولتوقروہ کا ہے یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت نبی کریم کی تسبیح یہ ہے کہ آپ کے خلاف جو اعتراض
مخالفوں کی طرف سے کئے جاتے ہیں ان کے دور کرنے میں لگے رہو
اپنے عمل سے اپنے اندر طہارت نفس پیدا کر کے آپ کی قوت قدسی کا
ثبوت دو جیسے صحابہ نے دیا اور جو اعتراض کئے جاتے ہیں ان کا جواب
دو اس لئے کہ تعزروہ و توقروہ کی عملی تکمیل اس طرح پر ہوتی ہے
اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اللہ تعالے کی اطاعت ہے
اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تسبیح یعنے آپ کے خلاف اعتراضات
کا جواب یہ بھی درحقیقت اللہ تعالے ہی کی تسبیح ہے۔

اور میں نے اس کا انکار کیا ہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح
(نعوذ باللہ) نہ کرو۔ اصل تسبیح تو اسی کی ہے اور کتاب الایمان کے ضمن میں
اس پر ایک مستقل عنوان میں نے خود لکھا ہے۔

(۴) آپ کی اطاع محبوب الٰہی بناتی ہے

جس طرح پر آپ کی دعوت کا عملی جواب حیات
بخش ہے۔ آپ کی کامل اتباع اللہ تعالیٰ
کا محبوب بنا دیتی ہے (سورۃ آل عمران پارہ ۳ رکوع شروع کی آیت

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ
وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۳۱
قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ
لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ۳۲

ترجمہ:۔ اے نبی کہدو کہ اگر تم اللہ تعالےٰ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو۔ اللہ تعالےٰ تم سے محبت کریگا۔ اور تمہارے گناہوں کو معاف کرے گا۔ اور اللہ غفور الرحیم ہے۔ ۳۱۔

اے نبی کہدو کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ اور اگر وہ پھر جائیں تو یاد رکھیں اللہ تعالےٰ کافروں کو دوست نہیں رکھتا۔

تشریحی نوٹ ان دونوں آیات میں اللہ تعالےٰ کے محبوب بن جانے کا گر بتایا اور اس پر عمل کرنے سے انسان کے اندر گناہ سوز فطرت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کے نفس کا تزکیہ ایسا ہو جاتا ہے کہ گناہ سرزد نہیں ہوتا۔ اور یہ ایک حقیقت ہے گناہ سے نفرت ہی تو اللہ تعالیٰ کی محبت کو پیدا کرتی ہے۔ اور یہ کیفیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اتباع سے حاصل ہوتی ہے۔

آپ کا انکار اللہ تعالےٰ سے دور ڈال دیتاہے اور آپکی اتباع اللہ تعالےٰ سے محبت کا ذریعہ ہے اور صاف بتا دیا کہ جو لوگ اعراض کرتے ہیں اور اتباع رسول نہیں کرتے

اللہ تعالیٰ ان سے محبت نہیں کرتا

گویا حضور کا انکار اور اللہ تعالےٰ کی محبت ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتے

حضرت نبی کریم صلعم کی کامل اتباع کرو

قرآن کریم حضور کی کامل اتباع کو بطور کلام کلی اس طرح پر پیش کرتا ہے

پارہ ۲۸ سورۃ حشر رکوع اول آیۃ ۸

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ج

اور جو کچھ رسول تم کو دیتا ہے وہ لے لو اور جس سے منع کرتا ہے۔ اس سے رک جاؤ۔

اگرچہ یہ آیت تقسیم مال غنیمت کے ضمن میں ہے مگر وہ اپنے اندر حکم عمومیت رکھتی ہے اور اتاکم کا مفہوم یہ ہے کہ جن امور کے کرنے کا حکم دیتا ہے ان پر عمل کرو۔ فخذوہ کے معنوں میں یہ حقیقت داخل ہے جیسے خذ الکتب بقوۃ کے یہ معنے نہیں کہ اسے مضبوطی سے پکڑے رکھو بلکہ عمل کرنا مراد ہے اور آیت کا دوسرا حصہ کہ جس سے منع کرتا ہے۔ رک جاؤ بھی اسکی تائید کرتا ہے۔

کسی ایسے مشورہ میں شریک نہ ہو جو معصیت رسول کا ہو

اللہ تعالٰی کسی ایسے مشورہ میں شریک ہونے کی اجازت نہیں دیتا جو معصیت الرسول کا رنگ رکھتا ہو۔

سورۃ مجادلہ پارہ ۲۸ آیۃ ۹

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ط وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْۤ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ٥

مومنو! جب تم الگ ہو کر بات چیت کرو تو ایسے امور کی نہ کرو جو گناہ عداوت اور رسول کی نافرمانی کا نتیجہ پیدا کرے (تمہاری بات چیت اس

رنگ میں ہو، جو نیکی اور تقوے کے متعلق ہو۔ اور تقویٰ اللہ اختیار کرو جس کے حضور جمع ہونا ہے۔

نوٹ:۔ اسلام مخفی کمیٹیوں اور مشوروں کا مخالف ہے۔ ہاں نیکی اور تقوے کے متعلق کوئی مشورہ علیحدگی میں کیا جاوے تو اس کی اجازت ہے یہ آیت اپنے اندر ایک پیشگوئی کا رنگ بھی رکھتی ہے اور اسلام ہر زمانہ میں مخفی سوسائٹیوں کے قیام سے روکتا ہے۔ اس آیت میں تین باتوں سے منع کیا ہے۔ یعنے تین احکام منفی کا رنگ رکھتے ہیں۔

اثم۔ عدوان۔ اور معصیت الرسول پر الگ ہو کر بات چیت نہ کرو۔ اور اس کے مقابل دو جامع امور کے متعلق حکم (امر) دیا گیا ہے وہ ہیں۔

(۱) البر (۲) التقوی

قرآن کریم نے البر کی تعریف سورۃ بقرہ پارہ دوم رکوع ۲۲ آیت ۱۷۷ میں کی ہے۔

بڑی نیکی (البر) یہ نہیں کہ تم اپنے موہنوں کو مشرق یا مغرب کی طرف کرو لیکن اصل بر تو یہ ہے کہ اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان ہو اور ملائکہ اور اللہ کی کتابوں اور نبیوں پر ایمان ہو اور اللہ کی محبت کے لئے اقارب۔ یتامیٰ۔ مساکین اور مسافروں اور سائلین اور غلاموں کو آزاد کرنے پر مال خرچ کرو۔ اور نمازوں کے قیام اور

زکوٰۃ کی ادائیگی اور جب عہد کئے جاویں تو انکو پورا کیا جاوے اور ہر قسم کی تنگی اور تکلیف میں صبر کرنے والے ہوں اور مقابلہ کے وقت ثابت قدم رہیں یہ وہ لوگ ہیں جو صادق ہیں اور متقی ہیں۔

اب صاف سمجھ میں آجاتا ہے کہ اس آیۃ میں بیان کردہ اوامر اور نواہی کا کیا مقصد ہے۔ تمام اخلاقی اور روحانی فضائل کو جمع کر دیا ہے اور ہر قسم کے رزائل سے بچنے کی تاکید ہے۔ اور اس البر کے حصول کا ذریعہ پارہ ۴ کی پہلی آیت میں بتایا کہ

تم اس حقیقی نیکی (البر) کو حاصل کر ہی نہیں سکتے جب تک تم میں قربانی اور ایثار کی وہ روح نہ پیدا ہو جاوے کہ تم اپنی محبوب ترین چیز کو اس راہ میں خرچ نہ کرو۔

(۲۸) درود شریف کا بھیجنا

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جو احکام قرآن کریم نے دیئے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ آپ پر صلوٰۃ (درود) بھیجا جاوے۔ چنانچہ قرآن مجید فرماتا ہے

سورۃ الاحزاب پارہ ۲۲ رکوع ۸ آیۃ ۵۷

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ○

ترجمہ بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اس نبی پر درود بھیجتے ہیں۔ اے مومنو! تم بھی اس پر درود بھیجا کرو اور اس پر سلام بھیجا کرو جو اس کا حق ہے۔

تشریحی نوٹ یہ بڑا اہم بالشان حکم ہے۔ اور ہر قسم کی برکات کے حصول کا ذریعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں کے درود بھیجنے کا کیا طریق یا کیا مفہوم ہے قرآن مجید نے خود اس کو بیان کیا ہے اسی سورۃ الاحزاب کی آیت ۴۳ میں فرماتا ہے۔

هُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْکُمْ وَمَلٰٓئِکَتُهٗ لِیُخْرِجَکُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ؕ وَکَانَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَحِیْمًا ○

وہی ہے جو آپ اور اس کے فرشتے تم پر درود بھیجتے ہیں (اس طرح پر اس کا ظہور ہوتا ہے کہ) تمہیں ہر قسم کے ظلمات سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے اور وہ مومنوں پر رحم کرنے والا ہے۔

اس آیت سے پہلی آیت میں ذکر اللہ اور تسبیح کا حکم دیا گیا ہے یہ اس ذکر اور تسبیح کا نتیجہ ہے۔ اور یہاں مومنوں کو حکم دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں۔ تم بھی درود بھیجا کرو۔

اور جس طرح پر تسبیح و تحمید یا استعاذہ کے الفاظ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتائے اسی طرح پر درود شریف کے الفاظ بتائے جو نماز میں پڑھا جاتا ہے۔

درود شریف اور اس کے برکات کی تشریح بجائے خود ایک ایسا لذیذ موضوع ہے کہ اس پر مستقل کتاب لکھی جا سکتی ہے تمام روحانی ترقیات اور ہر قسم کی برکات کے لئے ایک اکسیر ہے

نازل کرے اور اس کو تمام عالم کے لئے سرچشمہ برکتوں کا بنا دے اور اس کی شان و شوکت اِس عالم اور اُس عالم میں کرے۔
یہ دعا حضورتام سے ہونی چاہئے جیسے کوئی اپنی مصیبت کے وقت حضورتام سے دعا کرتا ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ تضرع اور التجا کی جائے اور کچھ اپنا حصہ نہیں رکھنا چاہئے کہ اس مجھ کو یہ ثواب ہوگا یا یہ درجہ ملے گا۔ بلکہ خالص یہی مقصود چاہئے کہ برکات کاملہ الٰہیہ حضرت رسول مقبولؐ پر نازل ہوں اور اس کا جلال دنیا اور آخرت میں چمکے اور اسی مطلب پر انعقاد ہمت ہونا چاہئے اور دن رات دوام توجہ چاہئے۔ یہاں تک کہ کوئی مراد اپنے دل میں اس سے زیادہ نہ ہو۔
پس جب اس طور پر جب یہ درود شریف پڑھا گیا تو وہ رسم اور عادت سے باہر ہے۔ اور بلاشبہ اس کے عجیب انوار ثابت ہوں گے۔
اور حضورتام کی ایک یہ بھی نشانی ہے کہ اکثر اوقات گریہ دلکا ساتھ شامل ہو۔ اور یہاں تک یہ توجہ رگ و ریشہ میں تاثیر کرے کہ خواب اور بیداری یکساں ہو جائے۔ (ماخوذ از مکتوب حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام مورخہ ۵ اپریل ۱۸۸۳ء مطابق ۲۷ جمادی الثانی ۱۳۰۰ھ منقول از الحکم جلد دوم صفحہ ۲۶ و ۲۷
(مکتوبات احمدیہ جلد اول صفحہ ۱۲)

آداب النبیؐ

اب میں کچھ ایسے احکام لکھتا ہوں جو کہ نہ آداب النبی کا رنگ رکھتے ہیں۔ سورۃ الحجرات پارہ ۲۶ میں سے ن آداب کا ذکر کرتا ہوں۔ میں صرف آیات کا ترجمہ نمبر وار دے دوں گا۔

(۱) مومنو! اللہ اور رسول پر تقدم نہ کرو تقویٰ اللہ اختیار کرو۔ اللہ سمیع اور علیم ہے (آیۃ نمبر ۱)

تقدم سے یہ مراد ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کے احکام کے خلاف اقدام نہ کرو۔ یعنی کامل اطاعت کرو۔ اور یہ بھی اس میں داخل ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کلام پر سبقت نہ کرو۔ چونکہ اب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تو اس جسم کیساتھ ہم میں موجود نہیں اسلئے کتاب وسنت کے خلاف زبان مت کھولو طریق تمہیں تقویٰ اللہ پر قائم کر دیگا۔

(۲) حضرت نبی کریم کی آواز پر اپنی آواز کو بلند نہ کرو۔ اور باتوں میں بلند آواز سے یا جہر کلام نہ کرو۔ جیسے کہ تم میں سے بعض سے کلام کرتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہارے اعمال بیکار ہو جائیں گے۔ اور تمہیں معلوم بھی نہ ہوگا۔

اس آیت میں طریق کلام کی ہدایت دی اور آداب سکھائے ہیں گویا وقار اور متانت سے کلام کرتے وقت فہم اور تحقل رہتے ہیں۔

(۳) بیوت النبی میں داخل نہ ہو۔ ہاں اگر دعوت طعام دے مگر اس کے پکنے کے انتظار کرنے والے نہ ہو۔ لیکن جب تم کو بلایا جاوے تو تم داخل ہو۔ اور جب کھانا کھا چکو تو چلے جاؤ اور باتوں میں نہ لگ جاؤ (سورۃ احزاب رکوع ۷ آیت ۵۳)

نوٹ :۔ بظاہر یہ آیت آداب النبی ہے مگر اس آداب میں، دعوت طعام داخل ہیں۔

(۴) ایک ادب اور حکم یہ ہے کہ مومنو! تم ان لوگوں کی طرح مت ہو جنہوں نے موسیٰؑ کو ایذا دی۔ پس اللہ نے اس سے موسیٰؑ کو بری ٹھیرایا جو وہ کہتے تھے۔ اور موسیٰؑ اللہ کے حضور وجیہ تھے۔ (سورۃ احزاب رکوع ۹ آیت ۶۹)

نوٹ :۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ایذادہی کے متعلق تفصیلات میں جانے کی ضرورت نہیں۔ حضرت موسیٰؑ کی ایذادہی کو حقایق کی روشنی میں دیکھنے کی ضرورت ہے۔ مثلاً بنی اسرائیل میں کامل فرمانبرداری کی روح کمزور تھی اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالےٰ کے ایک اولوالعزم نبی کو اس سے کسقدر تکلیف ہو سکتی ہے۔ انہوں نے کہدیا۔

فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ ○

(سورۃ المایدہ پارہ ۶ رکوع ۴ آیتہ ۲۵)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت میں گوسالہ پرستی وغیرہ بنی اسرائیل کی اخلاقی کمزوریوں کا تفصیلی ذکر قرآن کریم میں ہے۔ تو ان تمام کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ موسیٰؑ کی طرح ایذا نہ دو۔ میں نے بطور کلام کلی کے یہ نکتہ بتا دیا ہے۔ اور مجھے اللہ تعالےٰ نے

اپنے تفضل سے اسکی طرف رہنمائی کی ہے۔ میں دوسرے کسی ایسے مفہوم کا انکار نہیں کرتا جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان جلال وجمال کا مظہر ہو۔

میرے ان معنوں کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے صحابہ نے عرض کیا ہم ایسا نکریں گے جو اصحاب موسیٰ ؑ نے کہا تھا ہم آپ کے دائیں بائیں یعنے آپکی حفاظت کے لئے ہر طرح پر دشمن کا مقابلہ کرینگے وہ بہت سے سوالات حضرت موسیٰ سے کرتے تھے قرآن مجید نے اسکی شناعت کی اور فرمایا۔ سورۃ بقرہ پارہ اول رکوع ۱۳ آیۃ ۱۰۹

أَمْ تُرِيدُونَ أَن تَسْأَلُوا رَسُولَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوسَىٰ مِن قَبْلُ ۗ وَمَن يَتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ۝

کیا تم چاہتے ہو کہ اپنے رسول سے اسی طرح سوال کرو جیسے پہلے موسیٰ علیہ السلام سے کئے گئے (یاد رکھو) جو کوئی ایمان کو کفر سے تبدیل کرتا ہے۔ وہ یقیناً سیدھے راستہ سے بھٹک گیا ہے۔

اس حقیقت کا اظہار ان آداب النبی میں ہوتا ہے جو اوپر لکھ آیا ہوں۔

(۶) حفاظت اعمال صالحہ کے لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اطاعت ضروری ہے اگر اعمال صالحہ جو بظاہر صالحہ کہلاتے ہیں لیکن اگر وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ کے موافق نہ ہوں۔ تو وہ

باطل ہو جاتے ہیں چنانچہ فرمایا۔ سورۃ محمدؐ پارہ ۲۶ رکوع ۴ (آخری) آیۃ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ ○

مومنو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو ضائع نہ کرو

نوٹ۔ قرآن مجید کے دوسرے مقامات میں اور میں اس کتاب میں بھی تصریح کر آیا ہوں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور اسوہ حسنہ مبعوث فرمایا ہے اور آپ ہی کی کامل اتباع محبوب الٰہی بنا سکتی ہے اس آیۃ میں حبط اعمال سے محفوظ رہنے کا طریق بتایا ہے کہ تمہارے اعمال میں اخلاص اور صواب ہو۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کے موافق اور حضرت نبی کریم کے عمل کے موافق اگر یہ دونوں باتیں نہ ہوں تو اعمال ضائع ہو جاتے ہیں اسی باب میں میں نے اوپر سورۃ الحجرات کی آیت لا ترفعوا اصواتکم کو آداب النبی نمبر۲ میں ذکر کیا ہے۔ اور وہاں حبط اعمال کی حقیقت بیان کی ہے گویا وہ آیۃ اس آیۃ کی تفسیر کرتی ہے۔

اسی سورۃ الحجرات کے آخری رکوع کی یہ آیۃ

وَإِنْ تُطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَا يَلِتْكُمْ مِنْ أَعْمَالِكُمْ شَيْئًا ؕ

یعنی اگر تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو تو تمہارے اعمال سے کچھ بھی کم کر کے نہ دے گا

یہ دوسری تفسیر ہے حبط اعمال سے حفاظت کے طریق کی جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ہے

ور قرآن مجید صراحتاً فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی ایک ہی صورت ہے کہ اس کے رسول کی اطاعت کی جاوے چنانچہ فرمایا

سورۃ النساء پارہ (۵) رکوع ۱۱ آیۃ ۸۱

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ؕ

جو شخص رسول کی اطاعت کرتا ہے وہی اللہ کی اطاعت یقیناً کرتا ہے

اطاعت رسول کے ثمرات

پھر قرآن کریم اطاعت الرسول کے ثمرات کا بھی تفصیل سے ذکر کرتا ہے اور وہ ثمرات دنیا اور آخرت کی فلاح ور قرب الٰہی کا رنگ رکھتے ہیں۔ اس خصوص میں ایک دو آیات پیش روں گا۔ چنانچہ فرمایا سورۃ النساء پارہ ۴ رکوع ۲ آیۃ ۱۴

(۱) تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝

یہ اللہ کی مقرر کردہ حدود ہیں اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا ہے۔ اسے باغات میں داخل کرے گا۔ جنکے نیچے سے نہریں جاری ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ فوز عظیم ہے۔

(۲) اسی سورۃ النساء رکوع ۹ آیۃ ۷۰ میں فرمایا

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ۝

اس آیت میں بتایا کہ رسول اللہ صلعم کی کامل اطاعت کے ثمرات میں انسان منعم علیہ گروہ کے برکات اور ثمرات کو حاصل کرتا ہے۔ اسی طرح پر قرآن کریم کے متعدد مقامات پر ان ثمرات اطاعت کا ذکر ہے۔

ایک ضروری یاددہانی

ان تمام امور اور احکام کی تفصیلی بحث میری کتاب الزکوٰۃ میں آچکی ہے۔ اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق احکامات کی تفصیل کتاب رحمتہ للعالمین ہی کتاب میری میں دیکھی ہے جسمیں حضور کی سیرۃ قرآن کریم کی روشنی میں لکھی گئی ہے اس لئے میں ان کتابوں کے پڑھنے کی طرف رہنمائی کرتا ہوں۔ یہاں ان مضامین کا تکرار اس کتاب کی ضخامت کو بلا وجہ بڑھا دے گا۔

علاوہ بریں دوسرے احکام قرآنی جو مثلاً عبادات۔ معاملات معاشرہ اور بین الاقوامی تعلقات وغیرہ کے ضمن میں آئیں گے انہیں بھی جستہ جستہ بحث آئیگی۔ اس لئے اس سلسلہ احکام کو جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اطاعت کے مختلف شعبوں کے متعلق ہیں یہاں ختم کردیتا ہوں اور ایمان بالکتب اور ایمان بالملائکہ پر بھی بہت مختصر بحث کروں گا اس لئے کہ قرآن کریم کے متعلق اسماء القرآن۔ البیان فی الصلوٰۃ اور عبادات کے متعلق تفصیلات کتاب الصیام، کتاب الزکوٰۃ میں آچکی ہیں اس لئے یہاں بحث نہ کروں گا۔

(۳) ایمان بالکتب (کتاب اللہ پر ایمان)

کتاب اللہ پر ایمان

جیسا کہ ایمان لانے کے حکم قرآنی کے ذیل میں بیان کیا گیا ہے کتاب اللہ پر ایمان لانا ضروری ہے قرآن مجید نے کہیں تو انبیاء علیہم السلام پر ایمان کے ساتھ یہ کہکر حکم دیا ہے وکتبہ یعنے ان کتابوں پر جو اللہ تعالےٰ نے نازل فرمائیں اور کہیں ان کتابوں کی تعبیر ما انزال سے فرمائی اس لئے کہ لکھی لکھائی کتاب تو آسمان سے نازل نہیں ہوتی بلکہ اللہ تعالےٰ کی وحی اس کے نبیوں پر نازل ہوتی ہے جسکی مختلف صورتیں ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی کتابوں پر ایمان سے مراد اس وحی پر ایمان ہے جو انبیاء علیہم السلام پر ہوتی ہے اور اسکی تشریح میں سورۃ بقرہ کی آیۃ ۱۳۶ کے ذریعہ کر دیا ہوں۔

قرآن مجید نے اس امر کو تکمیل ایمان میں داخل کیا ہے۔ چنانچہ سورۃ بقرہ کے پہلے ہی رکوع میں فرمایا

یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ۔

یعنی مومن اس وحی پر جو آپ پر نازل ہوئی ہے اور جو آپ سے قبل دوسرے انبیاء پر نازل ہوئی ایمان لاتے ہیں

اس میں دراصل اس حقیقت کو بیان کرتا ہے کہ اللہ تعالےٰ ہمیشہ سے اپنے نبیوں سے کلام کرتا رہا ہے چونکہ اب جامع اور قیم وحی قرآن کریم ہی کی ہے اس پر ایمان لانا اور عمل کرنا ضروری ہے۔ اس لئے میں اسی کے متعلق بعض ضروری آداب اور احکام کا ذکر کر دوں گا۔

یاد رہے کہ میں نے قرآن مجید کے متعلق اس سے پہلے تین کتابیں شائع کی ہیں۔ اور انہیں قرآن مجید کے متعلق احکام بھی تفصیل سے بیان کرچکا ہوں۔ اس لئے یہاں صرف مختصر ذکر کروں گا۔

لاریب فیہ

(۱) پہلی بات جو اس ایمان کے لئے ضروری ہے یہ ہے کہ اسکو ہر قسم کے شک وشبہ سے بالاتر یقین کیا جاوے اور شک وشبہ سے مراد یہ ہے کہ اسکی تعلیمات وہدایات مستحکم حقائق ہیں اور ہر رنگ میں وہ مفید مطلب اور بابرکت ہیں اس کے لئے اللہ تعالےٰ نے فرمایا ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ میں نے اس آیتہ کے ترجمہ میں وہ سب مفہوم درج کر دئیے ہیں جو لاریب فیہ کی حقیقت کو ظاہر کرتے ہیں۔ اور اسکی پوری تفصیل اسماء القرآن فی القرآن میں ملے گی۔

دوسری خصوصیت

انبیاء علیہم السلام کی صحایف پر اجمالی ایمان کے بعد قرآن کریم پر جو ایمان رکھا جاوے وہ یہ ہے کہ وہ تمام کتب سماویہ کی صحیح اور حقیقی ہدایات کو نہ صرف اپنے اندر رکھتا ہے بلکہ وہ ان تعلیمات اور ہدایات کی تکمیل بھی کرتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید فرماتا ہے سورۃ البینہ پارہ ۳۰ آیتہ (۲) رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۙ فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ۙ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول جو پاک صحیفے پڑھتا ہے۔ اور اس میں مضبوط کتابیں ہیں۔

قرآن کریم صحیفہ مطہر ہے

یہاں قرآن کریم کو مجموعہ صحایف بھی فرمایا ہے اور صحیفہ مطہر قرار دیا ہے دوسری جگہ اسی پارہ ۳۰ سورۃ عبس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

فِیۡ صُحُفٍ مُّکَرَّمَۃٍ ۙ﴿۱۳﴾ مَّرۡفُوۡعَۃٍ مُّطَہَّرَۃٍ ﴿ۙ۱۴﴾

قرآن کریم ایسے صحیفوں میں ہے جو عزت والے ہیں انکی شان بلند ہے۔ اور وہ
مطہر ہیں۔ مجھے ان آیات پر تفسیری نوٹ نہیں لکھنا ہے۔ بلکہ اس امر کو
بیان کرنا ہے کہ قرآن مجید کے متعلق جو ہمارا ایمان ہو وہ کس قسم کا ہو۔ ان
دونوں مقامات کو یکجائی نظر سے دیکھنے پر مندرجہ ذیل امور معلوم ہوتے ہیں

اول :۔ وہ مجموعہ صحائف ہے دوم وہ مکرم ہے سوم اسکی
شان بلند ہے چہارم مطہر ہے۔ ان الفاظ میں قرآن کریم کی جو تعریف
کی گئی ہے۔ اس میں اصل راز یہ ہے کہ قرآن کریم میں یہ تاثیر اور قوت
ہے کہ اسکی تعلیم پر حقیقی عمل کرنے والوں کو معزز اور مکرم بنا دیتا
ہے اور انکے مراتب میں رفعت پیدا کر دیتا ہے اور ہر قسم کی نجاستوں
سے پاک کر دیتا ہے۔

چنانچہ قرآن مجید کی تعلیم ہر قسم کی نجاست سے پاک کرتی ہے میں نے
قرآن مجید اور مسئلہ طہارت پر کتاب الآداب میں تفصیل سے بحث
کی ہے یہاں اسی قدر بیان کرتا ہوں کہ قرآن مجید جسمانی اخلاقی روحانی
ہر قسم کی نجاستوں سے پاک کرنے کے اصول پیش کرتا ہے۔ پس قرآن مجید
کے صحیفہ مطہر ہونے کا مفہوم یہی ہے کہ اسکی تعلیم انسانی تطہیر اور تزکیہ
نفس کا ذریعہ ہے۔ اور تیسری بات یہ کہ اس میں جو ہدایات اور تعلیمات
دی گئی ہیں۔ وہ ہر رنگ میں قیم ہیں یعنی ان میں کسی قسم کی کمی نہیں چنانچہ
قرآن کریم میں دوسری جگہ صاف آیا ہے۔ لم یجعل لہ عوجا (سورہ کہف پارہ ۱۵)

قیّم لغت میں کام کو نبھانے والے (متولی) اچھے اخلاق اور

قیھا کتب قیمہ

ایسے مذہب کو جس میں کجی نہ ہو اور دائم رہنے والے اور دنیا و آخرت کے امور کو درست کرنے والے کو کہتے ہیں۔ لغت کے ان تمام مفہوم کے لحاظ سے قرآن کریم کی رفعت شان کا پتہ چلتا ہے۔ قرآن کریم بہ حیثیت متولی کے دوسری کتب اور انبیاء علیہم السلام کے متعلق ہر قسم کے غلط الزامات کو دور کرتا ہے اور انسانی تربیت کے لئے خواہ وہ انسان کی زندگی کے کسی شعبہ کے متعلق ہو کامل تربیت کا ذمہ دار ہے۔ اور قرآن کریم کی اخلاقی تعلیم ایسی کامل ہے کہ وہ انسان کی تمام قوتوں اور جذبات کے تقاضوں کو اخلاق کے صحیح سانچے میں ڈھال دیتا ہے اور اس پر عمل انسان کی دنیا اور عاقبت کو درست کر دیتا ہے قرآن مجید کی اس صفت کا اظہار دوسری جگہ فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ کہہ کر بھی کیا ہے۔ اور اس کی لائی ہوئی صداقت کو دین القیم فرمایا۔

پھر قیّم کے لغوی معنوں کے لحاظ سے یہ بھی پایا جاتا ہے کہ قرآن کریم کے

ہدایات

احکام جہاں بنی نوع انسان کی ہر قسم کی ضرورتوں کی تکمیل ہدایات کے جامع ہیں وہاں خداداد قوتوں اور استعدادوں کو صحیح راستہ پر لگانے میں مدد دیتے ہیں اور اس میں کسی قسم کی کمی اور خرابی نہیں۔ اور یہ ایک تشریح ہے لاریب فیہ کی پس قرآن مجید پر ایمان لانا تمام صحائف انبیاء پر ایمان لانے کے مترادف ہے جیسے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین یقین کرنا تمام نبوتوں کا اعتراف ہے۔

قرآن کریم پر ایمان لانے کا کیا مطلب ہے

قرآن کریم پر ایمان لانے کا صرف یہ مقصد نہیں کہ ہم نے کہدیا ہم ایمان لائے کہ وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ صحیفہ ہے۔ یہ تو ایک ایسی ہی بات ہے کہ منہ سے کہدیا۔ یہ ایمان۔ عمل بالقرآن کو چاہتا ہے اور عمل کیلئے قرآن کریم کی تلاوت اس کا فہم اور اس پر تدبر ضروری ہیں اس لئے میں ان کے متعلق چند احکام قرآن مجید سے پیش کر دیتا ہوں۔ اگرچہ انکی تفسیر بھی میری تالیف اسماء القرآن میں ملے گی یہاں ان احکام کو میں آداب القرآن کے تحت لکھتا ہوں۔

آداب القرآن

(۱) قرآن کریم کی تلاوت کے آداب میں پہلی بات یہ ہے کہ انسان باوضو اسکی تلاوت کرے یہ افضل ہے۔ جسمانی طہارت اخلاق اور روحانی طہارت کی محرک ہو سکتی ہے۔ قرآن مجید صحیفہ مطہرہ ہے اس لئے مطہر ہو کر ہی تلاوت احسن ہے۔ اور اس ادب کے لئے لا یمسہ الا المطہرون سے بھی استنباط کیا گیا ہے۔

(۲) قرآن مجید کی تلاوت سے پہلے استعاذہ (اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم) سمجھ کر پڑھنا چاہئے اس پر بحث اسی کتاب میں آگے آرہی ہے اس لئے زیادہ نہیں لکھا خود اللہ تعالےٰ نے فرمایا سورۃ النحل پارہ ۱۴ رکوع ۱۳ آیت ۹۸

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝

(۳) جب قرآن مجید کوئی دوسرا پڑھتا ہو تو توجہ سے خاموش ہو کر سنو

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝

اور جب قرآن پڑھا جاوے تو اُسے (توجہ سے) سنو اور خاموش رہو (اس کا نتیجہ یہ ہوگا) کہ تم پر رحم کیا جاوے گا۔

قرآن کریم سے استفادہ کرنیکا طریق

اس آیت سے پہلے آیت نمبر ۲۰۴ میں قرآن کریم کا نام بصائر، ھدیٰ، رحمۃ بیان کیا ہے اور پھر قرآن کریم سے استفادہ کرنیکا طریق بتایا۔

(۱) قرآن کریم کو کامل توجہ سے سنو۔ اس سے یہ مطلب نہیں کہ پڑھنے والے توجہ نہ کریں بلکہ وہ بھی غور و فکر کرتے جاویں۔ اس لئے دوسرے مقامات پر تدبر کے لئے حکم دیا گیا ہے۔ توجہ کامل کرنے کے لئے خاموشی بہترین ذریعہ ہے۔ اس لئے فرمایا کہ سکوت کامل اختیار کرو۔

(۲) قاری کے آداب میں پہلی بات یہ بتائی تھی کہ استعاذہ کرو۔ اور یہاں سامع کے لئے بتایا کہ وہ خاموشی اور کامل توجہ سے سنے قرآن مجید کی تلاوت جب کوئی کر رہا ہو یا درس دے رہا ہو اس وقت سامعین کا فرض ہے کہ وہ کامل خاموشی اور کامل توجہ سے سنیں یہ طریق عمل ان کے لئے موجب رحمت ہوگا اس لئے خدا تعالیٰ نے قرآن کریم کو خود رحمت فرمایا اور جب انسان توجہ سے سنے گا۔ تو اسے عمل کی توفیق ملے گی اور اسکا نتیجہ رحمت الٰہی کے رنگ میں ظاہر ہوگا۔

شور و غل کفار کا کام ہے

قرآن مجید کی تلاوت کے وقت شور و غل کفار کا کام ہے چنانچہ قرآن مجید سورہ حم سجدہ رکوع ۴ آیت ۲۷ میں فرمایا۔

(۳) وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ
وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ۝

اور کافروں نے کہا اس قرآن کو نہ سنو۔ اور اس کے پڑھے جانے کے وقت شور مچاؤ تاکہ تم غالب ہو جاؤ۔

قرآن مجید کو نہ سننا اور شور مچانا یہ کفار کا فعل ہے۔ کفار اس سے غلبہ چاہتے تھے۔ اور غلبہ کا ذریعہ قرار دیتے تھے۔ برخلاف اس کے خدا تعالے نے بتایا کہ تم خاموشی سے سنو یہ تمہارے لئے باعث رحم اور موجب کامیابی ہوگا۔ واقعات نے ثابت کر دیا کہ قرآن مجید کو توجہ سے سننے والے کامیاب اور شور مچانے والے مغلوب ہو گئے۔

(۴) قرآن مجید کو پڑھتے ہوئے دعا کرو۔ رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا
اے میرے رب میرے علم کو بڑھا دے۔

(۵) قرآن کریم کی تلاوت کا مقصد ذکر ہو

(۶) قرآن مجید کسطرح پڑھنا چاہیئے

یہاں یہ بھی بتایا کہ قرآن مجید کسطرح پڑھنا چاہئیے رَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا یعنی قرآن مجید کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھو اس سے یہ مطلب ہے کہ قرآن مجید کی ہر آیت پر غور و فکر کرو تاکہ اسکی حقیقت اور تاثیر سے تم کو حصہ ملے۔ بعض لوگ یہ کرتے ہیں کہ قرآن مجید کی تلاوت کے وقت ان کے مدنظر ختم قرآن ہوتا ہے۔ فہم قرآن نہیں ہوتا جس سے عملی قوت میں تحریک ہوتی ہے تہجد کی نماز میں خصوصیت سے اس پر زور دیا ہے اس سے انسان

کی عملی زندگی میں بیداری اور اثر پیدا ہوتا ہے پھر اسی سورۃ میں جیسا کہ بتایا گیا ہے کہ قرآن کریم میں سے اس قدر پڑھو جس قدر بآسانی پڑھ سکو۔

اگرچہ اسکی وجوہات خود قرآن کریم نے اسی آیت میں بیان کردی ہیں لیکن جب پہلی آیت رَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا سے ملا کر دیکھو اور جس روح کو پیدا کرنے کے لئے ترتیلاً کا حکم دیا گیا ہے تو یہ بھی صاف سمجھ میں آجاتا ہے کہ جب سمجھ سمجھ کر اور ٹھہر ٹھہر کر پڑھا جاویگا تو اسی قدر پڑھا جاویگا جو آسانی سے پڑھا جا سکے۔

اسی سلسلہ میں اس آیت کی طرف بھی توجہ دلاتا ہوں جو سورۃ قیامت پارہ ۲۹ آیۃ ۱۶، ۱۷، ۱۸ میں واقع ہوئی ہے۔ لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ۝ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ۝ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ۝

ترجمہ:۔ اس کے ساتھ اپنی زبان کو مت ہلا (یعنی نزول وحی کے وقت جلدی نہ کر) تاکہ اسے جلدی لے لے۔ اس کا جمع کرنا۔ اور اس کا پڑھنا ہمارے ذمہ ہے۔ یعنی قرآن مجید کی جمع و ترتیب اور تجھے یاد کرانا یہ ہمارا اپنا کام ہے۔ پس جب ہم اسکو پڑھیں تو اس پڑھنے کی پیروی کر۔

(۷) قرآن کریم پر تدبر کرو۔ (سورہ محمدؐ پارہ ۲۶ رکوع ۳ آیۃ ۲۵)

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ۝ تو کیوں قرآن پر تدبر نہیں کرتے کیا ان کے دلوں پر قفل ہیں۔ اسی آیۃ سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم پر تدبر قلوب کے قفل کھولدیتا ہے ایک انشراح اور انبساط پیدا ہوتی ہے۔ اور حقائق و معارف کا رات کھلتا ہے۔

میں نے یہ سات آداب بیان کئے ہیں اس سلسلہ میں بہت

لکھا جا سکتا ہے۔ اسماء القرآن میں اکثر تفصیلات بیان کر دیگئی ،
ہے۔ وللہ الحمد

(۴) ایمان بالملائکۃ

چونکہ ملائکۃ اللہ اور مسئلہ تقدیر پر مفصل بحث حضرت امیر
المومنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز اسی نام کی کتابوں میں کر چکے
ہیں میں ان کے پڑھنے کی طرف ہی توجہ دلاتا ہوں۔

آخری بات

ایمانیات کے متعلق لکھا جا چکا عبادات کے احکام کی تفصیلات
میری تالیفات حقیقت نماز۔ کتاب الصیام۔ کتاب الحج۔ کتاب الزکوٰۃ
میں آچکی ہیں۔ اس لئے اس باب کو یہاں چھوڑ دیا ہے۔

عرفانی الکبیر

اعمال اللسان کے وہ احکام جو قرب الٰہی کا ذریعہ ہیں

اعمال اللسان کے وہ احکام جو قرب الٰہی کا ذریعہ ہیں

اعمال اللسان میں بعض وہ اعمال ہیں جو خود انسان کی اپنی ذات پر موثر ہیں گو نتائج کے لحاظ سے دوسروں پر بھی اثر انداز ہوں۔ اور ایک قسم ان اعمال لسانی کی ہے جو براہ راست دوسروں پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اور نتیجۃً خود اس انسان پر بھی موثر ہوتے ہیں میں اسکی وضاحت ایک مثال سے کرتا ہوں۔ ایک شخص اللہ تعالےٰ کی تسبیح تحمید کرتا ہے اس کا براہ راست اثر اس کی ذات پر ہوگا۔ کہ وہ تقویٰ و طہارت نفس میں ترقی کرے گا۔ لیکن ان نتائج کے لحاظ سے دوسروں پر بھی اثر پڑے گا۔ کہ جس قدر وہ رذائل سے پاک ہوتا جائے گا۔ اور اخلاق فاضلہ سے متصف ہوتا جائے گا۔ دوسروں کو بھی نفع پہنچے گا۔

اور دوسری قسم ان اعمال کی ہے جو براہ راست تو دوسروں پر موثر ہوں گے۔ مگر یہ بھی ان کے ثمرات سے فائدہ اٹھائے گا۔ مثلاً وہ دوسروں کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتا ہے تو اس نیک تحریک کا اجر الدال علی الخیر کفاعلہ کے تحت اسے بھی ملے گا۔ ان اعمال اور ان کے متعلق قرآن کریم کے احکام کو دو حصوں میں تقسیم کروں گا۔

٭ ٭ ٭

حصہ اول

احکام القرآن جو تزکیہ نفس سے متعلق ہیں

تقسیم اعمال لسانی

مندرجہ بالا بیان کے بعد میں اب ان اعمال لسانی کو بیان کرتا ہوں جو طہارت نفس اور تزکیہ قلب کا ذریعہ ہیں اور حقیقت میں یہ اعمال بطور ام الحسنات کے ہیں۔ جو زبان کے ذریعہ ہی نہیں بلکہ دوسرے جوارح کے ذریعہ بھی حاصل ہوتی ہیں ان اعمال لسانی کی تقسیم میرے خیال میں حسب ذیل ہے
(۱) تسبیح۔ تحمید۔ تحلیل۔ تکبیر۔ تعوذ۔ استغفار۔ توبہ
یہ سب ذکر کے ذیل میں بھی آسکتے ہیں مگر میں انکا ذکر الگ کروں گا۔ فی الحال ان ساتوں کے متعلق احکام قرآنی کو بیان کروں گا۔

سات کا عدد کامل ہے

قرآن کریم نے جن اعداد کو کامل قرار دیا ہے ان میں سے سات کا عدد بھی ہے چنانچہ قرآن مجید کی سورۃ الفاتحہ کو جو ام الکتاب بھی کہلاتی ہے سات ہی آیتوں پر مشتمل کیا اور قرآن مجید سورۃ الحجر پارہ ۱۴ آخری رکوع آیت ۸۷ میں فرمایا

وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ۝

اور بے شک ہم نے (بار بار دہرائی گئی) آیات اور قرآن العظیم دیا ہے۔

سبعاً من المثانی سے قرآن کریم کی سورہ فاتحہ مراد ہے اور اس طرح پر سات کے عدد کی تکمیل کا اظہار فرمایا۔ آسمان کے سات طبقات بھی قرآن کریم نے بیان فرمائے۔ میں ایک مثال، پیش کرتا ہوں۔ پارہ ۱۸ سورۃ المومنون رکوع ۵ آیۃ ۸۷

قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ

پوچھو! سات آسمانوں اور عرش عظیم کا رب کون ہے۔

اور دوزخ کے سات دروازوں کا بھی قرآن مجید نے اظہار فرمایا دیکھو پارہ ۱۴ سورۃ الحجر رکوع ۳ آخری آیت۔

لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ ؕ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ ۝

ان کے سات دروازے ہیں اور ہر ایک دروازے کیلئے ان میں سے ایک حصہ الگ کر دیا گیا ہے۔ میں نے دوزخ کے سات دروازوں کی تفسیر اپنی تالیفات میں کی ہے۔ یہاں اس آیۃ کو سات کے عدد کامل کے اظہار کے لئے پیش کیا ہے۔ با این ایک نکتہ معرفت یہاں بھی بیان کر دیتا ہوں۔

میں نے اعمال لسانی میں اوپر سات قسم کے ان اعمال کا ذکر کیا ہے جو انسان کے تزکیہ نفس اور حصول قرب کا ذریعہ ہیں۔ اور ان پر عمل ان ساتوں دروازوں کو بند کر دیتا ہے۔ جو جہنم کے ہیں اور ان دروازوں میں سے ایک دروازہ زبان بھی ہے۔

جیسا کہ میں نے کہا ہے اب ان احکام کا ذکر کیا جائے گا جو [ان]سان کے تزکیہ نفس کا ذریعہ ہیں اور اس طرح پر ان پر عمل اسکو [ا]للہ تعالےٰ کا محبوب اور مقرب بنا دیتے ہیں۔ جس جس قدر وہ ان [ا]عمال میں ترقی کرتا ہے۔ اسی قدر وہ مقام قرب میں ترقی کرتا جاتا ہے اس جگہ ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ

[م]قام قرب کی حقیقت

زمان و مکان کی قیود سے پاک ہے اور قریب و [ب]عید کے الفاظ اس کے لئے بولے نہیں جا سکتے پھر اس مقام قرب [کی] کیا حقیقت ہے؟

یاد رکھنا چاہیئے کہ جن معانی کے اعتبار سے ہم قریب اور بعید [کے] الفاظ بولتے ہیں اللہ تعالےٰ اس مفہوم سے پاک اور منزہ ہے [م]گر اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ اللہ تعالےٰ نے قرآن کریم میں اسکے [م]فہوم کی وسعت کے لحاظ سے قریب کا لفظ اپنی نسبت استعمال فرمایا ہے

چنانچہ فرماتا ہے سورہ ق پارہ ۲۶ رکوع ۲

وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ۝

ہم انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں

اس آیت پر غور کرنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے [اپ]نے قرب کا اظہار اپنے عالم الغیب ہونے کے لحاظ سے کیا ہے چنانچہ [پو]ری آیۃ کا ترجمہ یہ ہے:۔

ہم نے انسان کو پیدا کیا اور ہم ان وسوسوں کو بھی جانتے

ہیں جو اس کا دل اس میں پیدا کرتا ہے اور ہم اس کے شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں گویا اللہ تعالےٰ اپنے کمال علم کا اظہار فرماتا ہے۔ اور اس کمال علم کا ثبوت خود انسان کی تخلیق کو پیش کرتا ہے اس لئے کہ عالم کامل کسی شئے کا اس کے بنانے پر قادر کر دیتا ہے پس یہاں قرب الٰہی کی نوعیت اللہ تعالےٰ کے اس کمال علم کی ہے۔ جو انسان اس کے جذبات اور تاثرات و وسواس کے متعلق ہے اس حقیقت کو قرآن کریم نے مختلف صورتوں میں بیان کیا ہے۔ کبھی فرمایا یعلم السر واخفی وہ نہ صرف ان باتوں کو جانتا ہے۔ جو انسان کے دل میں بطور ایک راز کے موجود ہیں لیکن وہ دوسروں پر ظاہر نہیں کرتا بلکہ وہ اس سے بھی زیادہ سب سے زیادہ مخفی باتوں کو بھی جانتا ہے جن کا علم خود انسان کو بھی نہیں ہے۔

قرآن کریم کی علمی برتری

میں یہاں اس امر کا بیان کر جانا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ یہ آیت اپنے اندر ایک عظیم الشان علم کو لئے ہوئے ہے۔ اور اس سے قرآن کریم کے علمی کمالات اور کلام حق اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت کا ثبوت ملتا ہے۔ آج فلسفہ جذبات کے محققین نے ایک ضمیر تحت شعور کو ثابت کیا ہے اور اس پر انہیں ناز ہے مگر قرآن مجید تو چودہ سو برس پیشتر ایک امی (فداہ ابی وامی) کے ذریعہ اس صداقت کا اعلان کرتا

ہے۔ دوسری جگہ قرآن کریم اسے ماتبدون وما تخفون کہکر بھی ظاہر کرتا ہے۔ غرض یہ قرب علمی قرب ہے۔

قرب کی دوسری قسم

قرآن کریم پارہ ۲۷ سورہ الواقعہ آیۃ ۸۶ میں فرماتا ہے۔

فَلَوْلَا اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ وَاَنْتُمْ حِیْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ۔

یعنی تو کیوں نہیں ہوتا جب روح گلے میں آپہنچتی ہے۔ اور تم اس وقت دیکھ رہے ہوتے ہو اور ہم تمہاری نسبت اس سے قریب تر ہیں لیکن تم نہیں دیکھتے۔

یہ اللہ تعالے کا قرب اس کے تصرف تام اور قدرت تام کے اظہار کے لئے ہے کیونکہ اس سے آگے فرمایا اگر تم پر کسی کا تصرف وقدرت نہیں تو اس جان کو جو گلے تک آپہنچی ہے واپس کیوں نہیں لوٹا سکتے۔

تیسری قسم

قرب الٰہی کی ایک تیسری قسم بھی ہے جس کو معیت کے رنگ میں بیان کیا گیا ہے۔ واللہ معکم اینما کنتم تم جہاں بھی ہو اللہ تمہارے ساتھ ہے۔ اللہ تعالے کی معیت ایک دوسری قدرت ہے جو مومنین پر نصرت اور سکینت کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے اور اس سے ثابت

ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہے۔

اللہ تعالیٰ اس مقام پر اپنے قرب کا ذکر اس حیثیت سے فرماتا ہے جو خود بندہ کو اللہ تعالیٰ کے قریب کر دیتا ہے اور وہ مقرب ہو جاتا ہے جیسا کہ خود قرآن کریم نے سورۃ الواقعہ ہی میں بیان فرمایا کہ سابقین تو آگے بڑھنے ہی والے ہوتے ہیں۔ اور وہی تو مقرب ہیں۔ یہ وہ صورت ہے جب انسان اپنے اعمال صالحہ اور نوافل کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے قرب کے لئے مجاہدہ کرتا ہے تو اسی قدر وہ اللہ تعالیٰ کے قریب ہوتا ہو جاتا ہے اور یہ قرب مقرب بندہ کی عظمت اور عوام کے اظہار کا موجب ہوتا ہے۔

یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھ ہو جاتا ہے۔ اس کے پاؤں اور دیگر جوارح ہو جاتا ہے۔ اس میں بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اخلاق کے رنگ میں وہ رنگین ہو جاتا ہے یا یہ کہ اس کے تمام افعال و اعمال میں اللہ تعالیٰ کے منشا کے خلاف کوئی فعل سرزد نہیں ہوتا اس کے تمام حرکات وسکون پر حکومت الٰہیہ ہوتی ہے۔

مگر یہ یاد رکھنا چاہئے کہ قریب اور بعید دو ایسے الفاظ ہیں جو اپنے اندر ایک نسبتی کیفیت رکھتے ہیں ایک شخص جو مرضات الٰہیہ کی پرواہ نہیں کرتا۔ اور منہیات شرعیہ کا ارتکاب کرتا ہے۔ وہ باوجود اس طبعی قرب کے جن کا ذکر میں اوپر کر دیا ہوں۔ اسی قدر خدا سے دور رہتا ہے۔ جس قدر وہ مبتلائے معصیت ہوتا ہے اور

ض اللہ تعالےٰ کی رضا کی آرزو رکھتا اور اس کے احکام و
مر کا احترام کرتا ہے وہ اسی قدر قرب کے مقام کو حاصل کرتا جا
یہاں تک کہ خود اس کا وجود ایک خدا نما وجود بن جاتا ہے۔
طرح پر ایمان کے متعلق آتا ہے کہ وہ گھٹتا بڑھتا ہے۔ اسیطرح
ب الٰہی کے درجات ہیں قرب الٰہی کے آثار و ثمرات یہ ہیں کہ مقرب
سان کے دل میں اللہ تعالےٰ کی ہستی کا ایک لذیذ ایمان ہوتا
ہے۔ اور وہ گویا خدا تعالےٰ کو دیکھتا ہے اور اس کی صفات کاملہ کا
ل یقین رکھتا ہے۔ اب میں ان سات اعمال کے متعلق احکام اور انکا
وری فلسفہ بیان کرتا ہوں۔ اور بیان کردہ ترتیب کو چھوڑ کر تعوذ سے
شروع کرتا ہوں اس لئے کہ میں احکام القران بیان کرنا چاہتا
ں اور قران کریم کے پڑھنے سے پہلے تعوذ ضروری ہے اس لئے
اسی حکم سے اس حصہ کا آغاز مناسب اور ضروری سمجھتا ہوں

احکام القران متعلق بہ تعوذ

(۱) قران کریم تعوذ کے متعلق اسطرح پر حکم دیتا ہے

پارہ ۱۴ سورۃ النحل آیتہ ۹۸

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰہِ مِنَ
الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○

پس جب تو قران کریم پڑھنے لگے تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگ

(تفسیری نوٹ) اعمال اللسان ہیں میں سب سے پہلا حکم تعوذ کو قرار دیتا ہوں اور اس آیۃ میں جس سے میں یہ استنباط کر رہا ہوں۔ بظاہر قرآن کریم کے پڑھنے کے وقت حکم دیا ہے قرآن کریم تمام صداقتوں کا جامع اور تمام ان امور سے بچنے کی ہدایت فرماتا ہے۔ جو انسان کو قرب الٰہی کے مقام سے دور پھینک دیتے ہیں اس لئے قرآن کریم کے پڑھنے کے وقت اعوذ کا پڑھنا دراصل اس امر کی طرف رہنمائی ہے کہ انسان شیطان رجیم سے یعنی ان تمام تحریکوں سے جو اسے گناہ کی طرف لے جاتی ہیں۔ اللہ تعالےٰ کی پناہ چاہتا ہے۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تعوذ کی وسعت کے پیش نظر اپنے خطبہ میں فرماتے

ونعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیات اعمالنا۔

اور ہم اللہ تعالےٰ کی پناہ چاہتے ہیں اپنے نفس کی، شرارتوں سے اور برے اعمال سے۔

آپ کے اس طرز عمل سے پایا جاتا ہے کہ ہر قسم کے شرور سے اللہ تعالےٰ ہی کی پناہ طلب کرنی چاہیئے۔ ہر قسم کے شرور میں صرف یہی بات داخل نہیں کہ ہم ہر قسم کے برے خیالات یا برے اعمال سے محفوظ رہیں یہ تو ایک سلبی کیفیت ہے۔ جس کو دوسرے الفاظ میں ترک شر کہا جاتا ہے۔ اس طلب پناہ میں یہ بھی امر داخل ہے کہ ایصال خیر

تا کوئی موقعہ ہمارے ہاتھ سے نہ نکل جاوے۔

اس کی صراحت قرآن مجید کی ان دو سورتوں سے ہوتی ہے۔ جو قرآن کریم کے آخر میں معوذتین کے نام سے موسوم ہیں انہیں مختلف قسم کے شرور نفس۔ سیاسی۔ معاشی اور ہر قسم کے شرور سے طلب پناہ کا حکم ہے۔

اس لئے میں احکام تعوّذ کے لئے ان دونوں سورتوں کو بھی اس حکم کے ساتھ شامل کرکے

(۳) قرار دیتا ہوں۔

اس حکم کی تعمیل میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ طریق استعاذہ اپنے عمل سے بتایا

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

اور بعض روایتوں میں اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم آیا ہے اور قرآن کریم بھی اسکی تائید فرماتا ہے چنانچہ سورۃ اعراف پارہ ۹ آخری رکوع آیۃ ۲۰۰ میں فرمایا۔

وَ إِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۚ إِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝

اور اگر ایسا ہو کہ شیطان کی طرف سے کوئی بری بات پہونچے تو اللہ کے حضور پناہ چاہو بیشک وہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

نزغ شیطان سے کیا مراد ہے — نزغ وہ کلام یا طرز کلام ہے جس کے ذریعہ

لوگوں میں فساد پیدا ہو۔ اور اس کے معنوں میں وسعت کرکے ہر ایسا قول یا فعل جو موجب فساد ہو یا ہر ایسی تحریک جو بدی پیدا کرے وہ نزغ ہوگا۔

اس آیت کی حقیقت و مفہوم کو سمجھنے کے لئے اس سے پہلی اور بعد کی آیات کو قرآن مجید میں پڑھو تو معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر اخلاقی زندگی کی مشکلات کا حل اور فوز و فلاح کے اصول نہایت مختصر الفاظ میں بیان کر دئیے ہیں اور اسی سے نزغ الشیطان کی حقیقت معلوم ہو جاتی ہے۔

اخلاقی اصول کا ایک قانون

میں یہاں مختصراً اس کے مفہوم کو بیان کروں گا۔ اللہ تعالیٰ نے منکرین سے خطاب کے لئے تین اصل بیان کئے ہیں۔

اول یہ کہ چونکہ وہ مانتے تو نہیں اور قبول دعوت سے احتراز کرتے ہیں۔ اس رد و انکار میں ان کا طرز عمل اخلاقیات سے گرا ہوا ہوگا۔ اور انکی زبان طریق کلام میں بے اختیار ہوگی پس ایسے موقعہ پر تمہارا طرز عمل کیا ہو۔

خذ العفو وأمر بالمعروف واعرض عن الجاهلين

درگذر کرو (چشم پوشی کرو) اور نیک کام کا حکم دو اور جاہلوں کی طرف توجہ نہ کرو۔

یہ احکام ثلاثہ انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے ان مشکلات کا صحیح حل ہے جو اسے روزمرہ کے واقعات میں پیش آسکتے ہیں اگر ہر شخص اس ہدایت پر کاربند ہو جائے تو دنیا میں امن قایم ہو جاتا ہے۔

استعاذہ جہالت سے بچاتا ہے

اعرض عن الجاھلین بھی استعاذہ کے ثمرات میں سے ہے۔ اور جہالت ایک قسم کی موت ہے خصوصاً یہ موت انکار صداقت اور شناخت امام سے قاصر رہنے سے پیدا ہوتی ہے۔ اسی لئے جہالت سے بھی پناہ مانگی گئی ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یہ دعا قرآن کریم میں موجود ہے۔

سورۃ بقرہ پارہ اول رکوع ۸ آیۃ ۶۸

قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ٥

موسیٰؑ نے کہا کہ میں اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں کہ میں جاہلوں میں سے ہو جاؤں۔

جہالت کے مختلف اقسام ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے ذبح بقرہ کے حکم کے سلسلہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ کیا آپ ہم سے مذاق کرتے ہیں (ہزواً) اس پر ......

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حسب الاجوابہ ہزواً کو یہاں جاہلوں کا طریق عمل قرار دیا گیا ہے۔ اور یہ بھی ایک قسم کی اخلاقی

پستی ہے۔

غرض اس مقام پر جو میں نے سورۃ اعراف کا پیش کیا ہے اخلاقی فضائل کے حصول کے لئے جو اصول ثلاثہ بیان کئے گئے ہیں ان میں اعرض عن الجاھلین کو داخل کیا اور اسکے بعد استعاذہ کا حکم ہے۔

استعاذہ کے مسنون طریق کے بیان کرنے کے بعد میں بتانا چاہتا ہوں کہ استعاذہ

استعاذہ ام الحسنات

ام الحسنات ہے

شیطان سے اللہ تعالے کی پناہ مانگنے والا اور صرف زبان ہی سے نہیں بلکہ شیطانی اعمال و وساوس سے بچنے والا انسان عباد اللہ میں داخل ہوجاتا ہے اور وہ اپنے جذبات بہیمیہ اور وساوس نفسانیہ پر خود حکومت کرنے کے قابل ہوجاتا ہے اور شیطانی اثرات سے محفوظ ہوجاتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید اس برکت کا خود ذکر فرماتا ہے۔

دیکھو پارہ ۱۵ سورۃ بنی اسرائیل رکوع ۶ آیۃ ۶۵ و ۶۶

اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ ؕ وَکَفٰی بِرَبِّکَ وَکِیْلًا ۝

(اے شیطان!) میرے بندوں پر تیرا کوئی غلبہ نہیں۔۔

(۶۵) اور تیرے لئے تیرا رب ہی وکیل ہے۔

قرآن کریم نے عباد اللہ المخلصین بھی فرمایا ہے۔ لیکن یہ
یت دونوں مفہوم اپنے اندر رکھتی ہے۔ عموم بھی اور خصوص بھی
یعنے اللہ تعالےٰ کے مخلص اور فرمانبردار بندوں پر تو شیطان
کوئی سلطان ہی حاصل ہی نہیں۔ عوام پر بھی حقیقت میں شیطان
کوئی تسلط حاصل نہیں ہوتا۔ وہ کسی کو مجبور نہیں کرتا معصیت
کے کام کرو۔ اور خود شیطان کا اقرار قرآن مجید میں موجود
ہے۔ دیکھو پارہ ۱۳ سورۃ ابراھیم رکوع ۱۳ آیتہ ۲۲

وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُم مِّن سُلْطَانٍ إِلَّا أَن
دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِي ۖ فَلَا تَلُومُونِي
وَلُومُوا أَنفُسَكُم ۖ

اور مجھے تم پر کسی قسم کا غلبہ حاصل نہ تھا ہاں میں نے تم کو
تحریک (دلایا) کی اور تم نے میری اس تحریک کو مان لیا پس مجھے
ملامت نہ کرو بلکہ اپنے نفس کو ملامت کرو۔

غرض شیطان صرف محرک تو ہو سکتا ہے اسے کوئی تسلط
نسان پر حاصل نہیں ہے اور یہ انسانی استعدادوں اور جذبات
عام تحریکات ہیں اور جب انسان اللہ تعالےٰ کی پناہ طلب
تا ہے۔ یعنے عملاً وہ اللہ تعالےٰ کی رضا کا طالب ہوتا ہے۔ تو
شیطانی محرکات اس پر اثر انداز نہیں ہوتی ہیں اور تعوذ کی یہی

حقیقت ہے کہ جب انسان کے جذبات میں شہوانی اور نفسانی جذبات کا ہیجان ہو۔ تو وہ اللہ تعالے کے حضور کھڑے ہو۔ اور جواب دہی کے سوال کو مدنظر رکھ کر اللہ تعالیٰ ہی کے حضور گریہ و بکا کے ساتھ طالب ہدایت ہو

اور ہر شیطانی حرکت سے عملاً پرہیز کرے۔ یہی تعوذ کا صحیح طریق ہ مت سمجھو کہ میں زبان سے اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم کے تکرار سے نعوذ باللہ انکار کرتا ہوں ہر حکم کی تعمیل تو لفظوں ہی میں ادا ہوتی ہے۔ اور الفاظ کا زبان سے تکرار (بشرطیکہ سمجھ کر ہو) انسان کی نیکی کی قوتوں میں بیداری پیدا کرتا ہے۔ لیکن تعوذ کی عملی صورت کو خود قرآن کریم نے اسی سورۃ النحل پارہ ۱۴ رکوع ۱۳ آیت ۱۰۰ و ۱۰۱ میں بیان فرمایا ہے۔

آیت ۹۹ میں تو حکم دیا کہ شیطان مردود سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو اور پھر آگے فرمایا

إِنَّهُ لَيْسَ لَهُ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ اِنَّمَا سُلْطٰنُهُ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهُ وَ الَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ۝

بے شک شیطان کا تسلط لوگوں پر نہیں ہو سکتا جو مومن ہیں اور اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔ اس کا غلبہ تو ان لوگوں پر ہوتا ہے جو اسے دوست بناتے ہیں اور جو شیطان کو اپنے اعمال میں شریک کرتے ہیں

توضیحی بیان

والذین ھم بہ مشرکون کا ترجمہ میں نے آیۃ کے، ابتدائی حصہ کی مناسبت سے اکہ شیطان کا تسلط ان پر ہوتا ہے جو اسے دوست بناتے ہیں ایہ کیا ہے کہ اسے اپنے اعمال میں شریک کر لیتے ہیں اس کی تائید قرآن کریم کے ایک دوسرے مقام سے ہوتی ہے سورہ بنی اسرائیل کی آیۃ ۶۵ اور ۶۶ کا میں نے اوپر حوالہ دیا ہے اس رکوع کے آغاز میں اللہ تعالٰے نے ایک عام قانون کا ذکر کیا ہے کہ ہر صداقت اور پیغام حق کی مخالفت کرنے والے ہمیشہ سے چلے آئے ہیں۔ اور اس قانون کو آدم اور ابلیس کے مقابلہ کے رنگ میں بیان کیا ہے اور اس میں شیطان کے ادعائی بیان کو پیش کیا ہے۔ کہ میں آدم کی اولاد کو ہلاک کروں گا۔ اور مجھے مہلت دی جاوے اللہ تعالٰے نے فرمایا

" جا جو کوئی بھی اولاد آدم میں سے تیری اتباع کرے گا۔ تو اس کی سزا (بطور بدلہ کے) دوزخ ہوگی۔ اور وہ پورا بدلہ ہے انمیں سے جس کسی کو تو اپنی آواز سے بہکا سکے اور، اپنے لشکر کے سواروں اور پیادوں سے حملہ کرلے اور انکے اموال اور اولاد میں شریک ہوجائے اور جس قسم کے وعدے چاہے ان کو دے اور شیطان کے وعدے تو دھوکہ کے سوا، کچھ نہیں "

اس آیۃ یعنی ۶۳ میں شیطان کی شرکت نے الاموال والاولاد

کا ذکر فرمایا ہے۔ اموال اور اولاد میں شیطان کی شرکت کی مختلف صورتوں کو جمع کر دیا ہے۔ ناجائز طور پر اموال کا حاصل کرنا اغراض فاسدہ کے لئے اسے خرچ کرنا سب اس میں داخل ہیں۔ اور دراصل اس رکوع میں ان مساعی کا ذکر ہے جو صداقت اور پیغام ربانی کے دشمن مخالفت کے لئے اختیار کرتے ہیں میں نے اسکو یہاں شیطان کے اشتراک فی الاعمال کی تائید میں پیش کیا ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک دعا

میں اس مقام پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک دعا کا ذکر کئے بغیر آگے نہیں جا سکتا۔ اگرچہ اس کتاب کے موضوع سے بظاہر وہ الگ ہے۔ مگر اس موقعہ کے مناسب حال ہے میں نے اوپر بیان کیا کہ شیطان اموال اور اولاد میں شریک ہو جاتا ہے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شیطان کی شرکت سے محفوظ رکھنے کے لئے بعض دعائیں تعلیم فرمائیں اور نکاح کی غرض وغایت تقویٰ قرار دیا اور نکاح سے پہلے استخارہ ضروری ٹھہرایا اور مباشرت کے وقت دعا تعلیم کی جو یہ ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰھُمَّ جَنِّبْنَا الشَّیْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّیْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا

اللہ تعالےٰ کے نام سے اے اللہ دور رکھ ہم کو شیطان سے اور دور رکھ شیطان کو اس چیز سے کہ بخشی تو نے ہم کو۔

ترجمہ بطور حاصل مطلب :- اللہ تعالیٰ ہی کے نام سے۔ اے اللہ! ہم دونوں کو شیطان سے بچائیو۔ یعنی یہ ہمارے تعلقات نفسانی اغراض و مقاصد کے تحت نہوں اور اس ہمارے عمل سے جو اولاد پیدا ہو اس کو بھی شیطان سے بچائیو۔

اس دعا میں بہت وسیع مضمون ہے جو انشاء اللہ کسی دوسرے موقعہ پر بیان کرنے کی توفیق چاہتا ہوں۔ یہاں اسی قدر بیان کرنا مقصود ہے کہ شیطان کی شرکت فی اولاد سے بچنے کے لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ دعا بھی سکھائی ہے اور بسم اللہ سے شروع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ مقصد رضائے الٰہی اور حصول تقوےٰ ہو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عمل میں یہ سنے دکھایا

حضرت نوح علیہ السلام کا عمل تعوذ

ہے کہ انہوں نے جہالت سے خدا کی پناہ طلب کی۔ اس طرح حضرت نوح علیہ السلام نے اس دعا سے پناہ طلب کی جس کے متعلق اس کے نتائج کا صحیح علم نہ ہو یا وہ کسی رنگ میں سنت اللہ کے خلاف ہوں۔ چنانچہ فرمایا۔

قَالَ رَبِّ إِنِّيٓ أَعُوذُ بِكَ أَنْ أَسْـَٔلَكَ مَا لَيْسَ لِي بِهِۦ عِلْمٌ ۖ وَإِلَّا تَغْفِرْ لِي وَتَرْحَمْنِيٓ أَكُن مِّنَ ٱلْخَٰسِرِينَ۔

نوح نے عرض کیا اے میرے رب میں اس بات سے تیری پناہ چاہتا ہوں کہ میں تجھسے ایسی چیز مانگوں جسکی بھلائی یا برائی کا مجھے علم نہ ہو اگر تو یہ میری غلطی معاف نہ فرمائے اور مجھ پر رحم نہ فرمائے تو میں نقصان اٹھانے والوں سے ہو جاؤنگا۔

حضرت نوح علیہ السلام کی دعا سے یہ پایا جاتا ہے کہ مومن اپنی غلطی سے آگاہ ہو کر اس سے صرف رجوع ہی نہیں کرتا بلکہ آیندہ ان سے محفوظ رہنے کے لئے دعا کرتا ہے اور غلطیوں سے محفوظ رہنا اپنی طاقت اور تدبیر پہ منحصر نہیں کرتا بلکہ خدا تعالےٰ کے فضل اور رحمت کا جویاں رہتا ہے حضرت نوح علیہ السلام کی دعاسے استغفار کی، حقیقت بھی معلوم ہوتی ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی طرح اجتہادی غلطی تھی جو شرعی گناہ کی حیثیت نہیں رکھتی مگر وہ اس پر بھی استغفار کرتے ہیں اور بشری کمزوریوں کے صدور اور ان کے اثرات سے محفوظ ہونے کی دعا کرتے ہیں۔ اس سے دو باتوں کا اظہار ہوتا ہے اول یہ کہ ضروری نہیں کہ استغفار کے لئے گناہ کا صدور بھی ہو دوم انبیاء علیہم السلام کے علوم تبت کا اظہار ہوتا ہے کہ وہ تطہیر نفس کے لئے مدام اللہ تعالےٰ کے فضل اور رحم کے طلبگار رہتے ہیں۔ اور اپنی سعی اور تدبیر پہ کبھی بھروسہ نہیں کرتے ان کا تکیہ و توکل ہمیشہ اللہ تعالےٰ کی ذات ہوتی ہے۔ اور اس کی رحمت کی طلب انکی زندگی کا دائمی دستور العمل ہے۔ اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا مِنْہُ (امین)

ہمزات الشیاطین سے پناہ کی طلب

پھر قرآن کریم میں ہمزات الشیاطین سے پناہ طلب کی گئی چنانچہ فرمایا

رَبِّ اَعُوْذُبِکَ مِنْ ھَمَزٰتِ الشَّیٰطِیْنِ ۙ وَاَعُوْذُ بِکَ

رَبِّ اَنْ یَّحْضُرُوْنِ ۔ پ ۱۸ المومنون ع ۶

ترجمہ:۔ اے میرے رب میں شیطانی وسوسوں سے تیرے دامن میں

پناہ لیتا ہوں میں اس سے بھی پناہ مانگتا ہوں کہ وہ میرے پاس آئیں

تفسیری نوٹ ۔ اس دعا کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے کسی قدر فکر کی ضرورت ہے بعض عیسائی معترض اس دعا سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں کوئی شیطانی وسوسہ آیا۔ یہ سراسر حماقت کا اعتراض ہے۔ بلکہ یہ دعا ہی بتاتی ہے کہ آپؐ وساوس شیطانی سے محفوظ تھے اس لئے کہ جب اللہ تعالےٰ نے دعا سکھائی تو اس دعا کی قبولیت میں کوئی شبہ ہی نہیں اس سے ثابت ہوا کہ آپ وساوس شیطانی سے اللہ تعالےٰ کی پناہ میں تھے۔ اور شیاطین آپ کے قریب بھی نہیں آسکتے تھے اور آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بھی فرمایا میرا شیطان مسلمان ہوگیا۔ اور قرآن کریم نے تو یہ فیصلہ بھی کر دیا کہ اللہ کے فرماں بردار بندوں پر شیطان کا تسلط نہیں ہوسکتا اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ علیھم سُلْطَانٌ یعنے میرے بندوں پر تجھے کوئی تسلط حاصل نہیں اور حضور کا مقام تو بہت بلند ہے۔

پھر یہ دعا اوپر کی دعا کے بعد ہی دوسری آیت میں آتی ہے اسی سورۃ مومنون میں جب ہم سیاق پر غور کرتے ہیں تو صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ ان شیاطین سے مراد کفار مکہ کے عمائد ہیں اور ان کے ہمزات

سے مراد انکی بدزبانی اور بدگوئی اور آپؐ کے خلاف منصوبے ہیں
چنانچہ اوپر کی آیت میں آیا ہے نحن اعلم بما تصفون
ہم ان باتوں سے بے خبر نہیں جو تیری نسبت کہتے رہتے ہیں۔
پھر قرآن مجید اپنی آپ تفسیر کرتا ہے افسوس یہ ہے کہ لوگ
اس پر غور نہیں کرتے۔ ہمز کے معنے عیب کے ہوتے ہیں اور ہماز عیب
چین کو کہتے ہیں۔ قرآن کریم کے آخری پارہ میں سورۃ ہمزہ ہے جو
مکی ہے اور اس میں انکی حالت کا تذکرہ ہے۔
پس اس مقام پر شیاطین سے وہی روساء کفار مراد ہیں۔

نمبر ۴ تا ۸ سورۃ الفلق والناس (علیحدہ نوٹ لکھا جائے گا۔)

اور قرآن کریم کے آخر میں معوذتین میں ان تمام امور کا ذکر ہے
جن سے تعوذ ضروری ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام روزانہ سونے سے
پیشتر ان صورتوں کو پڑھ کر دم کرتے تھے۔
پس تعوذ کے متعلق قرآن کریم سے میں ضروری امور بیان کر چکا
اس طرح اعمال اللسان کے اس حصہ میں احکام القرآن کا پہلا نمبر ہے۔

(۲) تسبیح و تحمید

لغت میں ان اعمال لسانی میں جو اللہ تعالےٰ کے تقرب کا ذریعہ ہیں۔
اور جن پر مداومت سے انسان کے قلب کا تزکیہ ہوتا ہے۔) اللہ تعالیٰ

تسبیح اور تحمید بھی ہے بلکہ اصولاً اسے تمام اعمال لسان میں پہلا درجہ
اصل ہے۔

تسبیح و تحمید کی حقیقت

تسبیح کے معنی عربی لغت میں عام رنگ میں تو تیزی سے گذرنا پانی میں ہو یا ہوا میں۔ قرآن مجید میں ان
معنوں کے لحاظ سے فرمایا

(۱) سورۃ یٰسین پارہ ۲۳ آیت ۴۰ میں فرمایا وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ
يَسْبَحُونَ ۝ یعنی چاند سورج (جنکا ذکر پہلے آیا ہے) اپنے اپنے دائرہ میں تیر رہے ہیں۔

قرآن کریم نے قریباً چودہ سو برس پیشتر اس صداقت کا اظہار
کیا چاند سورج کا ذکر کرکے بتایا کہ اجرام سماوی تیر رہے ہیں اور تسبیح
کے مفہوم میں یہ بات داخل ہے کہ سیال چیز پر تیرنا اس سے معلوم
ہوتا ہے کہ اجرام سماوی کسی ٹھوس چیز پر نہیں بلکہ کسی سیال (رقیق)
مادہ میں گردش کرتے ہیں۔

(۲) سورۃ النازعات میں تیرنے والوں کو بطور گواہ پیش
کیا بر رنگ قسم۔

(۳) عمل میں تیزی سے گذرنے والا بھی اس کے معنوں میں داخل
ہے جیسا کہ سورۃ المزمل پارہ ۲۹ میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے
مشاغل نہاری کے متعلق فرمایا آیت ۸

إِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيلًا ۝

بے شک دن کو تیرے مشاغل کثیر و طویل ہیں

اس سے معلوم ہوا کہ سبح کے معنوں میں تیزی کا مفہوم لازم ہے جب یہ لفظ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہوتا ہے تو اس کے معنے ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کی عبادت میں تیزی سے مصروف ہونا۔ اور اس کو ہر نقص وعیب سے پاک سمجھنا اور اس کا اظہار کرنا یعنے سبحان اللہ کہنا اور اس جملہ کے تکرار اور اظہار میں یہ بات داخل ہے کہ اللہ تعالےٰ کی ذات اس کی صفات اور اس کے لئے اعمال وعبادات میں کسی کو شریک نہ ٹھیرایا جائے اور ہر عیب اور نقص سے منزہ قرار دیا جاوے۔

سبحان اللہ کہنا دنیا کے عمل کو چاہتا ہے

سبحان اللہ صرف زبان سے کہدینے سے وہ تاثیر پیدا نہیں کرتا جو اس جملہ میں رکھی گئی ہے اور اسکے لئے ضروری ہے کہ حقیقی طور پر سبحان اللہ کے مفہوم کو سمجھ کر دل نشین کیا جاوے ورنہ ممکن ہے کہ ایک شخص زبان سے تو سبحان اللہ کہتا ہو مگر کسی عزیز کی وفات یا نقصان مال یا کسی اور تکلیف اور دکھ کے نازل ہونے پر اللہ تعالےٰ کا شکوہ کرتا ہو۔ اور اسے نعوذ باللہ ظالم قرار دیتا ہو۔ اس لئے اس تسبیح میں اللہ تعالےٰ کو ان تمام امور سے پاک یقین کرنا ضروری ہے۔ جو کسی قسم کا نقص اپنے اندر رکھتے ہوں۔

ایک نکتہ معرفت ملائکہ کی تسبیح تحمید اور تقدیس کا راز۔

اسی سلسلہ میں اس نکتہ معرفت کو بھی یاد رکھنا چاہئے کہ قرآن کریم نے تسبیح کے ساتھ تحمید بلکہ تقدیس کو بھی لازم قرار دیا ہے جیسا کہ میں تفصیل سے

احکام التسبیح میں ذکر کروں گا۔ قرآن مجید نے نہایت لطیف پیرایہ
بں اس حقیقت کو ذہن نشین کرنا چاہا ہے آدم کی تخلیق پر ملائکہ
نے عرض کیا۔ سورۃ البقرہ رکوع ۴ آیت ۳۱

وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ط

"ہم تیری حمد کے ساتھ تیری تسبیح کرتے ہیں اور تیری تقدیس کرتے
ہیں۔ تجھے قدوس یقین کرتے ہیں۔ تو پاک ہی ہر عیب سے اور پاک کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفات قدوس اور سبوح میں یہ فرق ہے کہ
سبوح وہ ذات پاک جو ہر قسم کے ذاتی نقائص سے پاک ہو۔ اور
قدوس یہ کہ صرف خود ہی پاک نہیں بلکہ ہر قسم کے کمالات اور خوبیوں
جامع اور مرکز اور سرچشمہ ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ تسبیح میں تنزیہ ہے اور تقدیس میں
ں کے علاوہ تعظیم اور تبریک بھی داخل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کی زبان سے اس اقرار کو بیان کر کے
یح اور تحمید کے ثمرات کو ظاہر کیا ہے کہ جو شخص اس حقیقت
ے آگاہ ہو کر تسبیح۔ تحمید کرتا ہے وہ ملائکہ کی صف میں داخل ہو جا
ہے۔ کیونکہ یہ عمل ملائکہ کا ہے۔

کوتی صفات کے حصول کا ذریعہ

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ملکوتی صفات کے حصول
کا ذریعہ تسبیح۔ تحمید اور تقدیس ہے اس لئے کہ
للہ تعالیٰ نے ایک قانون عمل اور ردعمل کا رکھا ہے جس قدر بندہ

اپنے معبود حقیقی کی تسبیح کرتا ہے اس کے ثمرات میں وہ رذائل سے
پاک ہو جاتا ہے اور جس قدر مصروف حمد ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس
میں وہ کمالات اور خوبیاں پیدا کر دیتا ہے کہ وہ خود محمود بن جاتا ہے
افسوس لوگ اس حقیقت کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے۔

اب میں پھر اصل موضوع کی طرف آتا ہوں یہ امور تو میں نے
اس لطیف مضمون کے سمجھنے میں آسانی پیدا کرنے کے لئے بیان
کئے ہیں۔ ورنہ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ میں کہہ دیتا کہ تسبیح کا مفہوم ہے
سبحان اللہ کہنا اور تحمید کا مفہوم ہے الحمد للہ کہنا۔

میں اللہ کریم کے فضل اور رحم پر ایمان رکھتا ہوں۔ کہ
جو شخص غور اور فکر سے ان تشریحی امور کو عمل کی نیت سے
پڑھے گا۔ وہ اس کے ثمرات کو محسوس ہی نہیں بلکہ مشاہدہ کرلے گا۔

اللھم ارزقنا منھا

دوسرے الفاظ میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ تسبیح اللہ تعالیٰ
کی صفات تنزیہی کا اظہار ہے اور اس سے یہ مراد ہے کہ جہاں تک
عقل انسانی کی رسائی ہے صفات الٰہی کو مخلوقات کی مشابہت
سے پاک یقین کیا جاوے اور اپنے اقوال و افعال میں اس تنزیہی
عقیدہ کا اظہار ہو۔ قرآن کریم نے صفات الٰہی کے مسئلہ کے بیان میں
عقیدہ تنزیہہ کی تکمیل کی ہے۔ مگر یہ تکمیل اپنے ساتھ تحمید کو رکھتی
ہے تاکہ منفی صفات کے کمال سے نفس وجود ہی مشکوک نہ ہو جاوے

پس قرآن کریم نے جہاں ایک طرف تسبیح کے ذریعہ اللہ تعالےٰ کو ہر قسم کے نقائص سے پاک ٹھہرایا ہے۔ ہر قسم کی خوبیوں سے متصف فرمایا تاکہ اللہ تعالیٰ کی ہستی کا تصور پیدا ہو۔ اس لئے کہ سلبی تصور سے ہستی کا تصور پیدا نہیں ہوتا۔

یہ مضمون اپنی جگہ نہایت لطیف اور اہم ہے مگر تفصیل سے میں اسے اگر توفیق الٰہی رفیق راہ ہوئی تو اسماء الحسنیٰ کے دوسرے اڈیشن میں بیان کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید سے کیا مقصد ہے؟

تسبیح و تحمید سے مقصد کیا ہے؟

کیا صرف یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی اور اس کی حمد و ثنا کے الفاظ دوہرائے جادیں؟ ہرگز نہیں یہ تو تسبیح و تحمید کا ایک جسم ہے اسکی حقیقت اور روح نہیں۔ اگر ہم ان الفاظ کو نہ بھی دوہرائیں تب بھی وہ سبحان اور حمید ہی ہے۔ اور جیسا کہ میں ابھی بیان کروں گا۔ کائنات کا ہر ذرہ تسبیح و تحمید کرتا ہے۔ انسان کے لیئے اس مقصد کو مقصد خلق قرار دینا اس سے بلند تر مقصد ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان جب اللہ تعالےٰ کی صفات تنزیہہ کو بیان کرے تو اس حقیقت کو اپنے اعمال میں پیدا کرے اور جن نقائص سے وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو پاک ٹھہراتا ہے ان نقائص کو اپنے اندر پیدا نہ ہونے دے۔ اور اگر وہ اس پر عمل کرے گا۔ تو یاد رکھو یہ حقیقی تسبیح ہوگی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اخلاق اللہ

اپنے اندر پیدا کرو تو اس کی حقیقت یہی ہے۔

ایک اعتراض کا جواب

اس جگہ ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسماء الٰہیہ کا ذکر و فکر تو خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات واعمال سے بھی ثابت ہوتا ہے اور اس میں شمار عددی کا بھی دخل ہے جیسے نماز کے بعد ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ الحمد للہ اور ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر کہنا ہے۔

تو پھر یہ دانہ شماری جو تسبیح کے رنگ میں صوفیائے کرام اور دوسرے ائمہ اسلام کے عمل سے ثابت ہے غیر ضروری کیونکر ہو سکتی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ افعال اور اعمال کی ابتدائی صورت تصورات سے شروع ہوتی ہے جس کو ہم نیت کا نام دیتے ہیں۔ پھر اس کا ظہور عملی شکل، اختیار کرنے سے پہلے زبان پر آتا ہے اور اس کا تکرار ایک عزم کو پیدا کرتا ہے۔ یہ علم النفس کا ایک نکتہ ہے اس لئے یہ تکرار دراصل اسی اہمیت کو راسخ کرنے کے لئے ایک ذریعہ ہے اور اصل مقصد یہی ہے کہ ہمارے اعمال میں تنزیہی رنگ پیدا ہو جاوے ہم ہر قسم کی بدی اور سیئات سے پرہیز کریں اور اس طرح ہم اللہ تعالےٰ کی صفات، تنزیہیہ کے پرتو سے نور حاصل کر لیں گے۔

وہ تنزیہی اعمال قرآن کریم کی زبان اور اصطلاح شرع میں نواہی کہلاتے ہیں۔ اور جب اللہ تعالےٰ کے اسماء تحمید کی تجلی سے ہم شرف حاصل کرنا چاہیں تو ان صفات تحمید کو اپنے اندر پیدا کرنا چاہئے قرآن کریم

نے نہایت حسین پیرایہ میں اسے بیان کیا۔

ان اللہ یامر بالمعروف وینھی عن المنکر

غرض تسبیح و تحمید کا مقصد اعلیٰ یہی ہے۔

کائنات کا ہر ذرہ تسبیح کرتا ہے

قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ کائنات کا ہر ذرہ اللہ تعالے کی تسبیح بیان کرتا ہے۔ بعض مخلوق اللہ تعالے ذکر کرتا ہے اور ساری کائنات کا اجمالی ذکر فرماتا ہے میں قرآن کریم کے ان مقامات کا حوالہ دیکر صرف ترجمہ اور بعض تفسیری نوٹ بیان کروں گا۔

(۱) سورۃ بنی اسرائیل پارہ ۱۵ رکوع ۶ آیت ۴۳ و ۴۴

"اللہ تعالے کے ہر قسم کے نقایص سے پاک ہے اور جو کچھ مشرک اسکی نسبت بیان کرتے ہیں اسکی شان بہت ارفع ہے (۴۳) ساتوں آسمان اور زمین اور وہ ساری کائنات جو آسمانوں اور زمین کے اندر ہے اسکی تسبیح بیان کرتی ہے اور کائنات میں کوئی ایسی چیز نہیں جو اسکی تسبیح اور حمد نہ کرتی ہو۔ (ہاں) تم انکی تسبیح کی کیفیت کو سمجھ نہیں سکتے بے شک وہ (اللہ تعالی) حلیم اور غفور ہے (۴۴)

تفسیری نوٹ) ان آیات میں بتایا گیا ہے کہ کائنات کا ہر ذرہ اور مخلوق اللہ تعالے کی پاکیزگی اور اس کے کمالات صفاتی کی تعریف کرتی ہے یہ اظہار تسبیح و تحمید زبان حال سے ہے اس لئے خدا تعالے نے خود فرمادیا کہ تم ان کی تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے اگر وہ ہماری زبان سے ہوتی تو سمجھ سکتے۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ تمام کائنات میں ایک قسم کی زندگی

ہے۔ اور قرآن کریم نے دوسری جگہ یہ بھی بتایا ہے کہ تمام اشیاء میں نر و مادہ ہیں۔

میں نے جیسا کہ اوپر بیان کیا ہے قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی صفات میں سلبی رنگ کے ساتھ ایجابی رنگ کو برابر بیان کرتا ہے اور اس کے بغیر اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا تصور صحیح نہیں ہو سکتا۔ یہ امر کہ آسمان زمین اور ان میں موجود کائنات تسبیح کرتی ہے اس طرف اشارہ ہے کہ کائنات کا ہر ذرہ

اللہ تعالیٰ کی ہستی کا ثبوت ہے اور ہر ذرہ اسکی پاکیزگی اور تحمید کا مظہر ہے۔

کائنات کی ہر چیز ایک تقدیر رکھتی ہے

کائنات کی ہر چیز اپنے لئے ایک دائرہ عمل رکھتی ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ سورۃ فرقان رکوع اول پارہ ۱۸ آیت ۳

وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُ تَقْدِيرًا ۝

اور اسنے ہر چیز کو پیدا کیا اور اس چیز کیلئے ایک تقدیر مقرر کی یعنے اس کے دائرہ عمل کو تجویز کر دیا۔

لوگوں نے تقدیر کی حقیقت کو سمجھنے میں غلطی کی ہے اللہ تعالیٰ نے جہاں تقدیر کا ذکر کیا ہے اسے عام بیان کیا ہے۔ ہر چیز کا ایک دائرہ عمل ہے جس سے وہ نکل نہیں سکتی جو لوگ انسانی تقدیر کا مفہوم یہ سمجھتے ہیں کہ اعمال انسانی کی تحدید اللہ تعالیٰ نے خود کر دی ہے

وہ غلطی پر ہیں کسی کا نیک یا بد ہونا اسکی تقدیر نہیں اگر یہ بات ہوتی تو
پھر تاکید عمل اور مسئلہ جزا و سزا بیکار ہو جاتا۔ مجھے افسوس ہے کہ سلسلہ
تحریر میں مضامین اور موضوع کا دامن پھیلنے لگتا ہے اور میرے لئے ناگزیر
ہو جاتا ہے کہ دامن سمیٹ لوں۔

غرض کائنات کی ہر چیز ایک تقدیر رکھتی ہے اور وہ اس کا
ایک دائرہ عمل ہے۔ اس دائرہ کے اندر اسے رکھنا اور اس کا رہنا
ہی اللہ تعالیٰ کی ہستی کا ثبوت ہے۔ تفصیل سے بحث ایمان بالقدر میں کی
پس ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ساری کائنات کے تسبیح کرنے
کا ذکر فرمایا

سورہ الانبیاء پارہ ۱۷ رکوع ۷ آیتہ ۷۹ میں فرمایا

(۳) پہاڑوں کی تسبیح

" اور ہم نے سلیمان کو اس مسئلہ کی حقیقت سمجھا دی اور ہم نے تو
سب کو علم اور فہم دیا ہے اور داؤد کے لئے پہاڑوں کو جو تسبیح کرتے تھے۔ اور
پرندوں کو کام پر لگا دیا۔ اور ہم ہی کرنے والے تھے۔

میں نے اس آیت کو صرف اس مقصد سے پیش کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ
نے پہاڑوں کی تسبیح کا ذکر فرمایا۔ یہ حضرت داؤد علیہ السلام پر انعامات
کے ذکر میں ہے۔ یہاں ایک طرف اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ایک نظارہ
ہے۔ دوسری طرف انکی عملی تسبیح کا اظہار ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام
کے لئے اللہ تعالیٰ کی اس مخلوق (پہاڑ اور پرندوں) نے اپنے دائرہ
عمل میں اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی کو ثابت کیا۔

قرآن مجید کے متعدد مقامات پر اس قسم کی تسبیح کا ذکر ہے میں یہاں صرف حوالجات دیتا ہوں۔

(۱) سورۃ الحشر پارہ ۲۸ پہلی آیۃ

(کائنات کا ہر ذرہ) جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اللہ کی تسبیح کرتا ہے اور وہ العزیز اور الحکیم ہے۔

(۲) سورۃ صف پارہ ۲۸ آیۃ اول

جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتا ہے۔ اور وہ العزیز اور الحکیم ہے۔

(۳) سورۃ جمعہ پارہ ۲۸ آیۃ اول

جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ اللہ کی تسبیح کرتے ہیں وہ اللہ جو بادشاہ ہے قدوس ہے العزیز اور الحکیم ہے۔

ایک اجتماعی تفسیری نوٹ ان آیات میں تسبیح کی حقیقت کی طرف نہایت لطیف اشارہ فرمایا ہے۔

میں نے اسی باب کے شروع میں تسبیح اور صفات الٰہیہ پر ایک مختصر نوٹ لکھا ہے اور ان مقامات میں اللہ تعالیٰ کی دو صفتوں کا تو ہر جگہ ذکر کیا ہے۔ یعنے العزیز اور الحکیم کا اور آخری مقام (سورۃ جمعہ) پر اللہ تعالیٰ کی دو مزید صفات الملک القدوس کا اضافہ کیا ہے۔

یہ یاد رکھو کہ نبوت کے ذکر میں قرآن مجید علے العموم اپنی

صفت العزیز اور الحکیم کا ذکر کرتا ہے۔ الحکیم اس لئے کہ حکیم کا فعل حقیقت پر مبنی ہوتا ہے۔ نادان اپنے سوءِ فہم کی وجہ سے نبیوں کو اپنے نقطہ خیال سے مستحق نہیں سمجھتے۔ اس لئے قرآن مجید نے دوسری جگہ فرمایا۔

بما لا تھوی انفسکم

یعنی خدا تعالےٰ کے نبی جب آتے ہیں تو تمہارے نفس پسند نہیں کرتے تمہارا نقطہ نظر کچھ اور ہوتا ہے اور اللہ بہتر جانتا ہے کہ کون رسول ہونے کے لئے احق ہے۔

اور صفت العزیز ان کے غلبہ اور کامیابی کی طرف اشارہ کرتی ہے مگر اس کے علاوہ تسبیح کے ساتھ ان صفات کو وابستہ کرنے کا ایک ستر یہ بھی ہے کہ جب انسان تسبیح کی عملی صورت اختیار کرتا ہے۔ تو اللہ کی صفات العزیز اور الحکیم کی تجلی اس پر ہوتی ہے اسے عزت دی جاتی ہے۔ اس کی محبت لوگوں کے دلوں میں ڈال دی جاتی ہے۔ اور علم و حکمت کے دروازے اس پر کھول دیئے جاتے ہیں اور اس طرح پر وہ خیر کثیر پالیتا ہے۔ اور اسکی اخلاقی قوتوں میں کامل نشوونما ہوتا ہے۔ قرآن کریم نے حکمت کا مفہوم سورۃ بنی اسرائیل میں بھی اخلاقیات کا کمال بتایا ہے۔

تسبیح کے مفہوم اور اس کے متعلق ضروری امور بیان کرنے کے بعد میں احکام القرآن کو پیش کرتا ہوں۔

(۱/۱۱) پارہ ۳۰ سورۃ الاعلیٰ - آیۃ اول

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى ۙ

اپنے رب (جو بزرگ و برتر ہے) کے نام کی تسبیح (پاکیزگی) بیان کر

تشریحی نوٹ اس آیت میں تسبیح کا حکم دیا گیا ہے اور تسبیح کس کی کیجاوے اللہ تعالیٰ کی شان ربوبیت کی ــــ یہی نکتہ یہاں خصوصیت سے قابل غور ہے۔ ربوبیت اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے جس کی تجلی اس طرح پر ہوتی ہے کہ ایک چیز کو پیدا کر کے تدریجاً کمال پر پہونچایا جاوے اور اللہ تعالےٰ کی اس صفت ربوبیت کے متعلق فرمایا ربک الاعلیٰ اس کی شان بزرگ کے مقابلہ میں کوئی اور شرف وعلویت نہیں ہے اسکی تسبیح کیا ہے؟ ربوبیت کی شان انسانوں میں بھی ہوتی ہے۔ ماں باپ بھی اپنے اندر ایک رنگ ربوبیت کا رکھتے ہیں اس لئے قرآن کریم نے جب انکی خبر گیری اور خدمت گذاری کا حکم دیا تو فرمایا۔ سورۃ بنی اسرائیل آیۃ ۲۵ رکوع ۳ پارہ ۱۵

رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا ۙ

اے میرے رب تو میرے ماں باپ پر رحم فرما جسطرح انہوں نے میرے بچپن میں مجھے پالا پوسا

چونکہ ربوبیت میں دوسرے لوگ بھی من وجہٍ شریک ہو سکتے ہیں اس لئے توحید کے مقام کے اظہار کے لئے حکم یوں دیا کہ تمام ربوبیتوں کا چشمہ اور تمام ربوبیتوں سے افضل و اعلیٰ تیرا رب (جو اعلیٰ ہے) اسکی تسبیح کر - یہ تسبیح کس طرح پر ہوگی؟ ربوبیت کا حقیقی مالک اللہ

ہی کو یقین کیا جاوے انسانی احسانات خواہ وہ ماں باپ کے ذریعہ ہوں یا دوسرے انسانوں کے ذریعہ وہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کی شان ربوبیت کے مظاہر ہیں۔ اور ربوبیت کے سلسلہ میں انسان شرک کی ٹھوکر کھا سکتا ہے۔ پس اس سے بچانے کے لئے یہ حکم دیا۔

دوسرے ربک الاعلیٰ کی تسبیح کا ایک دوسرا طریق یہ ہے کہ انسان کو اپنے ان اعمال میں جو ربوبیت سے تعلق رکھتے ہیں۔ جیسے بہ حیثیت افسر ہونے کے یا بہ سلسلہ ملازمت آقا ہونے کے اپنے مقام کو حقیقی ربوبیت کا مقام نہ سمجھ لینا۔ تکبر و نخوت۔ خود پرستی پیدا نہ ہو۔ گویا اس آیۃ میں ان رذایل سے بچنے کی ہدایت ہے میں اس نتیجہ کو فرعون کے دعوے سے لیتا ہوں۔ کہ اس نے یہی دعوے کیا تھا۔

سورۃ النازعات پارہ ۳۰ آیۃ ۲۵

انا ربکم الاعلیٰ

فرعون نے کہا کہ میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں۔

اس کا یہ دعوے اپنے کبر و غرور کو لئے ہوئے تھا۔ اس لئے یہاں جو اللہ تعالیٰ نے سبح اسم ربک الاعلیٰ فرمایا تو ان تمام اخلاق رذایل سے بچنے کی ہدایت فرمائی جو طہارت نفس اور تزکیہ قلب کے خلاف ہیں اور انہیں سب سے بری چیز شرک ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا

ان الشرک لظلم عظیم

پس رب الاعلیٰ کی تسبیح توحید کے کمال اور اخلاق کی رفعت کی طرف رہنمائی کرتی ہے اور تیسری قسم اس تسبیح کی یہ ہے کہ ہر اس اعتراض کو دور کر دو جو اللہ تعالیٰ کی شان ربوبیت یا ذات کو کسی رنگ میں کیا جاوے۔ یہ اعتراض دوسری ربوبیتوں کے نقص کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ نادان انسان ان ناقص ربوبیتوں کو دیکھکر ربوبیت اعلیٰ کو بھی اس رنگ میں دیکھنے لگتا ہے۔ اس لئے فرمایا

رب الاعلیٰ کی تسبیح بیان کرو۔

خلاصتاً اس کا مفہوم تین صورتیں رکھتا ہے۔ اول یہ کہ ربوبیت کی اعلیٰ شان صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے اس کے مقابلہ میں کسی قسم کا نقص پسند نہ کرے دوم نہ صرف زبان سے بلکہ اپنے اعمال، اور اعلیٰ اخلاق سے ظاہر کیا جاوے سوم جو اعتراض کئے جاویں ان کا صحیح جواب دیکر اللہ تعالیٰ کی تسبیح کی جاوے۔

سبحان ربی الاعلیٰ کی عملی تشریح

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور آپ کے عمل میں ہے کہ آپ جب اس آیۃ کو پڑھتے تو تعمیل امر میں کہتے

سبحان ربی الاعلیٰ

اس طرح پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے عمل سے پر اسوہ حسنہ قائم فرمایا کہ جب یہ سورۃ پڑھی جاوے تو اسکی پہلی آیت کے آغاز کے حکم کی تعمیل میں سبحان ربی الاعلیٰ کہنا چاہیئے۔ اور نمازمیں،

ال عبودیت کا اظہار سجدے کی شکل میں ہوتا ہے اس لئے سجدہ
ں اسی تسبیح ربی الاعلیٰ کا حکم دیا ہے۔
سجدہ کی ہیئت ظاہری تو یہ ہے کہ انسان اپنی گردن کو زمین
ر رکھ دیتا ہے اور اپنی اس ظاہری صورت کو پیش کر کے وہ اس
مر کا اظہار عمل سے اور زبان سے کرتا ہے کہ ہر قسم کا علو اللہ تعالےٰ
ی کے لئے سزاوار ہے اور اپنی فروتنی اور انکساری کا عملی اظہار کرتا
ہے۔ اس عمل کے نتیجہ میں جس قدر انسان کمال اخلاص سے
جھکتا اور اللہ تعالیٰ کے حضور گرتا ہے اسی قدر اللہ تعالیٰ اسے
رفعت کے مراتب عطا فرماتا ہے بظاہر یہ امر عجیب معلوم ہوتا ہے کہ
رتے ہوئے انسان کو مراتب عالیہ نصیب ہوں۔ یہ امر ایک مشاہدہ
لی مثال سے سمجھا جا سکتا ہے۔
جس قدر قوت اور زور سے ایک گیند کو زمین پر پھینکا جاوے
اسی قدر قوت سے وہ اوپر کو اٹھتا ہے یہی کیفیت انسانی قلب
کی ہے جس قدر وہ اللہ تعالےٰ کے حضور جھکتا اور گرتا ہے اسی قدر
وہ اللہ تعالےٰ کی طرف صعود کرتا ہے۔ یہ فلسفہ بھی لذیذ اور عرفانی حقیقت
رکھتا ہے اور اللہ تعالےٰ نے محض اپنے فضل سے مجھے اس کا فہم
اور اس کے بیان کی قدرت بھی عطا فرمائی ہے لیکن اس کتاب
کے موضوع کے لحاظ سے میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہوں
اللہ تعالےٰ نے توفیق بخشی تو کتاب الصلوٰۃ (حقیقت نماز) کے

دوسرے اڈیشن میں تفصیل سے بیان کرسکوں گا۔

سبح اسم ربک العظیم

(۱۲/۲) تسبیح کے احکام میں دوسرا حکم یہ ہے پارہ ۲۷
سورۃ واقعہ دوسرے رکوع کی آخری آیۃ

فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ

پس اپنے رب عظمت والے کے نام کی تسبیح کر۔

پھر قرآن کریم پارہ ۲۹ سورۃ الحاقۃ کی آخری آیۃ بھی یہی ہے
اس سورۃ کی آخری پانچ آیتوں میں ایک خاص ربط ہے اور آخر میں
یہ حکم ہے کہ اپنے رب العظیم کی تسبیح کرو ان آخری آیتوں پر
غور کرنے سے یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ تسبیح رب العظیم کے ثمرات میں
مومن کو

مقام حق الیقین حاصل ہو جاتا ہے

اور یہ یقین کا سب سے اعلیٰ درجہ ہے۔

ایک نکتہ معرفت

میں نے ابھی بیان کیا ہے کہ سجدہ کمال عبودیت کا مقام
ہے۔ لیکن یہ مقام اس وقت مل سکتا ہے جب اولاً
انسان اس مقام کو حاصل کرنے کیلئے ایک اضطراب اپنے اندر پیدا کرے
اور اسکے لئے مقام رکوع ہے گویا وہ اس انتہائی مقام کے حاصل کرنے
کیلئے ایک قدم اٹھاتا اور جھکتا ہے۔ اس لئے حالت رکوع میں
جو تسبیح تعلیم کیگئی ہے وہ

سبحان ربی العظیم ہے

بظاہر یہ ہیئت کذائی اور یہ تسبیح اللہ تعالیٰ کی صفات تنزیہی کا اعتراف ہے۔ لیکن تسبیح کے الفاظ نے ایک خوبی بھی پیدا کر دی ہے جو یہ یک کرشمہ دو کار کی مصداق ہے۔ اس تسبیح میں ربی کا لفظ بڑھا کر صورت دعا بھی بنا دی ہے۔ وہ شخص جو اپنے رب کی عظمت وعلویت کا اقرار کرتا ہے دوسرے معنوں میں اس عظمت وعلویت کے ثمرات کے تدریجی حصول کا طالب بھی ہے

عظمت اور علویت میں تمیز

جس طرح پر رکوع اور سجدہ کی ہیئت کذائی میں فرق ہے اسی طرح رکوع اور سجدہ کی تسبیح مع الدعا میں بھی فرق ہے اور قرآن کریم نے تسبیح کے لئے ربک الاعلیٰ اور ربک العظیم فرمایا۔ رکوع میں اللہ تعالےٰ کی عظمت کا اعتراف اور سجدہ میں اسکی علویت کا اقرار ہے۔

بظاہر یہ دونوں الفاظ اپنے اندر ایک ہی قسم کا مفہوم رکھتے ہوئے نظر آتے ہیں مگر حقیقت میں ان میں ایک عظیم الشان فرق ہے عظمت کا اظہار اپنے اندر دنیوی رنگ رکھتا ہے یعنے دنیوی کمالات اور علویت کا تقاضہ یہ ہے کہ انسان ہر قسم کے پست اور ذلیل خیالات وخواہشات سے نکلکر روحانی اور اخلاقی مدارج میں رفعت اور صعود حاصل کرے پس جب اللہ تعالےٰ کے اسم عظیم کا ذکر ہوتا ہے تو اس کی وہ تمام صفات یکجائی طور پر اپنی تجلی کرتی ہیں جو ہیبت۔ العزیز۔ القادر وغیرہ اقتداری رنگ رکھتی ہیں۔ اور جب ربی الاعلیٰ کہتا ہے تو وہ حسن طلب کے رنگ میں

اس کمال اور علو کا طالب ہوتا ہے جو اخلاقی اور روحانی کمال کو لئے ہوئے ہوتا ہے قرآن کریم نے اس حقیقت کو دوسری جگہ ایک دعا کے رنگ میں جمع کر دیا ہے۔

ربنا اتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاخرۃ حسنۃً

اے ہمارے رب حسنات الدنیا اور حسنات الدین عطا کر۔

قرآن مجید نے اللہ تعالیٰ کے صفات کے بیان میں ان دونوں کو یکجائی طور پر بھی بیان کیا ہے جیسا کہ آیت الکرسی کے آخر میں آتا ہے

وھو العلی العظیم

اور وہ بہت بلند اور عظمت والا ہے۔ اس مقام پر علو کو مقدم کیا ہے اس لئے کہ انسان کی زندگی کا اصل مقصد توحیات قدسی ہونا چاہئے جب وہ اخلاقی اور روحانی کمال کو حاصل کر لیتا ہے تو دنیا کی ہر قسم کی نعمتیں اور حکومتیں اور ہر رنگ کی عظمت اسے دی جاتی ہے۔

یہاں میں یہ نکتہ معرفت بھی بیان کر دیتا ہوں کہ ان دونوں قسم کی تسبیح میں تنزیہی حقیقت کے اظہار سے اعلیٰ اور عظیم کو ساتھ لاکر مثبت صفات کا (جو اپنے اندر حمد کا رنگ رکھتی ہیں) بھی من وجہ ذکر کر دیا ہے۔

(۱۳) سبح بحمد ربک

سلسلہ تسبیح میں ایک حکم یہ بھی ہے کہ اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کر۔

چنانچہ یہ حکم قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیات میں آیا ہے۔

۱/۱۴ (۱) پارہ ۲۶ سورۃ ق آخری رکوع آیۃ ۳۹، ۴۰

فَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ ۝ وَمِنَ الَّیْلِ فَسَبِّحْهُ وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ ۝ یہ جو کچھ تیرے مخالف کہتے ہیں اس پر صبر کر اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کر سورج کے طلوع اور غروب سے قبل ۝ ۳۹

اور رات کے حصہ میں اسکی تسبیح کر اور نماز کے بعد بھی۔

۲/۱۴ (۲) پارہ ۲۷ سورہ طور آخری دو آیات

وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْیُنِنَا وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِیْنَ تَقُوْمُ ۝ وَمِنَ الَّیْلِ فَسَبِّحْهُ وَاِدْبَارَ النُّجُوْمِ ۝

اور اپنے رب کے حکم کے لئے صبر کر تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔ اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے رہو۔ جب تم اٹھو ۝ اور رات کے کسی حصہ میں بھی اسکی تسبیح کرو۔ اور ستاروں کے ڈوبنے پر بھی

۳/۱۵ (۳) سورہ طٰہٰ پارہ ۱۶ آخری رکوع آیۃ ۱۳۹

فَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا وَمِنْ اٰنَآئِ الَّیْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰی ۝

پس جو کچھ تیرے مخالف کہتے ہیں اس پر صبر کر اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کر طلوع آفتاب و غروب آفتاب سے پہلے۔ اور رات کے حصوں میں بھی تسبیح کر اور دن کی طرفوں میں بھی اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تو راضی ہو جائے گا۔

(۴) پارہ ۲۴ سورۃ المومن رکوع ۶ آیۃ ۵۶ — ۴/۱۶

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ۝

پس صبر کر یقیناً اللہ تعالےٰ کا وعدہ سچا ہے اور اپنے قصور کی حفاظت طلب کرتا رہ اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ شام اور صبح تسبیح کر۔

(۵) سورۃ النصر پارہ ۳۰ آیۃ ۳

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۝

تو اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کر اور اسکی حفاظت طلب کرتا رہ وہ یقیناً رجوع برحمت کرنے والا ہے۔

(۶) پارہ ۱۹ سورۃ الفرقان رکوع ۵ آیۃ ۵۹

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهٖ ؕ وَكَفٰى بِهٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًا ۝

اور زندہ خدا پر بھروسہ کر جو مرتا نہیں اور اس کی حمد کرتا ہوا تسبیح بیان کر اور اللہ تعالےٰ اپنے بندوں کے قصوروں سے باخبر رہنے کو کافی ہے

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ تسبیح و تحمید کی ایک عملی

صورت اللہ تعالےٰ پر کامل بھروسہ ہے یہاں توکل علی اللہ کا حکم بھی ایک ضمنی حکم ہے مگر میں اس کا شمار احکام توکل میں کروں گا۔ وباللہ التوفیق

تفسیری نوٹ

ان تمام مقامات کو میں نے یکجائی طور پر لکھدیا ہے تاکہ سمجھنے میں آسانی ہو۔ ان آیات میں تسبیح بالحمد کے علاوہ بعض اور احکام بھی ہیں۔ شمار کے لحاظ سے میں ان پر جدا نمبر بھی دیدیتا ہوں۔ مگر دراصل انکی بحث خود اس حکم کے سلسلہ میں انشاء اللہ کرونگا۔

پھر ان آیات میں تسبیح یا تسبیح بالحمد کے اوقات کو بھی بیان کیا ہے جیسا کہ نمبر ۱۔ ۲۔ ۳۔ ۴ سے ظاہر ہوتا ہے۔

پھر ان آیات میں تسبیح بالحمد سے پہلے فاصبر کا حکم دیا گیا ہے اور بعض میں استغفار کا بھی۔

یہ تو آیات کے مضامین کا گویا تجزیہ ہے اب میں ان کے بعض حقایق کو پیش کرتا ہوں۔

مکی سورتوں کی آیات

یہ تمام آیات مکی سورتوں میں واقع ہیں۔ سورۃ النصر کو مدنی کہا جاتا ہے اس لئے کہ بلحاظ زمانہ یہ مدنی ہے۔ لیکن بلحاظ نزول یہ بھی مکی ہے۔ اس لئے کہ یہ سورۃ حجۃ الوداع میں ایام تشریق میں نازل ہوئی تھی۔

کامیابی کا ایک اصل

سورۃ النصر کی آیت پر میں علیحدہ لکھوں گا۔ باقی تمام ایات میں تسبیح بالحمد سے پہلے صبر کا حکم دیا گیا ہے اور اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ

مکی زندگی کے عہد ابتلا میں کامیابی کا ایک اصل تعلیم فرمایا ہے۔ اور وہ ہے صبر علی البلا

صبر علی البلا دراصل انسان کی قوت مدافعت کو محفوظ کر دیتا ہے اور قوت فکریہ کو مضبوط۔ لیکن یہ قوت صبر پیدا ہوتی ہے تسبیح بالحمد سے اور یہ حقیقت قرآن مجید کے اس مقام پر اسلوب بیان سے ظاہر ہے ہر مقام پہ پہلے صبر کا حکم ہے اور پھر تسبیح بالحمد کا۔

اس سے یہ نکتہ معرفت بھی سمجھ میں آتا ہے کہ تسبیح بالحمد انسان کی انتقامی قوتوں اور جذبات کو ٹھنڈا کر دیتی ہے اور اسے ایک قوت ضبط عطا کرتی ہے جو اس کی کامیابی کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔

قرآن کریم کا ایک اسلوب بیان

اس خصوص میں قرآن مجید کا اسلوب بیان یہ ثابت کرتا ہے کہ جہاں اسے صبر کی تعلیم دی ہے۔ اسکے ذریعہ کو تسبیح و تحمید سے وابستہ کیا ہے اور تسبیح و تحمید کا مکمل اظہار نماز میں ہوتا ہے کہ اس میں تسبیح و تحمید ہی ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے

(سورۃ بقرہ آیتہ ۱۵۴ رکوع ۳ پارہ ۲)

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝

مومنو! صبر اور نماز کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مدد طلب کرو یقیناً اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

ان آیات میں جو میں نے پیش کی ہیں مثلاً سورۃ طٰہٰ پانچوں نماز

کا اظہار ہے ان کے اوقات کے تعین سے یہ صاف سمجھ میں آجاتا ہے قبل طلوع الشمس وقبل الغروب سے نماز فجر اور عصر کا ثبوت ملتا ہے اناءِ ایل اور طرفی النہار سے ظہر مغرب عشاء۔

میرا مطلب اس اشارہ سے صرف یہ ہے کہ صبر جو کامیابی کا ایک ذریعہ ہے اس کے لئے تسبیح وتحمید کی ضرورت ہے۔

کچھ اور تشریحی امور

جہاں تک احکام کا تعلق ہے۔ وہ اس خصوص میں میں نے بیان کر دیے ہیں۔ یعنی تسبیح بالحمد کے حکم میں ضمناً صبر کا حکم ہے۔ اور تسبیح بالحمد کے اوقات کی صراحت ہے۔ اور یہ اوقات نمازوں کے اوقات کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

استغفار

سورۃ مومن اور سورۃ النصر میں ایک حکم استغفار کا بھی ہے سورۃ مومن میں تو صاف طور پر فرمایا۔ اپنے قصور سے حفاظت طلب کر۔ اور سورۃ النصر میں صرف یہ فرمایا کہ اللہ تعالےٰ سے حفاظت طلب کرو۔ اس لیے ضروری ہوا کہ استغفار کی کچھ حقیقت بیان کر دی جاوے تفصیلی طور پر احکام استغفار میں ہی بحث کروں گا۔ یاد رکھو کہ استغفار کا مادہ غفر ہے اور لغت میں اس کے معنوں میں محفوظ رکھنا۔ (برائی یا عیب سے بچانا) بھی ہے گناہ سے حفاظت کے دو طریق ہیں۔ جو گناہ انسان سے سرزد ہو چکے ہیں انکی سزا سے محفوظ ہو جانا دوم گناہ سوز فطرت پیدا ہو جاوے اور انسان گناہ کر ہی نہ سکے۔ پس اگر خصوصیت سے حضرت نبی کریمؐ

کو یہ حکم ہے تو یہ امر آپکی عصمت کی دلیل ہے۔ کہ آپ سے گناہ کا قصد ہی نہ ہو۔ اور قرآن مجید اس کے متعلق مختلف رنگوں میں آپ کے کمالات عصمت کو بیان کرتا ہے۔ اور عام خطاب کی صورت میں استغفار کے دونوں مفہوم داخل ہیں۔

ایک بات یہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ تسبیح وتحمید میں استغفار کو بھی بڑا دخل ہے۔ تسبیح چاہتی ہے کہ انسان عیوب متعارفہ سے پاک ہو۔ اور یہی عمل تسبیح ہے۔ اور تحمید چاہتی ہے کہ وہ ان صفات حمیدہ کا حامل ہو جو اللہ تعالیٰ کی حمد کا عملی مظہر ہے۔ انکی تکمیل کیلئے اللہ تعالیٰ کی صفت غفار کی تجلی کے اثرات کے نیچے آنا ضروری ہے۔ اس لئے اس مقام پر بتایا ہے کہ استغفار کرتے رہو۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد

تسبیح اور تحمید کے حکم کی یکجائی تعمیل کیلئے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت لطیف پیرایہ میں اس کا طریق بتایا جس طرح پر استعاذہ کے لئے اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم کہا گیا تسبیح وتحمید کے لئے فرمایا

کلمتان خفیفتان علی اللسان ثقیلتان فی المیزان

دو کلمے ہیں جو زبان پر تو آسان ہیں۔ لیکن اپنے اجر کے لحاظ سے ان کا پلڑا بھاری ہے

اور وہ کلمے کیا ہیں؟

سبحان اللہ وبحمدہ وسبحان اللہ العظیم

اب میں ان احکام کو بیان کرتا ہوں جو حمد کے متعلق ہیں۔

پارہ ۱۹ سورۃ النمل رکوع ۵ کی پہلی آیت

قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ؕ ءٰٓاللّٰہُ خَیْرٌ اَمَّا یُشْرِکُوْنَ ۝

کہو سب تعریف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے اور اس کے ان بندوں پر جن کو اس نے برگزیدہ کیا سلام (سلامتی) ہے کیا اللہ بہتر ہے یا جنہیں وہ شریک ٹھہراتے ہیں۔

تشریحی نوٹ اس آیت سے پہلی آیت میں قوم لوطؑ پر عذاب کا واقعہ بیان کیا ہے اور حضرت لوطؑ اور ان کے اہل کی نجات کا ذکر فرما کر یہ حکم دیا کہ اللہ تعالیٰ کی حمد کرو۔ اور اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں پر سلامتی ہو۔ اللہ تعالیٰ کے جن برگزیدہ بندوں پر سلامتی کا وعدہ دیا گیا وہ ایک قانون عام کا رنگ رکھتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے مامور جب دنیا میں آتے ہیں تو جو لوگ انکو قبول کرتے ہیں انکی مخالفت ہوتی ہے اور مخالفت کرنے والے تباہ کر دیئے جاتے ہیں اور قبول کرنے والوں کو بچا لیا جاتا ہے۔

چونکہ یہ مکی سورۃ ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کامیابی کی بشارتیں دیگئی ہیں۔ اور انبیاء سابقین کے واقعات کو تاریخی تائیدی شواہد کے طور پر پیش کیا ہے اسلئے عباد الذین اصطفیٰ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ بھی داخل ہیں اور یہ

خصوصیت اس سے بھی ظاہر ہے کہ مشرکین پر اتمام حجت کیا ہے یہ کہہ کر

کہ کیا اللہ بہتر ہے یا جنکو وہ شریک ٹھیراتے ہیں

۳ سورۃ العنکبوت پارہ ۲۱ رکوع ۶ کی آخری آیۃ

قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ط بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ○

کہو سب تعریف اللہ تعالےٰ ہی کے لئے ہے مگر ان میں اکثر لوگ عقل سے کام نہیں لیتے۔

تشریحی نوٹ: یہ سورۃ بھی مکی ہے اور اس میں بھی مومنین اور مکذبین کے انجام کو اس جگہ پیش کیا ہے اور اس آیۃ سے اللہ تعالےٰ کی ہستی اور اسکی توحید پر مظاہر قدرت سے دلایل پیش کئے ہیں۔ اور انسان کی فطرت سے سوال کیا ہے اور بتایا کہ فطرت انسانی اللہ تعالیٰ کی ہستی پر ایمان لانے پر مجبور ہے اس کے بعد حکم دیا

کہ اللہ تعالیٰ ہی کی حمد کرو

اور اس کے ساتھ جو یہ فرمایا کہ اکثر لوگ عقل سے کام نہیں لیتے یہ اسکی تائید ہے کہ جب بھی صحیح عقل سے کام لیا جاوے تو نظام عالم اور مشاہدہ صحیفہ قدرت اللہ تعالےٰ کی ہستی اور توحید کی شہادت دے گا۔

۳ اسی مضمون کو دوسرے پیرایہ میں سورۃ لقمان پارہ ۲۱ کی آیۃ ۲۶ میں دوہرایا ہے۔

قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ○

یاد رکھو کہ حمد الٰہی انسان کے علم اور عقل میں ایک نور بخشتی ہے اس لئے کہ حمد الٰہی کا جوش اور جذبہ اس وقت پیدا ہوگا جب انسان اللہ تعالیٰ کے انعامات اور اس کے مظاہر قدرت پر نظر کرے گا۔ اس سے اللہ تعالیٰ کے حسن اور احسان کا علم ہوگا اور یہ دونو حمد کے محرک ہوتے ہیں۔

چنانچہ اس حکم حمد کے بعد اگلی آیتہ میں فرماتا ہے آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا کیا ہے اور وہ غنی اور حمید ہے۔

یہ احکام تکبیر کے ذیل میں نمبر ۲ میں بھی حمد کا حکم ہے۔ یہاں اسکی طرف اشارہ کرنا ہی کافی ہے۔

۵ سورۃ المومنون پارہ ۱۸ آیتہ ۲۹

فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ نَجّٰىنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ○

پس اللہ تعالیٰ کی حمد کر جس نے ہم کو ظالم قوم سے نجات دی

اس مقام پر حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر ہے اور طوفان میں ان کے محفوظ رہنے کو نجات کہہ کر حمد الٰہی کا حکم دیا ہے۔

نوٹ:۔ یاد رہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کو اس لئے حمد کا حکم نہیں دیا گیا کہ ان کی وہ قوم جو مخالفت کر رہی تھی غرق ہو گی

انبیاء علیہم السلام اپنے دشمنوں کی تباہی پر خوش نہیں ہوا کرتے۔ وہ تو انکی ہدایت کے طالب ہوتے ہیں۔ پس حضرت نوح علیہ السلام اپنے مشرکوں کی قوم سے اور عذاب سے محفوظ رہنے پر حمد الٰہی کرتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالٰے کے ہر انعام پر اور ہر مصیبت سے محفوظ رہنے پر اللہ تعالٰی کی حمد کرنی چاہئے۔ اللہ تعالٰی کی حمد انسان میں محبت الٰہی کے جذبات کو ابھارتی ہے اور اسکی فکر و ذکر کی قوتوں میں بیداری پیدا کرتی ہے۔

۷ سورۃ النمل کی آخری آیت میں بھی حمد کا حکم دیا گیا ہے۔

ایک ضروری یادداشت

جہاں تک میں نے غور کیا ہے قرآن مجید میں احکام حمد یا مقام حمد کا ذکر علی العموم مکی صورتوں میں آیا ہے اس لئے کہ حضور کی بعثت کے وقت وہاں شرک پھیلا ہوا تھا اس لئے اس پر زور دیا گیا اور ان مکی سورتوں میں آپؐ کی کامیابی کی بشارات ہیں اس لئے ان انعامات اور مبشرات پر بھی الحمد للہ کا ارشاد ہوا۔ خصوصاً سورۃ نمل کی آخری آیت میں تو ان آیات و بشارات کے متعلق صاف ذکر کیا گیا ہے۔

ولله الحمد اولاً و آخراً و ظاهراً و باطناً

والحمد لله على ذالك

(۴) تکبیر اللہ اکبر کہنا

ان اعمال لسان میں جو انسان کے تزکیہ نفس اور قرب الٰہی کا موجب ہیں ایک عمل اللہ اکبر کہنا یا اللہ تعالیٰ کی کبریائی کا اعتراف اور اظہار زبان سے اور عمل سے کرنا ہے اصطلاح شرع میں اسے تکبیر کہتے ہیں۔

(۱) قرآن مجید پارہ ۲۹ سورۃ المدثر رکوع اول آیۃ ۱۔۳

يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَأَنذِرْ ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝

اے اوڑھنے والے اٹھ اور انذار کر اور اپنے رب کی بڑائی کر اور اپنے کپڑوں کو پاک صاف رکھ۔

تفسیری نوٹ سورۃ المدثر مکی سورۃ ہے اور فترۃ الوحی کے بعد یہ پہلی وحی ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہاں ایہا المدثر کہہ کر پکارا ہے گویا المدثر آپ کا ایک وصفی نام ہے[1]

---

[1] حضور کے اسماء مبارکہ میں آپؐ کا ایک صفاتی نام المدثر بھی ہے۔ چنانچہ اسی نام کی ایک سورۃ قرآن کریم کے پارہ ۲۹ میں ہے اور اس کے آغاز ہی میں اللہ تعالےٰ نے آپ کو اسی نام سے خطاب کیا۔ چنانچہ فرمایا

يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَأَنذِرْ ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝ وَلَا تَمْنُن تَسْتَكْثِرُ ۝ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ۝

اے چادر پوش (نبی) (۱) اٹھ اور عذاب الٰہی سے ڈرا (۲) اور اپنے رب کی کبریائی

اس پہلی وحی میں اللہ تعالےٰ نے حکم دیا کہ اپنے رب کی بڑائی بیان کر یہاں بھی اللہ تعالےٰ کی صفت ربوبیت کا اظہار کیا ہے جس میں اس راز کو اشارتاً بتایا ہے کہ آپکی کامیابی اور عظمت تدریجی ہوگی اور یہ نتیجہ ہوگی اس عظمت اور بڑائی کے اظہار کا جو تو اپنے رب کی کرتا ہے اور کریگا۔

پس جو چاہتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی صفت کبریائی کی تجلی سے استفادہ کرے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالےٰ کی عظمت وکبریائی کا اظہار زبان وعمل سے کرے۔ یعنی جب وہ زبان سے اللہ اکبر کہے تو دنیا کی ہر عظمت اس کی نظر میں ہیچ ہو۔

بقیہ حاشیہ (ص ۲۱۲) کا اظہار کر (۳) اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھ (۴) اور ہر قسم کی نجاست سے دور رہ (۵) اور تبلیغ رسالت کو بڑا کارنمایاں سمجھ کر (لوگوں پر) احسان نہ رکھ۔ (۶) اور اپنے رب کے لئے ہر قسم کی تکالیف پر صبر کر۔

اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو المدثر کے نام سے خطاب فرمایا اور جیسا کہ میں نے اسم المزمل کے متعلق بیان کرتے ہوئے لکھا کہ یہ محبت وپیار کا خطاب ہے۔ اور یہ سورۃ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ابتدائی دعوت کی سورۃ ہے۔ بلکہ یہ کہ فترۃ الوحی کے بعد یہ پہلی وحی ہے۔ دثار وہ کپڑا ہوتا ہے جو اندر کے کپڑوں کے اوپر پہنا جاتا ہے۔ جیسے شیروانی یا کوٹ یا جبہ۔ بخاری شریف میں آغاز وحی کے باب میں آتا ہے جب حرا میں آپ پر جبرئیل کا نزول ہوا تو اس کے بعد جب آپ گھر میں آئے تو

اور کسی عظمت کا خوف اور امید اس کے دل میں باقی نہ رہے اور اپنے تمام اعمال میں اسکو مد نظر رکھے کہ جو فعل اس سے سرزد ہو وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کا اظہار ہو اور وہ صرف زبان سے اللہ اکبر نہ کہتا ہو بلکہ دوسروں کو بھی اللہ تعالیٰ کی صفات سے آگاہ کرے اور دوسروں کے دلوں پر بھی وعظ و تبلیغ اور اپنے عمل سے اس کو واضح کرے۔ یہ نکتہ ان آیات پر غور کرنے سے صاف سمجھ میں آتا ہے کہ حکم تکبیر سے پہلے فانذر کا حکم ہے اور سب سے پہلے المدثر کے نام سے خطاب کر کے بتایا کہ کمالات اخلاقی و روحانی کو پیدا کرو اور طہارت نفس کے لباس سے اپنے آپ کو مزین کرو۔ اور اپنے عمل سے

بقیہ حاشیہ (صلا ۲۱۳) فرمایا زملونی زملونی مجھے کپڑا اڑھادو مجھے کپڑا اڑھادو اللہ تعالیٰ نے آپ کے اس فعل کو بھی محبت کی نظر سے دیکھا اور

یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ کہہ کر خطاب فرمایا

لیکن اس آیت کے اندر ایک خاص حقیقت بھی ملفوف ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ کو خلعت نبوت سے نوازا گیا تھا اس لئے اس خطاب میں وہی حقیقت پنہاں ہے کہ آپ کو جو لباس نبوت پہنایا گیا اس سے آپ پر کچھ ذمہ داریاں اصلاح خلق کی عاید ہو چکی تھیں ان کے لئے کھڑے ہو جاؤ اور اپنی گمراہ قوم کو مخلوق پرستی اور بد اعمالی کے برے نتائج سے خبردار اور ہوشیار کر دو اور ان بت پرستوں کے مقابلہ میں جو اپنے بتوں کی تمجید اور بڑائی کے نعرے لگاتے ہیں

اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کا نعرہ بلند کرو

دوسروں کو بھی پاک کرو اور معصیت اور اس کے بد نتائج سے لوگوں کو آگاہ کرو۔ اور یہی طریق ہے

اللہ تعالیٰ کی بڑائی کے اظہار کا

خود اپنے نفس میں طہارت پیدا کی جاوے اور پھر استقلال سے دوسروں کو گناہ سے نفرت دلائی جاوے یہ ہے ایک حقیقت تکبیر کی اور تکبیر کی مزید عملی صورت آگے بیان کرتا ہوں۔

(۲) سورۃ بنی اسرائیل پارہ ۱۵ آخری آیۃ

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ

بقیہ حاشیہ (صفحہ ۲۱۴) اللہ تعالیٰ نے تجھے ہر قسم کے شرک و بت پرستی کی نجاست سے پاک رکھا ہے۔ اس طہارت نفس کو قائم رکھ کر اور ہر قسم کی ناپاکیوں جن میں تیری قوم مبتلا ہے۔ دور رہ اور اس قوم کو ضلالت سے بچا کر نجات دینے اور حیات سرمدی کی سیدھی راہ دکھانے کا احسان لوگوں پر مت رکھ تا کہ، ہمارا لطف و احسان تجھ پر زیادہ ہو اور اس اہم فرض کی بجا آوری میں جو مشکلات پیش آئیں یا جو تکالیف اور اذیتیں پیش آئیں ان پر

اپنے رب کی رضا کیلئے صبر کر

یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی کا ایک نظام العمل ہے بظاہر یہ حکم کے رنگ میں ہے۔ لیکن دراصل یہی آپ کی عملی زندگی کا آئینہ ہے اور قرآن کریم اس کی تفصیل بیان کرتا ہے۔ کبھی کسی رنگ میں اور کبھی کسی پیرایہ میں۔

آپ کا ہر اصلی نام اپنے اندر آپ کے اخلاق اور عمل کی تصویر رکھتا ہے

وَكَبِّرْهُ تَكْبِيرًا ۝

اور اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرو جسنے بیٹا نہیں بنایا اور نہ اس کی بادشاہی میں کوئی دوسرا شریک ہے اور نہ وہ عاجز ہے کہ کوئی اس کا مددگار ہو اللہ تعالیٰ کی کبریائی کا اظہار کرو اس شان سے جو اس کا حق ہے۔

تشریحی نوٹ یہ سورۃ بنی اسرائیل کی آخری آیت ہے اور یہ بھی مکی سورۃ ہے اس سورۃ کے ابتدا اور آخر میں ایک خاص ربط اس مضمون سے ہے جو احکام القرآن کے اس باب کا ہے۔ ابتدا کو تسبیح سے شروع فرمایا سبحن الذی کہہ کر اور ختم حمد اور تکبیر پر فرمایا۔ اور سورۃ بنی اسرائیل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہر قسم کے کمالات اور کامیابیوں اور ان برکات و ثمرات کے بیان پر حاوی ہے جو آپ کو اور آپ کے واسطہ اور تاثرات قدسیہ سے آپ کی جماعت کو ملنے والی تھیں۔ اور اگر غور کیا جاوے تو ان کامیابیوں کے اصول اور گر بھی بیان کر دے اور انکی بنیاد

بقیہ حاشیہ (صفحہ ۲۱۵) اور مومن تھوڑے سے غور سے اسے اچھی طرح سے دیکھ سکتا ہے یوں کہنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے لحاظ سے آپ کے وہ فرائض رسالت و نبوۃ ہیں جو اس سورۃ کی ابتدائی آیات میں بیان کئے ہیں اور ان مختصر الفاظ میں آپ کے مستقبل کا ایک نقشہ موجود ہے۔

اللھم صل علی محمد وبارک وسلم

اخلاق فاضلہ کا حصول اور کمال ہے جس کو اس سورۃ کے تیسرے اور چوتھے رکوع میں بیان کردیا ہے۔

غرض سورۃ کی ابتدا تسبیح سے کی اور اس کو ختم حمد اور تکبیر پر کیا اور اللہ تعالیٰ کی کبریائی کے اظہار کی مزید حقیقت بیان کی،

تکبیر کی تکمیل

اس آیۃ میں تکبیر کی روح بیان کی ہے صرف اللہ اکبر کہنے سے وہ مقصد حاصل نہیں ہوتا بلکہ اس کے لئے امور ذیل پر عمل اور ایمان ہونا چاہئیے۔

(۱) اللہ تعالیٰ کی حمد کی جاوے۔

(۲) ابن اللہ کے عقیدہ سے نہ صرف خود نفرت پیدا کی جاوے بلکہ دوسروں کو اس گندے عقیدہ سے بچایا جاوے۔ یہ عقیدہ اس قدر گندہ ہے کہ قرآن مجید نے کسی دوسرے گناہ کے ارتکاب پر اس قدر نفرت اور بیزاری کا اظہار نہیں کیا جیسا اس پر چنانچہ فرماتا ہے سورۃ مریم آخری رکوع آیۃ ۹۱

"قریب ہے کہ آسمان پھٹ جاویں اور زمین شق ہو جائے۔ اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر گر جائیں (اس عقیدہ کی وجہ سے) کہ وہ رحمٰن کے لئے بیٹا تجویز کرتے ہیں۔

یہ ہیبت ناک تہدید اس عقیدہ پر کی گئی ہے اور آسمان و زمین کا پھٹ پڑتا اور آسمانوں کا ریزہ ریزہ ہو جانا ظاہر کرتا ہے۔ کہ یہ ایسا خطرناک عقیدہ ہے کہ اس کو مان لینا گویا نظام عالم کو تباہ کردیتا ہے

غرض اللہ تعالےٰ کی کبریائی کے اقرار و اظہار کیلئے اس عقیدہ سے بیزاری لازمی ہے۔

(۳) اللہ تعالےٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا۔

(۴) اللہ تعالےٰ کے قادر ہونے پر ایمان رکھنا اس لئے کہ مددگار کی تو اسے ضرورت ہو سکتی ہے۔ جو خود عاجز ہو۔

اسی سورۃ بنی اسرائیل کے رکوع ۶ آیۃ ۴۳ میں اس کی مزید تائید اور تصریح ہے فرمایا

"اللہ تعالےٰ پاک ہے (سبحانہ) اور جو کچھ یہ کہتے ہیں اس کی شان اس سے بہت بلند ہے (وہ علو کبیر ہے) ساتوں آسمان اور زمین اور کائنات جو انمیں ہے اسکی تسبیح کرتے ہیں اور اس کی حمد کرتے ہیں۔ لیکن تم انکی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔ یقیناً وہ حلیم اور غفور ہے۔

غرض اللہ تعالیٰ کی کبریائی کا اظہار اس حقیقت کو لئے ہوئے ہے۔ اس کی کبریائی کے اظہار میں تسبیح۔ تحمید اور توحید داخل ہے بغیر اس کے اللہ اکبر کی حقیقت پیدا نہیں ہوتی۔

(۳) سورۃ الحج پارہ ۱۷ رکوع ۶ آیۃ ۳۸

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ ۝

قربانیوں کے گوشت اور خون اللہ تعالےٰ کو نہیں پہونچتے لیکن اسے تمہاری طرف سے تقویٰ پہونچتا ہے اسی طرح اللہ تعالےٰ نے ان (قربانیوں کے جانوروں) کو تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی عظمت کا اظہار کرو اس امر پہ کہ اس نے تم کو ہدایت دی اور محسنین کو بشارت دو۔

تشریحی نوٹ — میں نے اس آیۃ کو لتکبروا اللہ کے بیان کے لئے پیش کیا ہے اور قربانی کا فلسفہ اور مقصد بیان کرنے کے بعد فرمایا ہے۔ لتکبروا اللہ علی ما ھداکم اور یہی کلید ہے روح تکبیر سمجھنے کے لئے۔ اللہ کی کبریائی اور عظمت کا اظہار

ہم سے کامل قربانی کا مطالبہ کرتا ہے

روح قربانی — جب تک یہ روح قربانی پیدا نہ ہو اللہ تعالیٰ کی عظمت وکبریائی کا اظہار ایک قسم کی لاف وگزاف ہے اور جب یہ روح پیدا ہو جاوے کہ وہ اللہ تعالےٰ کے حضور ہر قربانی کے لئے بشاشت حاصل کرے اور کامل تقویٰ اختیار کرے تو وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کا اظہار ایک حقیقت ہوگی قربانی کے گوشت اور خون کے نہ پہونچنے کے بیان میں تقویٰ کے پہونچنے کا ذکر کرنا بھی اسی مقصد کے لئے ہے کہ

تم اپنی حیوانیت کو ذبح کردو

تو یہ تمہارے حصول تقوے کا ذریعہ ہوگی۔ اور اسی سے تم اس قابل ہوگے کہ اللہ تعالےٰ کی عظمت کا اظہار کرد۔ اجرائے تکبیر

یہ آخری درجہ ہے اور اسی سے عمل تکبیر کی تکمیل ہوتی ہے اور اس کا
جہ یہ ہوتا ہے کہ ایسا

انسان زمرہ محسنین میں داخل ہوتا ہے

ر احسان یہ ہے کہ محسن کم سے کم یہ عقیدہ ایک کامل یقین کے ساتھ
ھتا ہو کہ اللہ تعالےٰ اسے دیکھتا ہے اور کمال احسان یہ ہے کہ
ین اللہ تعالےٰ کو دیکھتا ہے۔

یر کے متعلق کچھ اور

تکبیر (اللہ اکبر کہنا) کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے ایک
اور امر کا بیان کرنا بھی میں ضروری سمجھتا ہوں۔

قرآن کریم پر اگر تدبّر کیا جاوے تو خیر وسعادت اور علوم و
عارف کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ مگر افسوس لوگ بالعموم اسے
ض ثواب کے لئے پڑھتے ہیں حالانکہ ثواب تو عمل سے پیدا ہوتا ہے۔
ر عمل فہم سے ہوتا ہے۔ قرآن مجید نے اس حقیقت کی طرف نہایت
طیف پیرایہ میں توجہ دلائی ہے۔ وہ فرماتا ہے

"پس وہ کیوں قرآن کریم پر تدبّر نہیں کرتے کیا
ان کے دلوں پر قفل ہیں؟"

از تکبیر کا کامل مظاہرہ ہے

اس میں اسی راز کو کھولا ہے کہ قرآن کریم قلوب
کے قفل کو کھولنے کے لئے ایک کلید ہے۔ یہ ذکر
یا تمہید تھی اس امر کی جو میں یہاں بیان کرنا چاہتا ہوں۔ قرآن
یم نے عمل تکبیر کو مختلف پیرایوں میں سمجھایا ہے۔ اور عمل تکبیر کا

کامل نمونہ نماز اور قربانی کو قرار دیا ہے۔ قربانی کا ذکر میں اوپر کر دیا ہوں اور نماز کے متعلق اللہ تعالے فرماتا ہے۔ سورۃ عنکبوت پارہ ۲۱ کی پہلی آیتہ

وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ ؕ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ ؕ وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ ؕ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ۝

نماز کو قایم کرو کیونکہ نماز ہر قسم کی بے حیائی اور ہر بری بات سے بچاتی ہے اور اللہ کا ذکر ہی اللہ اکبر ہے۔

ایک نکتہ معرفت اگرچہ نماز تعوذ۔ تسبیح۔ تحمید۔ اور تکبیر سب کی جامع ہے مگر نماز میں سب سے بڑی بات تکبیر ہے۔ اللہ اکبر کہنا نماز اسی سے شروع ہوتی ہے اور اللہ اکبر کہہ کر انسان رب! دربار میں کھڑا ہوتا ہے اور اللہ کی تسبیح سے آغاز کرتا ہے سبحانک اللھم وبحمدک کہہ کر اور پھر جب وہ تسبیح بالحمد کر چکتا ہے اور اعوذ پڑھ کر سورہ فاتحہ شروع کرتا ہے تو تحمید کے مدارج کو اولاً بیان کرتا ہے پھر جب وہ نماز کے کسی رکن کو اختیار کرتا ہے تو اللہ اکبر کہتا ہے اور یہ

ذکر اللہ اکبر

کا ایک کھلا کھلا اظہار ہے۔ اور اس کی روح یہ ہے کہ نماز فحشاء اور منکر ہی سے نہیں بچاتی بلکہ وہ اس سے بڑھ کر عظیم الشان مقام کے

ل کا ذریعہ ہے جہاں رکوع اور سجود میں وہ اپنی نفسانی
شات کو کچل کر اللہ تعالیٰ ہی کی عظمت و علو کا اظہار کرتا ہے
تعالیٰ اس کی پستی کو عظمت طہارت سے آراستہ کر دیتا ہے
اس کے درجات کو بلند کرتا ہے۔

تکبیر کا عمل

اور پھر تکبیر کا بکثرت تکرار ایام تشریق اور حج میں ہوتا
ہے اور حج بجائے خود روح ہجرت پیدا کرتا ہے اور
قربانی کو بیدار کرتا ہے میں کتاب الحج میں تفصیل
ن کر چکا ہوں یہاں صرف اس مقصد کے لئے بیان کیا ہے کہ
کی حقیقت نماز اور حج کے عملی مظاہرہ میں سمجھو۔ اور حضور
الصلوٰۃ والسلام نے تکبیر کے لئے جو تعلیم فرمائی اس میں سب
شامل ہیں۔

اللہ اکبر۔ اللہ اکبر۔ لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر
اللہ اکبر وللہ الحمد

صفات الٰہیہ جو تکبیر
مدنظر ہوں

قرآن کریم نے اللہ تعالیٰ کے جو صفات بیان کئے
ہیں ان میں بعض صفات اللہ تعالیٰ کی کبریائی
کے اظہار کے لئے ہیں اس لئے جب مومن تکبیر کہے
ن صفات کو مدنظر رکھنا چاہئے۔ میں نے اپنی تالیف
سماء الحسنیٰ میں صفات الٰہیہ پر کسی قدر تفصیل سے بحث
ہے یہاں میں اسی قدر اشارہ کرتا ہوں کہ صفات الٰہی میں

وہ اسماء بکثرت ہیں جو اللہ تعالیٰ کی عظمت وکبریائی کے مظہر ہیں۔ مثلاً کبیر۔ عظیم۔ متکبر۔ ذوالجلال۔ رفیع الدرجات۔ ذوالمعارج المتعالی وغیرہم۔

احکام تکبیر کے سلسلہ میں اخلاقی سبق

اس موقعہ پر میں ان اخلاق کا ذکر کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں جو اللہ تعالیٰ کی اس صفت کے تحت آتے ہیں یہ اخلاق دو قسم کے ہیں ایک وہ جو اخلاق فاضلہ کہلاتے ہیں اور دوسرے وہ ہیں جو احکام قرآنی کی تعمیل نکرنے کیوجہ سے رزائل کا رنگ اختیار کر لیتے ہیں۔

ایک نکتہ معرفت

یاد رکھو اللہ تعالیٰ کی صفات دراصل انسان کی اخلاقی اور روحانی قوتوں کے حقیقی جوہر کو نمایاں کرنے کے لئے ایک موثر ذریعہ الٰہی ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تخلقوا باخلاق اللہ اللہ تعالیٰ کے اخلاق اپنے اندر پیدا کرو۔ یعنے اپنے اعمال میں ان صفات کی تجلیات سے استفادہ کرو۔

صفت متکبر کی تجلی

اس اصل کو مدنظر رکھتے ہوئے سوال ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت متکبر کے زیر اثر کن اخلاقی قوتوں کا نشوونما ہوگا؟

اس کے جواب میں قرآن مجید نے جب یہ فیصلہ کردیا کہ اللہ تعالیٰ کی کبریائی علو کبیر ہے اور اللہ اکبر ہی وہ مقام ہے

تو انسان کے اندر کبریائی کا وہ رنگ نہیں ہو سکتا اس لئے کہ صفات الہیہ کے متعلق تو فرمایا لیس کمثلہ شئی

رزائل اور فضائل کا منبع ایک ہی ہے

یہاں میں اس مغالطہ کو بھی رفع کر دینا چاہتا ہوں جو بعض لوگوں کو حقیقت کے نہ سمجھنے سے لگتا ہے۔ جبکہ وہ ایک ہی قسم کے دو فعل دیکھتے ہیں۔ اور ان میں سے ایک اخلاق فاضلہ کہلاتا ہے دوسرا اسی رنگ کا مذموم ہو جاتا ہے۔ مثلاً ایک شخص ضد کرتا ہے وہ معیوب سمجھا جاتا ہے۔ دوسرا اپنے مقصد کے لئے اپنے مقام سے نہیں ہٹتا۔ اور وہ صاحب عزم کہلاتا ہے۔

اصل یہ ہے کہ اخلاق تو طبعی قوتوں کی تعدیل کا نام ہے اس کا منبع ایک ہی ہوتا ہے۔ جب استعمال صحیح نہ ہو تو وہ بداخلاقی ہو جاتی ہے۔ اور صحیح استعمال کا نام اخلاق ہوتا ہے۔

قرآن کریم کا بے مثل فلسفہ

قرآن کریم نے آغاز ہی میں اس حقیقت کو اس طرح پر مبرہن فرمایا کہ قوائے انسانی کا استکبار اور استخفاف دونوں انسانی اخلاق کے دشمن ہیں اور دونوں صورتوں میں اخلاق ذمیلہ پیدا ہو جاتے ہیں اپنے قوتوں کے استکبار کی وجہ سے انسان قبول حق سے محروم ہو جاتا ہے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی پر جرات کرتا ہے اسکی مثال قرآن کریم نے ابلیس کے بیان میں دی ہے۔

ابٰی واستکبر وکان من الکافرین

استکبار کی وجہ

ابلیس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور یہ نافرمانی استکبار سے کی اور نتیجہ یہ ہوا کہ کافر ہو گیا اور جب انسان اپنی خداداد قوتوں کو حقیر سمجھتا ہے تو اس میں بزدلی۔ مداہنت اور نفاق پیدا ہو جاتا ہے۔ اس قدر بیان مجھے ان اخلاق کی حقیقت سمجھانے کے لئے کرنا پڑا جو اللہ تعالیٰ کی صفت متکبر وغیرہ کی تجلی کے سلسلہ میں پیدا ہوتے ہیں۔ اب میں ان دونوں صورتوں کو ذیل میں پیدا ہونے والے ذمائم اور اخلاق کا ذکر کرتا ہوں

اخلاق ذمائم

ابھی میں نے بتایا ہے کہ استکبار کی وجہ سے انسان قبول حق سے محروم ہو جاتا ہے اور ابلیس صفت ہو کر ان تمام بدیوں کا مرتکب ہو جاتا ہے جو قرآن کریم نے ابلیس کے متعلق بیان کی ہیں۔ اس پر جس قدر غور کرو گے قرآن کریم سے اس کے شواہد ملیں گے۔

لغت عرب میں کِبر انسان کی اس حالت کا نام ہے جبکہ وہ اپنے آپ کو دوسروں سے بڑا اور ممتاز سمجھے اور اپنے نفس پر فخر کرے۔ چنانچہ قرآن مجید نے اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

(۱) سورۃ النساء پارہ ۵ آیۃ ۳۷

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ مَنْ کَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا

الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ وَیَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَیَکْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّهِیْنًا ۞

بے شک اللہ تعالےٰ تکبر کرنے والوں اور فخر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو خود بھی بخل کرتے ہیں اور دوسروں کو بخل کرنے کا حکم دیتے ہیں اور اللہ تعالےٰ نے جو کچھ انہیں اپنے فضل سے دیا ہے اسے چھپاتے ہیں اور ہم نے کافروں کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب رکھا ہے۔

تفسیری نوٹ اس آیۃ میں اللہ تعالےٰ نے تکبر کی دو حالتوں کا ذکر فرمایا اور یہ کہ یہ دونوں حالتیں انسان کو اللہ تعالیٰ کی محبت سے محروم کر دیتی ہیں۔ اور بعض دوسرے رزائل پیدا کر دیتی ہیں۔ ان میں سے ایک مختال ہے دوسری فخر۔ مختال اور فخور میں یہ فرق ہے کہ جب انسان اپنے نفس کو بڑا خیال کرتا ہے اور اس بڑائی کا خیال کر کے دوسروں کے ساتھ نفرت اور حقارت کے جذبہ میں اس حد تک ترقی کرتا ہے کہ اس میں بخل پیدا ہو جاتا ہے۔ نہ صرف خود بخل کرتا ہے بلکہ دوسروں کو بھی بخل کرنے کی تعلیم دیتا ہے اور فخر مال و مرتبہ کی بڑائی کے اظہار سے پیدا ہوتا ہے۔ اور فخور زبان سے (اپنے منہ میاں مٹھو) اظہار کرتا ہے۔ اس آیۃ میں اللہ تعالےٰ نے مختار اور فخور کے رزائل میں بخل کو داخل کیا اور اس میں یہاں تک ترقی کرتا ہے کہ اللہ تعالےٰ

کے دئیے ہوئے فضل کا اخفا کرتا ہے۔

اس سے اس بات کا بھی پتہ ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و انعام کو عملی رنگ میں ظاہر کرنا جبکہ اس میں نمائش اور ریا نہ ہو فخر نہیں کہلاتا بلکہ وہ اما بنعمت ربک فحدث کے ذیل میں آتا ہے اور اس کا معیار یہ ہے کہ اچھے لباس اچھے مکان یا مرتبہ کی وجہ سے انسان قبول حق سے نہ رکے اور دوسروں کو حقیر نہ سمجھے چونکہ ایسا انسان دوسروں کو حقیر سمجھتا اور انکی اعانت و ہمدردی سے بوجہ بخل محروم ہو جاتا ہے تو

اللہ تعالیٰ کا محبوب کیونکر بن سکتا ہے

یہ آیت شروع ہوتی ہے واعبدوا اللہ اور دوسری اخلاقی تعلیمات کی جامع ہے گویا حقوق اللہ اور حقوق العباد کو بیان کرتی ہے ان احکام کے بعد یہ فرمایا کہ مختال اور فخور اللہ کا محبوب نہیں بن سکتا اس سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ تکبر انسان کو تمام حسنات سے محروم کر دیتا ہے۔

(۲) پھر قرآن کریم میں ایک دوسرے مقام پر فرماتا ہے۔

سورۃ ہود پارہ ۱۲ آیۃ ۹ و ۱۰ و ۱۱ میں انسان کی عملی حالت کا ایک نقشہ پیش کیا ہے۔ کہ اگر انسان کو اپنی رحمت چکھائیں اور پھر اسے لے لیں تو مایوس اور ناشکرا ہو جاتا ہے اور اگر دکھ کے بعد جو اسے پہنچا ہو سکھ پہنچائیں تو ڈینگیں مارتا ہے۔ اور کہتا ہے سب تکلیفیں مجھ سے جاتی رہیں۔ یقیناً وہ شیخی باز اور اترانے والا ہے

یہاں اللہ تعالیٰ نے فرح فخور کے الفاظ استعمال کئے
۔ فرح آنی خوشی پر بولا جاتا ہے اور عموماً اس قسم کی خوشی پر جو
ت دنیا سے تعلق رکھتی ہو۔ اس آیت میں فخر کی ایک دوسری کیفیت
ن کی ہے۔

میں نے بطور نمونہ یہ تشریح کی ہے۔ قرآن کریم کے
ن کریم سمجھنے کا گر — سمجھنے کے لئے اگر اس کے مختلف مقامات کو ایک نظر
دیکھا جاوے۔ تو اس کے مطالب و معارف خود بخود حل ہوتے
تے ہیں۔

غرض تکبر کی وجہ سے اس طرح پر انسان اپنے مقام عظمت
گر جاتا ہے اور نیکیوں سے بچی نہیں قبول حق سے محروم ہو جاتا
دہ بچہ ابلیس میں چلا جاتا ہے اور پھر اس کے ذیل دشمن میں
انکاری۔ خود بینی۔ نکتہ چینی۔ مزاج میں تندی وغیرہ امراض رذیلہ
دا ہو جاتے ہیں۔ اور اگر اپنی شرافت نفس کا خیال رکھتے ہوئے
لہ تعالیٰ کی اس نعمت کا کہ انسان کو اس نے عزت کا مقام دیا ہے
کر کرے۔ تو اس میں تواضع۔ عالی ہمتی رحمت و شفقت اور رحم
اپنی جیسے فضائل پیدا ہو جائیں گے۔
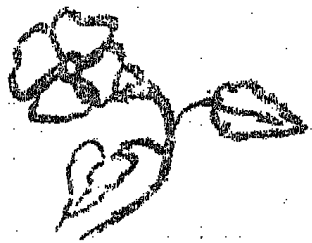
ذکر (۵)

ذکر

ان اعمال لسانی میں سے جو انسان کو قرب الٰہی کی طرف لے جاتے ہیں اور جن پر مداومت اور عمل سے اس کے نفس کا تزکیہ ہوتا ہے اور اس کے اندر اخلاق الٰہیہ کا پرتو پڑتا ہے ایک عمل

ذکر اللہ ہے

اگرچہ تسبیح۔ تحمید۔ اور تکبیر اور تعوذ یہ بھی ذکر ہی کے اجزاء ہیں لیکن جیسا کہ میں پہلے بیان کر آیا ہوں اس پر الگ بحث کروں گا۔ قرآن کریم سے اس کے متعلق احکام بیان کرتا ہوں۔ وباللہ التوفیق

ذکر و فکر

اس خصوص میں پہلے یہ یاد رکھنا چاہئے کہ قرآن کریم نے ذکر و فکر دو قوتوں کا اظہار کیا ہے اور وہ انسان کے اندر ذکر اور فکر کی قوتوں کو نشو و نما دیتا ہے۔ اور ان دونوں قوتوں کی تربیت اور نگہداشت کرنے والے مومنوں کو قرآن کریم کی اصطلاح میں اولوا الالباب کہا گیا ہے چنانچہ فرماتا ہے۔

دیکھو سورۃ آل عمران پارہ ۴ رکوع ۲۰ آیۃ ۱۹۰

الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ج رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا
بَاطِلًا ج

اولوالالباب وہ لوگ ہوتے ہیں جو اللہ تعالےٰ کا ذکر کھڑے بیٹھے اور
لیٹے (کروٹیں بدلتے ہوئے) کرتے رہتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی خلق
میں فکر کرتے رہتے ہیں۔ (اس ذکر اور فکر کے نتیجہ میں بے اختیار کہتے ہیں)
اے ہمارے رب تو نے اسے بے فائدہ پیدا نہیں کیا۔ یقیناً تیری ذات اس
سے پاک ہے کہ کوئی چیز باطل پیدا کرے اے ہمارے رب ہم کو عذاب نار
سے محفوظ رکھ!

بجی نوٹ

اس آیت میں ذکر اور فکر کی قوتوں کا ایسے رنگ میں
بیان فرمایا ہے کہ وہ ایک طرف تزکیہ نفس کرتی ہیں۔
سری طرف حقائق الاشیاء کے معلوم کرنے کی طرف توجہ
تی ہیں۔

ذکر اللہ سے جبکہ ہر حالت میں انسانی قلب اس سے غافل
کری قوتوں میں بھی نشو ونما ہوتا ہے کیونکہ فکر کا نتیجہ تو یہ ہے
لیے انسان پر کائنات کے حقائق کا دفتر کھل جاتا ہے اور وہ
مان اور زمین کی خلق پر جب صحیح طریق سے غور کرتا ہے
سے اللہ تعالےٰ کی ہستی اور اس کی قدرت پر ایک معرفت
ہر یقین پیدا ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اس مخلوق میں
ا چیز فضول اور بیکار نہیں بلکہ وہ اپنے اندر مختلف قسم کے

خواص اور عجائبات رکھتی ہے۔

ایک نکتہ معرفت اس آیت میں جہاں اللہ تعالے نے سائنس کے انکشافات اور علوم جدیدہ کے تجربات کیطرف توجہ دلائی اور اس طرح پر ذہنی قوتوں کے نشو ونما اور تکمیل کی طرف اشارہ کیا وہاں ذکر اللہ کو مقدم کر کے اس طرف توجہ دلائی ہے کہ دماغی بلند پروازیاں کچھ حقیقت نہیں رکھتی ہیں۔ جب تک تزکیہ نفس اور ذکر اللہ کا شغل نہ رہے چاہیئے کہ کسی وقت انسان اس سے غافل نہ رہے۔

افسوس ہے کہ بعض اقوام عالم نے کائنات کی تخلیق کی حقیقت پر غور نکر کے کائنات کی بیشتر چیزوں کو اپنا معبود بنالیا۔ اور جنہوں نے صرف فکری قوتوں ہی کی تربیت کی انہوں نے خالق کائنات کا انکار کر دیا۔

اس لئے قرآن مجید نے ذکر اور فکر کو ساتھ رکھا اور ایک مسلمان کو اللہ تعالےٰ نے متوجہ کیا کہ سائنس اور علوم جدیدہ میں تو غل بھی اس کا ایک فرض ہے لیکن اس کی تکمیل مقصد نہیں ذریعہ ہے ذکر الٰہی کا کہ اس سے معرفت کے دروازے کھلتے ہیں۔

آخر میں جب یہ فرمایا کہ کوئی چیز اس خلق میں بے کار و بے معنی نہیں اس لئے ایسا نہ ہو کہ ان چیزوں کو ہی معبود قرار دے

جائے۔ اس لئے فرمایا سبحانک تمام نقائص سے پاک
اللہ تعالٰے ہی کی ذات ہے اور عذاب نار سے بچنے کا یہی ذریعہ ہے
اللہ تعالٰے کی تسبیح اور ذکر کرتے رہو۔

آگ کا عذاب انسان کے اندر جب وہ مختلف قسم کے گناہوں
کا ارتکاب کرتا ہے شروع ہو جاتا ہے اور دوزخ در حقیقت کا مصداق
ہوتا ہے۔ اس طرح پر عذاب النار سے بچنے کی دعا اور سبحانک
کے بعد یہ سبق دیتی ہے کہ اللہ تعالٰے کی پاکیزگی بیان کرنے کا مقصد
یہی ہے کہ اپنے نفس کو ہر قسم کی آلودگیوں سے پاک کرو۔

(۲) سورۃ الروم پارہ ۲۱ رکوع اول آیت ۹

أَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوا فِي أَنفُسِهِم مَّا خَلَقَ
اللَّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا
بِالْحَقِّ وَأَجَلٍ مُّسَمًّى ۗ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ
النَّاسِ بِلِقَاءِ رَبِّهِمْ لَكَافِرُونَ ۝

کیا انہوں نے اپنے اندر غور نہیں کیا کہ اللہ تعالٰے نے آسمانوں اور
زمین کو اور اس کائنات کو جو ان کے درمیان ہے حق کے ساتھ اور
ایک وقت مقرر کے لئے پیدا کیا ہے اور بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ
وہ اپنے رب کی ملاقات کا انکار کرنے والے ہیں

(تشریحی نوٹ) اس آیت میں اس پہلی آیت کی تفسیر ہے
جس میں یہ تھا کہ کسی چیز کو باطل نہیں پیدا کیا تھا اور یہاں اشارۃ

رنگ میں بتایا کہ ہر چیز اپنے اندر ایک حقیقت رکھتی ہے اور ساتھ
ہی یہ بھی بتایا کہ اس خلق کے لئے ایک وقت مقرر ہے آخر اس پہ
فنا آجائے گی جیسا دوسری جگہ فرمایا کل شیء ھالک
قرآن کریم نے متعدد مقامات پر جیسے قوت ذکر کے لئے
تاکید کی ہے قوت فکر کے لئے بھی

یاد رکھنے کی بات

قرآن کریم جہاں جہاں قوت فکر کو اپیل کرتا ہے
وہاں تخلیق عالم کو بیان کرتا ہے میں ذیل میں
صرف بعض حوالہ جات قرآن مجید کے پیش کر دیتا ہوں۔

(۱) سورہ رعد پارہ ۱۳ رکوع اول آیۃ ۳ و ۴

اللہ تعالٰے وہ ہے جس نے آسمانوں کو بغیر ایسے ستونوں کے بلند
کیا جنہیں تم دیکھتے ہو۔ پھر عرش پر قرار پکڑا اور سورج اور چاند
کو مسخر کر دیا ہر ایک ایک مقررہ وقت تک چل رہا ہے۔ وہ کاروبار
کی تدبیر کرتا ہے تاکہ تم اپنے رب کی ملاقات کا یقین کرو (۳) اور وہی
ہے جس نے زمین کو پھیلایا۔ وغیرہ اور آخر میں فرمایا

ان فی ذالک لایات لقوم یتفکرون

(۲) پارہ ۱۴ رکوع ۲ آیۃ ۱۰-۱۱

اللہ وہی ہے جو تمہارے لئے بادل سے پانی اتارتا ہے اس سے
پینے کا کام لیا جاتا ہے اور اس سے درخت پرورش پاتے ہیں (۱۰)
اسی پانی سے تمہارے لئے وہ کھیتی اگاتا ہے اور کھجور انگور اور ہر

قسم کے پھل پیدا کرتا ہے۔ ان تمام میں فکر کرنے والوں کے لئے نشانات ہیں۔

اس آیت میں مختلف علوم کی طرف توجہ دلائی ہے۔ زراعت فلاحت۔ علم الاثمار۔ علم الماء وغیرہ

غرض ایسے تمام مقامات میں اسی طرح پر فکری قوتوں کو بیدار کیا ہے اور علوم جدیدہ کی طرف توجہ دلائی ہے۔

نادان ملا کے سامنے جب مغربی علوم کا ذکر کیا جاوے تو وہ کفر کے فتوے دینے کو تیار ہو جاتا ہے میں نے یہ تمہیدی نوٹ اس مقصد سے لکھا ہے کہ قرآن مجید ذکر و فکر کی قوتوں کو بیدار کرتا ہے اب میں ان احکام قرآنی کو لکھتا ہوں جو ذکر کے متعلق آئے ہیں۔

(۱) سورۃ بقرہ پارہ ۲ رکوع ۱۹ آیۃ ۱۵۴

فَاذْكُرُونِيٓ أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ ۝

پس میرا ذکر کرتے رہو۔ میں تمہیں یاد رکھوں گا۔ اور میرا شکر کرو اور ناشکری نہ کرو۔

ذکر سے کیا مراد ہے

ذکر کے لغوی معنے تو یہی ہیں کہ کسی چیز کو یاد رکھنا اور یہ دو طرح پر ہوتا ہے زبان سے بار بار تکرار

ذکر الٰہی پر حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے دسمبر ۱۹۱۶ء میں ایک تقریر سالانہ جلسہ پر کی تھی اور وہ طبع ہو چکی ہے اسے قارئین کرام مزید واقفیت کے لئے پڑھیں میں تو اپنے مذاق پر اور اس کتاب کے موضوع کے لحاظ سے بحث کروں گا (عرفانی الکبیر)

کرنا اور دل میں محفوظ کر لینا اور ذکر کر کے معنوں میں تعریف کرنا بھی ہے
اور ذکر کے معنوں میں عزت و شرف بھی پایا جاتا ہے۔

پس ان تمام معنوں کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ کہا جائے گا کہ ذکر اللہ سے مراد اللہ تعالیٰ کی تحمید۔ تسبیح اور اس کی صفات حسنہ کا تکرار اور اس کے نام کو بلند کرنے کی کوشش ہے۔

ذکر و شکر

جس طرح پر قرآن مجید ذکر و فکر کی قوتوں کو نشو و نما دیتا ہے اسی طرح ذکر قوت شکر کو بھی جلا دیتا ہے بلکہ شکر بھی ذکر کی ایک قسم ہے۔ یا یوں کہو کہ شکر بھی ذکر میں داخل ہے۔ اور ان دونوں قوتوں کا باہم تعلق ہے۔ اور جیسا کہ میں نے ابھی کہا ہے ہر ایک دوسرے کے لئے ذریعہ ترقی ہے اس لئے اقسام ذکر میں سے ایک قسم ذکر کی ذکر نعمت ہے چنانچہ فرماتا ہے

ذکر نعمت

سورۃ آل عمران پارہ ۴ رکوع ۱۱ آیۃ ۱۰۱

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ۝ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا ص وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا ج وَكُنْتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ

لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ○

ترجمہ مومنو! تقویٰ اللہ اختیار کرو جو تقویٰ کا حق ہے اور تم کو موت نہ آئے مگر ایسی حالت میں کہ تم فرمانبردار (مسلم) ہو (۱۰۱)

اور اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑے رہو سب کے سب مل کر اور تفرقہ مت کرو اور اللہ کی نعمت کا ذکر کرو وہ نعمت جو تم پر ہے تم آپس میں دشمن تھے پس اس نے تمہارے قلوب میں الفت پیدا کر دی اور صبح تم پر ایسی حالت میں آئی کہ تم باہم بھائی بھائی تھے یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت تھی اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے تو اللہ تعالیٰ نے تم کو اس گڑھے میں گرنے سے بچا لیا

اس طرح پر اللہ تعالیٰ تمہارے نفع کے لئے اپنی آیات کو کھول کھول بیان کرتا ہے تاکہ تم ہدایت پا جاؤ۔

تشریحی نوٹ اس آیت کریمہ سے پیش تر صرف اسلئے کیا تھا کہ اس نے انعامات الہیہ پر شکر کرنے کا حکم دیا ہے۔ مگر ان دونوں آیات میں بعض احکام آئے ہیں۔ جن پر ہیں سے نمبر دیئے ہیں یہ احکام قومی ترقی کیلئے گر کے طور پر بیان فرمائے ہیں ان انعامات الہیہ کا ذکر بھی کیا ہے جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہوئے۔

اس سارے رکوع میں اللہ تعالیٰ نے کامیابی کے اصول بتائے ہیں کہ کس طرح پر مسلمان ایک کامیاب قوم بن سکتا ہے۔ انہیں بتایا گر تقویٰ اللہ بتایا اور ایسے رنگ میں کہ تقویٰ کے تمام مراتب انہیں

پائے جائیں جب تک وہ کامل رنگ اختیار نہ کیا جاوے وہ روح فلاح پیمانہ ہوگی اس لئے فرمایا حق تقاتہٖ

ایک نکتہ معرفت

یہاں میں ایک نکتہ معرفت بیان کرنے کے بغیر آگے نہیں جا سکتا اور وہ یہ ہے کہ قرآن کریم اجتماعیات کو مد نظر رکھتا ہے یہاں کسی ایک فرد کو حکم نہیں دیا بلکہ جماعت مومنین کو

اس میں شک نہیں کہ جماعت خود افراد سے بنتی ہے اس لئے نہایت بلاغت کے ساتھ اس حکم میں اس نکتہ کو بیان کیا کہ ہر فرد اپنی جگہ پورا پورا احساس تقوے پیدا کرے تاکہ جماعت مومنین میں ایک شخص بھی ایسا نہ رہے کہ اس کی کمزوری دوسروں کو بھی ناکام بنا دے۔ اسی لئے آگے جو مثال حبل اللہ کو مضبوط پکڑنے کی دی ہے یہ ایک مشاہدہ ہے کہ اگر رسّہ کشی میں ایک شخص بھی کمزوری دکھائے تو باقی جماعت کی کامیابی مشکوک ہو جاتی ہے۔

حق تقاتہٖ کے معنے سمجھنے کے لئے ہم کو خود قرآن کریم سے مدد ملتی ہے۔

چنانچہ فرماتا ہے پارہ ۲۸ سورۃ التغابن آیۃ ۱۶

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ

تقوی اللہ اختیار کرو جہاں تک تمہاری طاقت ہے

اور میں اسی کتاب میں بیان کر دیا ہوں۔ کہ قرآن کریم

نے فوق الطاقت احکام شریعت نہیں دیئے ہیں۔

دوسرا اصل کامیابی

اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑے رہو۔ حبل اللہ سے مراد قرآن کریم ہے۔ یعنے تمہارا عمل قرآن کریم پر ہو اور قرآن کریم سے الگ نہ ہو۔ اور باہم تفرقہ نہ کرو یادرکھو قرآن کریم نے یہاں تفرقوا کا لفظ استعمال فرمایا ہے اختلاف کا لفظ استعمال نہیں کیا۔

تفرقہ سے اتحاد باقی نہیں رہتا اس کے معنوں میں جدا ہو جاتا ہے تفریق میں کچھ حصہ الگ ہو جاتا ہے۔ اختلاف تو آیات اللہ میں سے ہے اور اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

میری امت کا اختلاف رحمت ہے

یعنے مختلف دماغ مختلف کام کر کے ایجادات کر سکتے ہیں۔ قومی ترقی کی مختلف تجویزیں عمل میں لا سکتے ہیں غرض یہ کامیابی کا دوسرا اصل ہے جس کو اتحاد قومی کہنا چاہئے اور اس لئے ہی پہلے واعتصمو فرمایا تاکہ تفرقہ کا مفہوم سمجھ میں آجاوے۔

تیسرا اصل

کامیابی کا تیسرا اصل انعامات الہیہ کا یاد رکھنا ہے۔

قرآن کریم کے اعجاز میں اس کا اسلوب بیان ہے۔ اس اتحاد کے حکم کے ساتھ وہ طریق بتایا جو وحدت قومی کو مضبوط

بنا دیتا ہے اور وہ ہے انعامات الٰہیہ کا ذکر (یاد) اساسی طور پر اعتصام بہ حبل اللہ تھا اور قرآن کریم پر عمل تھا اس عمل کیلئے جب انسان انعامات الٰہیہ کا ذکر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی محبت اس کے قلب میں پیدا ہو جاتی ہے۔ اور یہ مشاہدہ پیش کیا کہ اسی قرآن کریم نے تورات کو دشمن سونے والوں کو صبح کو بھائی بھائی بنا دیا اور خطرناک آگ سے انکو بچا لیا۔

اب میں قرآن کریم کے بعض دوسرے مقامات کو بھی پیش کر دیتا ہوں جن میں ذکر نعمت کا حکم ہے۔

(۲) سورۃ المائدہ پارہ ۶ رکوع ۲ آیۃ ۶

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ هَمَّ قَوْمٌ أَنْ يَبْسُطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ

مومنو! اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو یاد کرو جب ایک قوم نے تم پر دست درازی کا ارادہ کر لیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے تم پر انکی دست درازی کو روک دیا (تم کو محفوظ کر لیا) اور تقویٰ اللہ اختیار کرو اور مومن تو اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسہ کرتے ہیں۔

تشریحی نوٹ اس آیۃ ذکر نعمت کے حکم کے ذیل میں تقویٰ اللہ اور توکل علی اللہ کا بھی حکم دیا ہے اور

اس نعمت کو بھی یاد دلایا۔

اس آیت کے شان نزول کے متعلق بعض بیانات ہیں مگر قرآن کریم کا حکم اور عمل دائمی ہے اس میں کہا گیا ہے کہ کفار مکہ نے تنہا اور کبھی ساتھ دوسروں کو ملا کر مسلمانوں کو اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہلاک کرنے کی مختلف کوششیں کیں اور وہ اس میں ناکام رہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تو پہلے سے ہی بشارت دے دی تھی کہ دشمن آپ پر قابو نہ پا سکیں گے۔ واللہ یعصمک من الناس

اس رکوع میں ذکر نعمت کا مختلف رنگوں میں بیان ہوا اور ایک آیت میں جو وضو کے متعلق ہے طہارت کو ذریعہ اتمام نعمت فرمایا اور مقصد اس سے یہ قرار دیا کہ طہارت اتمام نعمت ہی کا ذریعہ ہیں۔ اس سے قوت شکر بھی پیدا ہوتی ہے۔

بظاہر تو وہاں طہارت جسمانی کا ذکر ہے لیکن وہ طہارت جو بذریعہ وضو کی جاتی ہے وہ نماز جس کو ذکر بھی کہا گیا کا پیش خیمہ ہے اور نماز معراج المومنین ہے اور اس میں ہر قسم کی نعمتوں کو داخل کیا ہے۔

اس طرح بعض دوسرے مقامات پر بھی اذکروا نعمت اللہ کا حکم دیا ہے جیسے سورۃ فاطر پارہ ۲۲ رکوع اول میں ہے۔

یہ ذیلی ذکر احکام ذکر میں ذکر نعمت کا آگیا اب میں پھر اصل مطلب کی طرف رجوع کرتا ہوں اور ان احکام کو جو ذکر کے متعلق ہیں بیان کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ وباللہ التوفیق

ذکر اللہ کے طریق

میں نے اپنی تالیفات میں قرآن کریم کے اسلوب بیان کا ذکر کرتے ہوئے یہ امر واضح کیا ہے کہ قرآن مجید جب کوئی حکم دیتا ہے تو اس حکم کے وجوہ اس کے اغراض اور ثمرات و نتائج کو بیان کرتا ہے۔

ذکر کا حکم دیا اس کے مختلف طریق اور اس کے ثمرات کا بھی ذکر فرمایا جیسا کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے

(۱) سورہ انفال پارہ ۱۰ رکوع ۶ آیۃ ۴۵

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ

مومنو جب تمہارا مقابلہ (دشمن کی) کسی جماعت سے ہو جاوے تو ثابت قدم رہو (ہمت نہ ہارو) اور کثرت سے ذکر اللہ کرو اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم کامیاب ہو جاؤ گے۔

تشریحی نوٹ

اس آیت اور اس کے بعد کی آیت میں بھی دشمن سے مقابلہ کے وقت کامیابی اور کامرانی کے اصول تعلیم کئے ہیں اور وہ یہ ہیں۔

(۱) ثابت قدم رہو۔ استقامت ایک ایسی شئے ہے کہ وہ ہمت کو

قائم رکھتی ہے اور میدان جنگ میں جب تک ہمت اور استقلال قائم ہے کامیابی کا یقین ہے۔

(۲) ذکر اللہ کثرت سے کرو۔ دراصل ذکر اللہ ہی کامیابی کا سرچشمہ ہے کیوں اس لئے کہ ثبات قدم اور استقلال موقوف ہے دل جمعی پر اور اطمینان قلب پر اور یہ چیز حاصل ہوتی ہے۔ ذکر الٰہی سے جیسا کہ فرمایا آگاہ رہو کہ قلوب کا اطمینان ذکر اللہ سے وابستہ ہے۔ یہ اطمینان ذکر اللہ سے پیدا ہوتا ہے اور جب دل مضبوط ہو تو شکست کا خیال بھی نہ آسکے گا۔ اس میں شجاعت کے ذرائع کا فلسفہ بھرا ہوا ہے۔

(۳) پھر اگلی آیت میں فرمایا کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرو اور آپس میں جھگڑا نہ کرو۔ اس لئے کہ باہمی نزاع سے تمہاری، ہمت پست ہو جائے گی۔ اور تمہاری ہوا نکل جائے گی۔ اور صبر کرو اس لئے کہ اللہ صابروں کے ساتھ ہے

(۴) ان لوگوں کا طریق عمل اختیار نہ کرو جو اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے اور اپنی نمائش اور ریاکاری کے جذبات لے کر جنگ کے لئے نکلے اور اس جنگ میں ان کا مقصد اسی قدر تھا کہ لوگوں کی راہ سے روکیں۔ (یاد رکھو) جو کچھ یہ لوگ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔

میں نے صراحت کے لئے اور حقیقت کو قریب الفہم کرنے کے لئے

۴۸ آیت تک کا خلاصہ بیان کر دیا ہے۔ ذکر اللہ کا حکم میدان جنگ میں بھی کامیابی کی کلید بتایا۔ اور اس ذکر کے ثمرات میں بعض اخلاق فاضلہ کو بطور ثمرات بیان کر دیا۔

(۲) سورۃ طٰہٰ پارہ ۱۶ رکوع اول آیتہ ۱۴

إِنَّنِي أَنَا اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي ○

بے شک میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود، مطلوب اور محبوب نہیں پس مجھے یاد کرو۔ اور میرے ذکر کے لئے نماز کو قائم کرو۔

تشریحی نوٹ — اس آیتہ میں ذکر اللہ کا ایک طریق بتایا کہ نماز کو قائم کرو اور اس میں کیا شبہ ہے کہ نماز ذکر اللہ کی تمام صورتوں کی جامع ہے اس میں تسبیح ہے۔ تحمید ہے۔ دعا ہے اور نماز کو معراج المومنین کہا گیا ہے۔ نماز گویا ام الاذکار ہے۔ اور اس کے لئے لکھا ہے الذکر اللہ اکبر میں چونکہ نماز کے متعلق ایک مستقل کتاب حقیقت نماز لکھ چکا ہوں اس لئے یہاں مزید تشریح نہیں کرتا علاوہ ازیں اس کتاب کا موضوع احکام القرآن کو مختصر تشریح کے ساتھ بیان کرنا ہے اس سے زیادہ نہیں۔

ذکر الٰہی کے اوقات — ذکر اللہ کے حکم کے ضمن میں احکام بھی داخل ہیں جو ذکر کے لئے اللہ تعالیٰ نے مقرر کر دیئے ہیں۔

اوقات ذکر کی تفصیل میں بعض اوقات کا ذکر میں تسبیح وتحمید کے ذیل میں کر چکا ہوں اور نماز کے اوقات بھی اسی میں آجاتے اب میں ان اوقات کے علاوہ ذکر کے مواقع بیان کرتا ہوں۔

(۱) اللہ تعالیٰ کا ذکر ہر حالت میں کرنا چاہئے یعنے انسان کسی وقت بھی ذکر اللہ سے غافل نہ ہو۔

مومن اور کمال

یہ مومن کا کمال ہے یعنے جب وہ ایمان باللہ کے اس مقام پر پہونچ جاتا ہے تو وہ دنیا کے عام کاروبار میں مصروف ہوتے ہوئے بھی ذکر اللہ سے غافل نہیں ہوتا۔

قرآن مجید اس کی طرف اس طرح پر صراحت فرماتا ہے۔

دیکھو سورہ نور پارہ ۱۸ رکوع ۱۵ آیتہ ۳۸

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝

یعنے ایسے لوگ جنہیں تجارت اور خرید و فروخت اللہ کے ذکر اور نماز کے قائم کرنے سے اور زکواۃ دینے سے غافل نہیں کرتی (کیوں؟ اس لئے کہ) وہ اس دن سے ڈرتے ہیں جب دل اور آنکھیں الٹ جائیں گی اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ ان کو اس کا

بہترین بدلہ دیتا ہے ان اعمال کا جو وہ کرتے تھے اور اپنے فضل سے انہیں بڑھاتا ہے اور اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے۔

اس سے پہلی آیۃ میں ذکر اللہ ہی کا ذکر ہے کہ وہ صبح و شام اللہ کی تسبیح کرتے ہیں۔ یہاں ذکر اللہ کی ایک شان تسبیح کا ذکر ہے اس سے کسی کو خیال آسکتا تھا کہ شاید یہ لوگ ترک دنیا کر کے راہب بن جاتے ہوں فرمایا ایسا نہیں وہ اپنی تجارتیں کرتے ہیں۔ دنیا کے کاروبار میں مصروف رہتے ہیں گھر بار ہیں وہ کاروبار اور تجارتیں انہیں ذکر الہٰی سے غافل نہیں کرتی ہیں یہاں ذکر اللہ سے غفلت نہ ہونے کا ایک ذریعہ بتایا کہ انسان اس دن کو یاد رکھے جو یوم الجزاء ہے اور اپنے اعمال کا محاسبہ کرتا رہے پھر اس ذکر اللہ کا ثمرہ اور نتیجہ بھی بتایا کہ چونکہ تجارت اور بیع و شرا کا ذکر تھا اس کی جزا میں اللہ نے اپنے فضل سے بڑھانے بے حساب رزق دینے کا اشارہ فرمایا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر انسان چاہے کہ اسکی تجارتوں میں خسارہ نہ ہو۔ وہ اس مضمون کو مد نظر رکھے اس آیۃ میں تجارتی معاملات میں حسن معاملہ کی تعلیم بھی موجود ہے بلکہ ذکر الہٰی کی یہی صورت ہے کہ وہ کسی قسم کی دغابازی دھوکہ فریب بد دیانتی نہ کرے۔ اور ان تمام گناہوں سے بچتا رہے جو

تجارتی معاملات میں ہوتے ہیں یا ہو سکتے ہیں

ذکر اللہ کے متعلق بہت کچھ کہا جا سکتا ہے اور قرآن کریم تو سارا ہی ذکر اللہ ہے

اور ذکر اللہ کا آخری نتیجہ یہ ہے

الا بذکر اللہ تطمئن القلوب

طمانیت قلب کا بہترین ذریعہ ذکر اللہ ہے اور یہ آخری مقام مطلوب انسان کا ہے جہاں وہ جنت اور عباد اللہ میں داخل ہوتا ہے

جیسا کہ فرمایا

یٰاَیَّتُھَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ٥ ارْجِعِیْ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً ٥ فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ ٥ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ ٥ (سورہ فجر پارہ ۳۰ آیت آخری آیۃ)

اس میں نے بتایا ہے کہ قرآن کریم اپنی تعلیم کے دلائل، اس کے حکم، اس عمل کے طریقے اور بالآخر اس کے ثمرات کو بیان کرتا ہے۔ اور وہ ثمرات خیالی یا ذہنی نہیں اور ان کو ادھار کے طور پر یا صرف وعدہ کے رنگ میں پیش نہیں کرتا بلکہ وہ اسی دنیا میں انسان دیکھ لیتا ہے دیکھ لو صحابہ کرام رضی اللہ علیہم اجمعین کی عملی زندگی نے دنیا میں کیسا انقلاب پیدا کیا اگر تم چاہتے ہو کہ دنیا میں کوئی پاک انقلاب پیدا کرو تو پہلے خود اپنے اندر اس پاک انقلاب کو پیدا کرو۔

تشریحی نوٹ — اس آیت کو میں نے اس مقصد سے پیش کیا ہے کہ مومن جب اپنے ایمان کے نقطۂ کمال پر پہنچ جاتا ہے۔ تو اللہ تعالےٰ کے ذکر سے وہ کسی حالت میں بھی غافل نہیں ہوتا النعم ما قیل

کاملاں کز شوق دلبری پرند	یاد و صد بارے سبکتری روند
این کمال آمد کہ با فرزند و زن	از ہمہ فرزند و زن یکسو شدن
در جہان و باز بیرون از جہاں!	بس ہمیں آمد نشان کاملان!
کاملے گر زن بدارد و صد ہزار	صد کنیزک صد ہزاران کاروبار
پس گر افتد در حضور او فتور!	نیست آن کامل نہ مردے زندہ جان

ان اشعار میں گویا ان آیات کی تشریح ہے کہ دنیا کے کاروبار ان کو ذکر اللہ سے غافل نہیں کر سکتے۔

کاروبار میں ذکر اللہ کا طریق۔ اس کو یاد رکھو کہ ذکر صرف زبان سے کرنے کا ہی نام نہیں اللہ تعالےٰ کے ذکر سے حقیقی مراد یہ ہے کہ انسان اپنے ہر عمل میں اللہ تعالےٰ کے احکام کو مدنظر رکھے اور اللہ تعالےٰ کی صفات کے لحاظ سے اپنے نفس کا تزکیہ کرتا رہے۔

اور یہاں ذکر کی تمام صورتوں کو جمع کر دیا اور یہ آیت اوقات ذکر کی جامع ہے۔ تاہم بعض دوسری آیات میں بھی ذکر کے اوقات کا اظہار کیا ہے۔ جیسا کہ میں تسبیح و تحمید کے ذیل میں بیان کر آیا ہوں

طریق ذکر ایک اور مقام پیش کرتا ہوں جس میں ذکر کا ایک طریق بتایا گیا ہے۔

سورۃ اعراف پارہ ۹ آخری رکوع آیۃ ۲۰۶

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَخِيفَةً وَدُونَ

الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ○

اور اپنے رب کو اپنے دل میں یاد کرتا رہ عاجزی سے اور ڈرتے ہوئے۔ ایسی آواز میں جو بہت بلند نہ ہو صبح و شام اور غافلوں میں سے نہ ہو۔

...ریحی نوٹ — اس آیت میں ذکر کے متعلق احکام ہیں جن پر میں نے نشان دیئے ہیں یہ ذکر کا ایک طریق ہے۔

اس طریق ذکر میں دو کیفیتوں کو بیان کیا ہے یہ ذکر زبان ...ہو تو آواز بلند نہ ہو۔ دوسری کیفیت یہ ہے کہ ذکر تمہارے نفس ...ں ایک کیفیت پیدا کرے اور اس کیفیت کا ظہور تضرع کے رنگ ...ہو اور یہ تضرع کی کیفیت اس وقت پیدا ہوگی جب اللہ تعالیٰ ...ظمت و جلال کا اس پر غلبہ ہو جس کیفیت کو خوف سے تعبیر ...جاتا ہے یاد رکھو اللہ تعالیٰ کا خوف اس قسم کا نہیں جیسے انسان ...تکلیف دینے والے درندے سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ تو سراسر ...ت ہے اس خوف سے مراد اس کی عظمت اور اس کا سبوح ...دوس ہونا ہے اور اس لئے بھی تزکیہ و تصفیہ قلب کرنے والے متطہرین ...دوست رکھتا ہے پس جب یہ دونوں کیفیتیں پیدا ہو جاویں تو وہ ...کا صحیح مفہوم پیدا کرتی ہیں۔ اور اس کا صحیح نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسا انسان ...ل نہیں ہوتا۔

پس آخر میں جو فرمایا کہ غافلوں میں سے نہ بن اس کا طریق بتایا ہے کہ اللہ تعالےٰ کا ذکر اپنے دل میں کرو۔

انسانی قلب کو عرش اللہ کہا گیا ہے اور جب تک وہ طہارت نفس کا مرکز نہ بن جاوے اللہ تعالےٰ کا نزول وہاں نہیں ہوسکتا اور اس کے لیے طریق بتایا کہ صبح شام دوسرے الفاظ میں ہر وقت اللہ تعالےٰ کو یاد کرکے اپنے اندر فروتنی پیدا کرو۔ اور

ہر قسم کے معاصی سے بچتے رہو

ذکر کے طریق میں اس بات کو بھی یاد رکھنا چاہئے کہ خود قرآن کریم کا ایک نام الذکر ہے اس لئے

قرآن کریم خود ذکر ہے

قرآن کریم کی تلاوت اس پر تدبر اور بالآخر اس پر عمل تکمیل ذکر کا ذریعہ ہے جیسا کہ میں نے بیان کیا۔

قرآن مجید نے اپنا نام ہی تذکرہ رکھا اور الذکر بھی ذکری اور ذکر للعالمین وغیرہ اسماء بیان کئے ان اسماء کی کسی قدر حقیقت میں نے اسماء القرآن فی القرآن میں کی ہے۔ یہاں میں اس کی تفصیل نہیں کروں گا۔ صرف اس مقام کو سمجھنے کے لئے مختصراً ذکر کروں گا۔ تاکہ اس کتاب کے پڑھنے والے (جنہوں نے اسماء القرآن نہیں پڑھی) اس حقیقت کو آسانی سے ذہن نشین کرسکیں۔

ذِکرٰی تذکرۃ

اسی سلسلہ میں یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ قرآن کریم اپنا نام ذِکرٰی اور تذکرہ بھی رکھتا ہے چنانچہ سورۃ مدثر پارہ ۲۹ کی آیت ۳۱ جو ایک طویل آیت ہے کو اس پر ختم کیا

وَمَا هِيَ إِلَّا ذِكْرَىٰ لِلْبَشَرِ

اور یہ قرآن کریم تو بشر کے لئے سرمایۂ ذکر و شرف ہے قرآن مجید میں جہاں الذکر نام آیا ہے اس میں اس عظمت و شرف کی وسعت کو بیان کیا ہے جیسے خود قرآن کریم کی دعوت عالمگیر ہے اسی طرح اس کے فیوضات کا دائرہ بھی عالم گیر ہے مثلاً یہاں فرمایا ذکرٰی للبشر وہ شرف جو قرآن مجید کے ذریعہ سے ملتا ہے وہ مخصوص کسی فرد یا قوم یا ملک و رنگ سے نہیں بلکہ ہر بشر کے لئے جو اس کے حلقۂ ارادت و اتباع میں داخل ہوتا ہے۔

اور سورۃ ص میں اسے اور وسیع کر کے فرمایا

إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِينَ

ایک اور بات یاد رکھنے کے قابل یہ ہے میں نے پہلے بھی کسی موقع پر اسے لکھا ہے کہ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دائرہ دعوت وسیع ہے۔ قرآن کریم کا بھی اور جو صفات قرآن کریم کے بیان ہوئے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی وہ

صفات ہیں۔

اسی سورۃ مدثر کی آیت ۵۵ میں قرآن کریم کا نام تذکرہ بھی آیا ہے۔ کَلَّآ اِنَّهٗ تَذْكِرَةٌ ۝ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ۝ ایسا نہیں یہ تذکرہ ہے جو بھی چاہے اس پر عمل کر کے اپنے لئے عزت و شرف حاصل کرے۔ پھر آگے بتایا کہ اس تذکرہ سے استفادہ کرنے والے اھل التقوٰی اور اھل المغفرۃ ہیں۔ یعنے اللہ ان کے اندر ایک ستھیا روح کو پیدا کر دیتا ہے اور گناہ سوز فطرت مومنین پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لئے وہ اللہ تعالےٰ کے دامن رحمت میں چھپا لئے جاتے ہیں۔ شیطان کا حملہ ان پر اثر نہیں کر سکتا۔

اسی مضمون کو سورہ عبس پارہ ۳۰ میں فرمایا

کَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۝ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ۝

اس میں بھی بتایا کہ یہ کسی خاص شخص کے لئے مخصوص نہیں قرآن کریم کی تعلیمات میں یہ قوت، شرف اور اثر ہے کہ وہ ہر اس شخص کو اکیسے باشندہ جو اس پر عمل کرتا ہے شرف و اکرام عطا کرتا ہے۔

صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کیلئے

اس میں مسلمانوں کے لئے خصوصًا اور عام انسانوں کیلئے عمومًا ترقی کرنے کا ایک گر بتا دیا ہے کہ دنیا میں انکی ترقی اور کامیابی کا

یک اور صرف ایک ہی ذریعہ ہے کہ وہ قرآن کریم پر عمل کریں اور
سے مضبوطی سے پکڑ لیں۔

وہ آج اپنی ترقیات کے لئے یورپ اور مغرب کی طرف دیکھتے ہیں
حالانکہ انہوں نے دیکھ لیا کہ یورپ اپنے دستور العمل سے قعر مذلت
کی طرف جارہا ہے۔ تعجب ہے کہ اسلام کی تاریخ ان کے سامنے
ہے اور وہ ایک تجربہ شدہ دستور العمل رکھتے ہیں مگر اسکی طرف
توجہ نہیں وَنِعْمَ مَاقِيْلَ

دردا کہ حسن صورت قرآں عیاں نماند
او خود عیاں مگر اثر عارفاں نماند

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم خود الذکر ہے اور
انسان میں قوت ذکر کی جو استعداد رکھی گئی ہے اس کی تکمیل و
تربیت قرآن کریم کی تعلیم و ہدایت کی روشنی میں اپنی زندگی کو
نمایاں کرو۔ یعنے قرآنی اخلاق انسان کے اندر پیدا ہونے ضروری
ہیں اور یہی اس کے نزول کا مقصد عظیم ہے اس ذکر سے استفادہ کرنے
والے اہل التقوٰی اور اہل المغفرۃ کہلاتے ہیں۔ جیسا کہ ابھی میں نے
اوپر بیان کیا ہے۔

گویا قرآن کریم پر غور و فکر و تدبر انسان کو قرآن کریم کے ساتھ
ایک مناسبت پیدا کر دیتا ہے چونکہ وہ خود تذکرہ اور الذکر ہے
اس لئے انسان کی قلبی قوتوں کی تربیت کا اصل ذریعہ ہے۔

اسی اصل اور مرکزی نقطہ کو بیان کرنے کے بعد میں کسی قدر اس کی صراحت کرتا ہوں۔

ذکر کی اہمیت

ذکر کی اہمیت کے لئے قرآن کریم نے دعوے کیا۔ ولذکر اللہ اکبر۔ بڑی سے بڑی نعمت اور فضل جسے میسر آجاوے وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ قرآن کریم تو اسی ایک مرکز و محور پر گردش کرتا ہے۔ اور اس لئے اس نے ذکر الٰہی کی اہمیت اس کے اوقات اور اس کے ثمرات پر بڑی تفصیل سے اور نہایت لطیف پیرایہ میں بحث کی ہے میں نے ابھی اس کی اہمیت کے لئے تو بتایا ہے کہ خود قرآن کریم کا نام الذکر ہے اور خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ ذکر اللہ سے آگے کوئی کبریائی اور عظمت نہیں گویہ ایک حقیقت اور صداقت ہے مگر اس کی عظمت انسان کے اندر ایک تحریک کرتی ہے۔ اور اسکی سوئی ہوئی قوتوں کو اس عظمت کے ثمرات سے متمتع ہونے کے لئے بیداری پیدا کر دیتی ہے۔ اور اگر اس کی یہ فطری استعداد مرنہیں گئی تو اسے باسانی سمجھ آجاتا ہے کہ یہ ایک ایسا عمل ہے جو تمام اعمال صالح کے لئے ایک مرکزی حیثیت رکھتا ہے اور یہ خیالی بات نہیں ایک حقیقت واضحہ ہے میں نے اوپر صفات الہیہ کے متعلق مختصر سی بحث کی ہے۔ اسی کی روشنی میں ذکر کی قوتوں کے نشو ونما کے طریقوں پر غور کرو تو ایک لطیف فلسفہ تمہارے فکر میں پیدا ہوگا۔

اسی اہمیت کے سلسلہ میں دوسری جگہ فرماتا ہے فاذ
وفی اذکرکم اگر تم چاہتے ہو کہ تم میری یاد میں رہو
میرا ذکر کرو، مجھے یاد رکھو، اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ میں تم کو عزت
شرف عطا کروں گا۔ اور دنیا میں تاریخی قوم بنا دوں گا۔
تک اس فلسفہ سے پورے واقف نہیں مگر ایک عربی زبان
ضرب المثل نے اس حقیقت کو بیان کیا ہے

جو شخص کسی سے محبت کرتا ہے تو اسکا ذکر کثرت سے کرتا ہے

نے ذکر اللہ تم کو محبوب الٰہی بنا دے گا۔
پھر قرآن کریم اس ذکر کی مختلف صورتیں بیان کرتا ہے
ن سے قوت ذکر میں ترقی ہوتی ہے اس کے اوقات کا بھی ذکر
تا ہے اور بعض اوقات خاصہ کو بیان کرتا ہے جن میں ذکر
بیان کردہ صورتوں کے اختیار کرنے سے انسانی قلب مہبط
جلیات ہو کر حقیقی رنگ میں

عرش اللہ بن جاتا ہے

قرآن کریم اس قوت کی تربیت کے لئے انعامات الٰہیہ پر
ذکر کرنے اور انہیں پیش نظر رکھنے کی ہدایت کرتا ہے۔ مثلاً
ہ فرماتا ہے۔

یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ هَلْ
مِنْ خَالِقٍ غَیْرُ اللّٰهِ یَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ

وَالْاَرْضِ ط لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ زصلے فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ه

(پارہ ۲۲ سورہ فاطر آیۃ ۳)

لوگو! اللہ تعالےٰ کی اس نعمت کو یاد کرو جو خود تم پر ہے اور زمین سے رزق دیتا ہے (حقیقت یہی ہے یاد رکھو اس کے سوا کوئی اور معبود مطاع یا محبوب نہیں اس کھلی کھلی دلیل کو دیکھ کر بھی)

تم کہاں بھٹکتے پھرتے ہو

نوٹ۔ اس آیۃ میں اللہ تعالےٰ نے انسان کو اس نعمت کی طرف توجہ دلائی ہے جو خود اس کے وجود اور اس کے بقا کے لئے سامان معیشت کے متعلق اس پر ہے اور اس کی فطرت کو بیدار فرمایا اور تذکرہ نعمت اس مقصد کے لئے کیا ہے تاکہ اللہ تعالےٰ کی توحید پر خود اس کے اپنے نفس میں دلیل پیدا کر دے۔ اور پھر رزق مہیا کرنے میں اس علمی مضمون کی طرف توجہ دلائی کہ یہ رزق جس میں تمام سامان معیشت آجاتا ہے زمین اور آسمان کے تعلقات سے پیدا ہوتا ہے زمین کے اندر جو استعدادیں ہیں ان کے بار آور ہونے کے لئے آسمان کے تعلق کی ضرورت ہے جس میں بارشوں کا برسنا سورج کے ذریعے حرارت کا پیدا

ہونا اور روشنی کے اثرات جو پھلوں کے پکانے میں کام آتے ہیں۔

غرض

نہایت مختصر الفاظ میں ان تمام علوم کی طرف توجہ دلائی جو فن زراعت و فلاحت سے تعلق رکھتے ہیں۔

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ۔

(پارہ ۶ سورۃ المائدہ رکوع ۲ آیۃ ۷)

اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کو یاد کرو جو تم پر ہے اور اس عہد کو بھی یاد رکھو جو تم نے مضبوطی سے کیا ہے جبکہ تم نے کہا کہ ہم نے ارشاد الٰہی میں سن لیا اور ہم اقرار اطاعت کرتے ہیں۔ پس تقویٰ اللہ اختیار کرو۔ (یاد رکھو) یقیناً اللہ تعالےٰ ان باتوں کو بھی جانتا ہے جو اب تک تمہارے سینوں میں مخفی ہیں۔ پھر اسی سورۃ المائدہ میں اسی رکوع میں آیۃ ۱۲ میں فرمایا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝

اس مقام پر اس نعمت کا ذکر بھی کیا ہے جسکی طرف توجہ دلائی ہے اور وہ بطور پیش گوئی بھی ہے۔

غرض

قرآن مجید ذکر کی استعداد کی تربیت کے لئے جو طریق بتاتا ہے ان میں سے سب سے مقدم انعام الٰہیہ کی تذکیر ہے اور یہ اس لئے کہ فطرت انسانی میں یہ امر داخل ہے کہ وہ اپنے محسن سے محبت کرتا ہے اس لئے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جبلت القلوب علی حب من احسن علیہا یعنی انسانی قلوب کی فطرت میں یہ بات رکھی ہے کہ وہ اپنے محسن سے محبت کرتا ہے۔

پھر قلبی قوتوں کی تربیت کے لئے قرآن کریم کے فہم اور اس میں تدبر کی بھی بڑی ضرورت ہے یا یوں کہو کہ ان قوتوں کی تربیت اور بالیدگی کے لئے قرآن کریم پر تدبر لازمی ہے ورنہ انسانی قلب میں جو استعدادیں کمالات کی رکھی گئی ہیں۔ وہ مرجاتی ہیں چنانچہ قرآن کریم نے بار بار اس امر کی طرف توجہ دلائی ہے اور تنبیہہ کی کہ اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ کیوں قرآن کریم میں تدبر نہیں کرتے ہیں یہاں صرف ایک آیۃ کو بطور نمونہ پیش کرتا ہوں۔

دیکھو پارہ ۲۶ سورۃ محمد آیۃ ۲۸

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُھَا ۝

تو کیا قرآن کریم پر تدبر نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر قفل لگے ہوئے ہیں۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے نہایت لطیف پیرایہ میں ایک نکتۂ معرفت تعلیم فرمایا اگر انسان قرآن کریم پر تدبر نہ کرے تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ قلوب انسانی پر ایک قسم کے قفل لگ جاتے ہیں۔ اور اگر وہ قفل نہ ہوں تو

تدبر و تفکر کی قوتیں نشوونما پاتی ہیں

اس مقام سے پہلی آیۃ میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا ذکر کیا ہے جو اللہ تعالیٰ سے اپنے تعلقات منقطع کر لیتے ہیں۔ اور قرآن کریم کی اصطلاح میں وہ العون کہلاتے ہیں اور اسی ذکر میں فرمایا کہ وہ کان رکھتے ہوئے نہیں سنتے اور آنکھیں رکھتے ہوئے نہیں دیکھتے وہ گویا اندھے اور بہرے ہوتے ہیں۔

اس کے بعد تدبر فی القرآن نہ کرنے کا نتیجہ بتایا ہے قرآن کریم جیسا کہ میں نے کہا ہے کہ وہ ذکر و فکر کی قوتوں کو نشوونما دیتا ہے علوم کے لئے آنکھ اور کان سے کام لینا ازبس ضروری ہے تاکہ مشاہدات قدرت سے اور علمی تذکروں کے سننے سے وہ اپنی فکری اور فہمی قوتوں کی تربیت کرے اور جب وہ ان خداداد

قولوں سے کام لے کر تدبر فی القرآن کریگا تو دل کے ق... ۱۰ اور راحت
گے۔

غرض

قرآن مجید ذکر الٰہی کی اہمیت ذکر الٰہی کے طریقے اس کے اوقات اور
اس کے ثمرات کو بیان کرتا ہے اور اس سے غفلت کے نتائج سے
بھی آگاہ کرتا ہے میں یہاں مختصر طور پر ان امور کی طرف اشارہ
کروں گا۔ اس لئے کہ میں یہ کتاب صرف ایک شوق اور ذوق تدبر
فی القرآن کے لئے لکھ رہا ہوں۔

ذکر الٰہی کی اہمیت کے لئے تو میں نے اوپر اشارہ کیا ہے کہ
اللہ تعالےٰ فرماتا ہے ولذکر اللہ اکبر اور اللہ تعالےٰ کا ذکر ہی
ایک ایسی ضروری اور لابدی چیز ہے کہ اس کے مقابلہ میں کوئی
اور عمل لگا نہیں کھاتا۔ یہ سب سے بڑی عبادت سب سے
زیادہ طمانیت قلب کا ذریعہ ہے قرآن کریم میں ان آیات کو یکجائی
نظر سے دیکھو جن میں ذکر اللہ کا ذکر آیا ہے۔ یا ذکر کے مشتقات
آئے ہیں۔

ذکر الٰہی کے ثمرات ذکر الٰہی کے ثمرات و نتائج کو بھی قرآن کریم نے تفصیل
سے بیان کیا ہے۔ مختصر طور پر ذکر الٰہی کا ثمرہ قرار دیتا
ہے۔ "فَذَكِّرْ إِنْ نَفَعَتِ الذِّكْرَىٰ" (سورہ اعلیٰ)۔ پس ذکر کرتا
رہ یہ ذکر نفع رساں چیز ہے یہاں جو حکم تذکیر ہے اسکے دو پہلو ہیں۔ خود ذکر

کرتے رہو۔ دوسروں کو تبلیغ و تذکیر کرو۔ دونوں باتیں مثمر
برات ہیں۔ پھر ذکر الٰہی کا سب سے بڑا فائدہ اطمینان قلب کا حصول
ہے اس اطمینان کے لئے لوگ مختلف قسم کی ریاضتیں اور مجاہدات
اکثر غیر فطری ہوتے ہیں اختیار کرتے ہیں لیکن پائیں او نہیں اطمینان
اور سکون خاطر نصیب نہیں ہوتا لیکن ذکر الٰہی سے یہ کیفیت
پیدا ہو جاتی ہے کہ دنیا کی کوئی تلخی اور بظاہر نامرادی یا یوس
کرتی ہے اور نہ دل کو مضطرب کر سکتی ہے بلکہ وہ چٹان کی طرح
مضبوط ہوتا ہے اور خطرناک طوفان میں بھی ساحل ہی کا مشاہدہ
کرتا ہے چنانچہ اس حقیقت کی طرف قرآن مجید سورہ رعد رکوع
آیتہ ۲۸ میں فرماتا ہے۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ؕ
اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ؕ

اس سے پہلی آیتہ میں ہدایت پانے کا ایک گر بتایا تھا کہ یھدی الیہ
من اناب یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ کے حضور جھکتا ہے کامیابی
و سعادت کی راہیں اس پر کھول دی جاتی ہیں۔ لیکن رجوع
الی اللہ اور انابت کی توفیق کب نشو و نما پاتی ہیں اس کیلئے
ایمان باللہ ہونا ضروری ہے۔ یہی جو لوگ مومن ہوتے ہیں۔ اور
ان کے دل اللہ ہی کے ذکر سے تسلی پا گئے اور سچ تو یہ ہے کہ
اللہ تعالیٰ کا ذکر ہی تو ہے جس سے دلوں کو چین و سکون نصیب ہوتا ہے

دنیا کی کسی قسم کی ناکامی اور ابتلاء انکے قلب کے سکون اور راحت کو چھین نہیں سکتا۔

ذکر الٰہی کے ثمرات میں سے ایک بڑی نعمت یہ ہے کہ اب انسان ہر چند دنیا اور اس کے کاروبار میں مصروف نظر آتا ہے لیکن وہ کاروبار تجارت کے ہوں یا کسی اور قسم کے مشاغل ہوں اس کو غافل نہیں کر سکتے۔

چنانچہ فرماتا ہے سورۃ نور آیۃ ۳۷ رکوع ۵

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ ۙ يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ ۙ

یہ ایسے لوگ ہیں کہ اونہیں تجارت اور خرید و فروخت کے مشاغل ذکر اللہ سے روک نہیں سکتے۔ اور نہ وہ نمازوں کے قائم کرنے اور ادائے زکوٰۃ سے رک سکتے ہیں یہ حقیقت ان میں اسی دن کے خوف سے پیدا ہوتی ہے جب دل اور آنکھیں الٹ جاوینگی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خشیت اللہ بھی ایک ذریعہ ہے جس سے انسان ذکر اللہ کی نعمت سے بہرہ ور ہوتا ہے چنانچہ قرآن مجید ایک دوسرے مقام پر اس حقیقت کو آشکار کرتا ہے۔

(پارہ ۲۷ سورہ حدید رکوع ۲ آیۃ ۱۷)

أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَن تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ

لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ۙ وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝

یعنی کیا مومنوں پر ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے قلوب میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لئے خشیت پیدا ہو اور اس حق یعنے (صداقت آسمانی کے لئے) جو آسمان سے نازل ہوا ہے (دیکھو) تم ان لوگوں کی طرح مت ہو جانا جن کو تم سے پہلے کتاب اللہ دیگئی تھی۔ پھر استداد زمانہ کی وجہ سے ان کے دل سخت ہو گئے اور ان میں سے اکثریت ایسے لوگوں کی ہوگئی جو فاسق تھے۔

نوٹ:۔ اس آیت میں ایک نہایت لطیف نکتہ کمال بلاغت سے بیان فرمایا ہے اور وہ یہ ہے کہ ذکر اللہ سے انسانی قلب میں خشیت اللہ پیدا ہوتی ہے اور عدم ذکر سے قلب میں قساوت پیدا ہو جاتی ہے اور ایسا سخت ہو جاتا ہے کہ ہدایت و رشد کی راہوں سے دور ہو جاتا ہے اور اسکی زندگی فسق و فجور کی آلائشوں سے آلودہ ہو کر رہ جاتی ہے یاد رکھو یہ دل کی نرمی انسان کے بہت سے اخلاق فاضلہ کی جڑ ہے۔ محبت۔ ہمدردی دوسروں کو نفع پہونچانا۔ ایثار و قربانی بہت سے اخلاق فاضلہ ہیں۔ کہ انکی ابتداء رقت قلب

سے پیدا ہوتی ہے قرآن مجید اس کے بھی طریق اور ذرائع بتاتا ہے۔

میں نے یہاں بیان کیا ہے کہ ذکر اللہ سے انسانی قلب میں خشیت پیدا ہوتی ہے یہ خیالی بات نہیں بلکہ خود قرآن مجید اس پر بحث کرتا ہے۔

دیکھو سورہ انفال پارہ ۹ رکوع اول آیت ۳

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ۝

مومنوں کی شان تو یہ ہے کہ جب اللہ تعالے کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل ہل جاتے ہیں۔ (ان میں خشیت اللہ پیدا ہو جاتی ہے۔) اور جب اللہ تعالے کی آیات ان پر پڑھی جاتی ہیں تو ان کے ایمان کو بڑھا دیتی ہیں۔ اور وہ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔

ایسا ہی سورہ زمر پارہ ۲۳ رکوع ۳ آیت ۲۴ میں فرمایا

ثُمَّ تَلِينُ جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ

قرآن کریم کی تاثیرات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ان لوگوں کے رونگھٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔

اور پھر ان کے قلوب اور جسم ذکر اللہ کیلئے نرم ہو جاتے ہیں

غرض ذکر اللہ کے ثمرات اور تاثیرات کے لئے قرآن کریم نے مختلف رنگوں میں توجہ دلائی ہے۔ قرآن کریم کی تاثیرات ذکر اللہ ہی کے نتائج ہیں۔

ذکر اللہ سے غفلت کے نتائج

پھر قرآن کریم ذکر اللہ کے ثمرات اور برکات ہی کو بیان نہیں کرتا بلکہ وہ ان عواقب اور نتائج بد کو جو ذکر اللہ سے غفلت میں پیدا ہوتے ہیں ان کو بیان کر کے پھر اسکی اہمیت کیطرف توجہ دلاتا ہے اس لئے فطرت انسانی دو ہی طرح توجہ کرتی ہے کبھی کسی شئے کے منافع اور مفاد دیکھ کر ادھر متوجہ ہوتی ہے اور کبھی عدم توجہی کے برے نتائج کی وجہ سے خوف زدہ ہو کر اثر پذیر ہوتی ہے۔

چنانچہ اس سلسلہ میں فرمایا دیکھو سورہ الزخرف پارہ ۲۵ رکوع ۴ آیت ۳۷۔

وَمَنْ يَعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ۝ وَاِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝

اور جو کوئی رحمٰن کے ذکر سے منہ پھیرے اس عدم توجہی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہم اس کے لئے ایک شیطان مقرر کر دیتے

ہیں اور وہ اس کا رفیق ہو جاتا ہے اور وہ انہیں راہ ہدایت سے روکتے ہیں اور باوجود اس کے وہ سمجھتے ہیں کہ وہ ہدایت یافتہ ہیں۔ قرآن مجید نے اس مقام پر نہایت ہی لطیف پیرایہ میں اولاً یہ بتایا ہے کہ وساوس شیطانی سے حفاظت کا طریق ذکر اللہ ہے اور اگر اس پر توجہ نہ کی جاوے تو انسان شیطان کے قبضہ قدرت میں آجاتا ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ شیطان ہر شخص کا قرین نہیں ہوتا اس کی تائید قرآن کریم کے دوسرے مقام سے بھی ہوتی ہے ان عبادی لیس لک علیھم السلطان۔ میرے بندوں پر قبضہ و قدرت حاصل نہیں ہو سکتی۔ غرض ذکر الرحمٰن کے ثمرات میں انسان مقام ہدایت پالیتا اور اس کے قرین نعم القرین ہوتے ہیں۔ اور ذکر الرحمٰن سے غفلت انسان کو بئس القرین یعنی شیطان کے قبضے میں دیدیتی ہے۔ اور وہ اس کو ہلاکت کے راستہ پر لے جاتے ہیں اور ان بداعمالیوں کو اس کی نظر میں خوب صورت دکھاتے ہیں جیسا کہ فرمایا

زین لھم اعمالھم

اور یہ ایک فطرتی قانون ہے کہ جب انسان کسی بدی میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اس کا نور ضمیر جاتا رہتا ہے۔ اور وہ اس بدی

کو خوب صورت دیکھتا ہے۔ قرآن مجید نے بہت ہی پیارے الفاظ میں اس حقیقت کو نمایاں کیا ہے۔ اسی مضمون کو سورہ جن رکوع اول آیۃ ۱۸ میں اس طرح ادا فرمایا

وَمَنْ يُعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا ۝

اور جو کوئی اپنے رب کے ذکر سے اعراض کرتا ہے اسے سخت عذاب دیا جاتا ہے۔

غرض

ذکر اللہ سے غفلت کے نتائج بد سے متنبہ کیا اور اس کے برکات کی بشارت سے بشارت دی۔

یہ نکتہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ قرآن مجید ذکر اور فکر کی قوتوں کے نشو و نما کے لئے تمام کائنات کو ایک صحیفہ فطرت کے طور پر پیش کر کے انعامات الٰہیہ کا ذکر کرتا ہے اور ایک ہی وقت میں ان کے پیش کرنے سے وہ فکر اور ذکر دونوں کو اجاگر کرتا ہے اور یہ حقیقت بآسانی سمجھ میں آجاتی ہے جب انسان قرآن کریم میں ان آیات پر غور کرتا ہے۔ جہاں لعلکم تفکرون یا تذکرون کہہ کر توجہ دلائی ہے۔

میرے رسالہ اسماء القرآن میں قرآن کریم کے اسم ذکر کے تحت اس حقیقت پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ ذکر الٰہی

کی مختلف صورتیں بھی قرآن کریم نے بتائی ہیں۔ مگر میں ایک اجتماعی رنگ میں موقع کی مناسبت سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔

عرض

خود قرآن کریم کی تلاوت بھی ذکر اللہ ہے اس لئے کہ اللہ تعالے نے قرآن کریم کو آپ ہی ذی الذکر فرمایا ہے۔

قیام صلوٰۃ اور اس کے جمیع لوازم یعنے خشوع خضوع عین وقت پر ادا کرنا اور اس کی حفاظت تاکہ اس کے وہ ثمرات حاصل ہوں جو قرآن مجید نے بیان فرمائے ہیں۔ ان الصلوٰۃ تنھی عن الفحشآء والمنکر کہ نماز ہر قسم کی بے حیائی اور بری باتوں سے محفوظ کر دیتی ہے۔ اس حالت میں صلوٰۃ بھی ذکر اللہ ہے اور قرآن کریم نے فرمایا۔ اقیموا الصلوٰۃ لذکری (سورہ طٰہٰ پارہ ۱۶ رکوع ۱ آیۃ ۱۵) اور میرے ذکر کے لئے نماز کو قائم کرو۔

کچھ شک نہیں کہ نماز بجائے خود ذکر اللہ ہے۔ مگر قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ نماز کے مسنون طریقوں پر ادا کر چکنے کے بعد بھی ذکر الٰہی ضروری ہے جیسا کہ فرمایا۔ فاذا قضیتم الصلوٰۃ فاذکروا اللہ قیاما و قعودا و علی جنوبکم یعنے جب تم نماز پڑھ چکو تو اللہ تعالے کا ذکر کرو ہر حالت میں کھڑے ہوتے بیٹھے ہوتے۔ اور کروٹیں بدلتے ہوئے بھی اس طرح ذکر الٰہی کی کثرت اور انسان کی عملی زندگی کی ہر حالت میں اسکی طرف توجہ دلائی ہے۔

ذکر الٰہی کی تکثیر اور تکمیل ایک اور رنگ میں بھی لازمی ہے اور وہ ہے دوسروں کو ذکر اللہ کی طرف متوجہ کرکے اسطرح تبلیغی قوتوں کو ابھارنا چنانچہ قرآن مجید فرماتا ہے۔ فذکر انما انت مذکر (سورۃ الغاشیہ) تو یاددہانی کرتا رہ اسلئے کہ تو مخصوص ذکر اللہ کی طرف توجہ دلانے والا ہے۔

یہ تمام امور مختلف پیرایوں میں قرآن مجید میں بڑی صراحت اور عمدگی سے بیان کئے گئے ہیں۔ قارئین کرام ان اشارات کو سامنے رکھ کر قرآن کریم پر غور کریں۔ تو وہ محسوس کریں گے۔

انھا تذکرۃ فمن شاء اتخذ الی ربہ سبیلا

شکر (۶)

زبان کے اعمال میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور عطایا پر شکر بھی ایک ایسا عمل ہے جو ایک طرف اللہ تعالیٰ سے محبت کو بڑھاتا ہے اور دوسری طرف ان انعامات الٰہیہ کو ترقی دیتا ہے جن پر مومن شکر کرتا ہے۔ شکر کا ابتدائی درجہ تو زبان سے ہی اس کا اظہار ہے اس کے بعد جس طرح پر ایمان کا اظہار زبان سے پھر اعمال سے ہوتا ہے اسی طرح پر شکر کا اعمال انسانی پر اثر پڑتا ہے۔

ذکر اور شکر قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے ذکر کے حکم کے ساتھ

شکر کو وابستہ کیا ہے چنانچہ فرماتا ہے سورۃ البقر پارہ ۲ رکوع ۸ آیت ۱۵۲

فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ ۝

پس مجھے یاد کرتے رہو (اسکا نتیجہ یہ ہوگا) کہ میں تمکو یاد رکھونگا اور میرا شکر کرو۔ اور ناشکری مت کرو

تشریحی نوٹ ذکر کے متعلق میں پہلے لکھ چکا ہوں یہاں مجھے صرف شکر کے متعلق بیان کرنا ہے اس آیت کو میں نے اولاً اس مقصد سے پیش کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ذکر کو شکر کے ساتھ ذکر فرمایا اس سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ شکر بھی ذکر میں داخل ہے۔ اور دوسرا یہ کہ ذکر اللہ سے شکر کی توفیق ملتی ہے اور تیسرا حکم یہ ہے کہ کفران نعمت نکرو۔ جب انسان شکر کریگا تو کفران نعمت سے آپ ہی بچے رہے گا۔

شکر اور کفر قرآن مجید پر غور کرنیسے معلوم ہوتا ہے کہ شکر کے مقابلہ میں بھی کفر کو رکھا ہے۔

میں ان عجائبات کا ذکر کہاں تک کروں جو قرآن مجید کے الفاظ میں موجود ہیں۔

کفر کے معنوں میں اخفا ہے اور یہ اخفا دل سے ہو یا اعمال سے ہو یا زبان سے ہو۔ اور اسی طرح پر شکر کا اطلاق بھی تین ہی حالتوں پر ہوتا ہے اول یہ کہ کسی نعمت پر اپنے محسن اور منعم کے لئے قلب میں جذبات شکرگذاری پیدا ہوں دوم اس کا اظہار زبان سے اسکی حمد وثنا کے رنگ میں سوم اس نعمت کا عملی اظہار ہے جس مقصد کے لئے وہ انعام ہوا ہے اسکو پورا کیا جاوے قرآن کریم نے اس کو امّا بنعمۃ ربک فحدّث (پارہ ۳۰ سورۃ الکوثر)

کے الفاظ میں فرمایا ہے۔

عملی اظہار کی حقیقت

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ عملی اظہار کی یہ صورت ہے کہ اس کی نمایش کی جاوے اپنی زندگی کے بود و ماند میں۔ اچھا لباس ہو۔ مکلف کھانے وغیرہ میں اس قسم کے معانی سے اظہار شکر کا انکار نہیں کرتا میں اس کے مفہوم کو ایک دوسرے رنگ میں بیان کرتا ہوں جو مجھے سمجھ میں آتا ہے میں نے بتایا ہے کہ ذکر اور شکر کو قرآن مجید نے وابستہ کیا ہے اور انعامات الٰہیہ کے ذکر کا حکم دیا ہے ان تمام امور کو یکجائی نظر سے دیکھنے پر یہ حقیقت نمایاں ہو جاتی ہے کہ تحدیث بالنعمۃ سے دراصل یہ مراد ہے کہ جو نعمت تم کو دی گئی ہے اس سے دوسروں

تحدیث بالنعمۃ سے کیا مراد ہے

کو نفع پہنچاؤ اور اسے اپنی ذات تک محدود نہ کرو بلکہ تخلقوا باخلاق اللہ کے ماتحت خود متنعم ہو کر دوسروں کو اس سے بہرہ مند کرو اگر یہ نہیں تو یہ کفران نعمت ہوگا۔ میں اس مفہوم کے متعلق ایک اصولی بات کہتا ہوں کہ قرآن مجید نے جہاں جہاں انعامات کا ذکر کیا ہے ان مقامات کو پڑھو تو اس کے ساتھ ہی یہ بات معلوم ہو جاوے گی۔ کہ مقصد کیا ہے اور اس مفہوم کی تائید میں ثمرات شکر کی صورت میں بھی یقین کرتا ہوں جیسا کہ اللہ تعالے فرماتا ہے۔

ثمرات شکر

سورۃ ابراہیم پارہ ۱۳ رکوع ۲ آیۃ ۷

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ۝

اور (یاد کرو) جب تمہارے رب نے (یہ قانون دیا کہ) اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر کروگے تو ہم ضرور ضرور اسے بڑھا دیں گے اور اگر تم نے کفر کیا تو میرا عذاب شدید ہے

اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے ازدیاد نعمت کیلئے ایک قانون شکر بتایا ہے اگر یہ اظہار شکر صرف زبان یا استعمال صحیح کی حد تک محدود ہوتا تو ازدیاد کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟

قرآن مجید اپنی تفسیر آپ کرتا ہے اور تدبر اور جہاد فی اللہ سے کام لینے والے اس کے حقائق علمیہ سے آگاہ ہو جاتے ہیں۔

پس اس حقیقت کی بحمد اللہ ایک وسیع معرفت سے بہرہ ور ہوا ہوں لیکن میں صرف اشارہ کرتا ہوں قرآن کریم نے انفاق فی سبیل اللہ کو ازدیاد کا ذریعہ بتایا ہے کتاب الزکوٰۃ میں تفصیلی بحث کر چکا ہوں اور مال خداداد نعمتوں سے ایک بڑی نعمت ہے۔

پس انفاق فی سبیل اللہ جس طرح مالی نعمت کے ازدیاد کا موجب ہے اسی طرح پر دوسرے انعامات کا انفاق فی سبیل اللہ اس نعمت کے ازدیاد کا موجب ہے اسی لئے یہاں شکر کے مقابلہ میں کفر کا لفظ رکھا ہے۔ اور اس کے نتیجہ میں عذاب شدید کی وعید ہے۔ اس تقابل سے جو شکر اور کفر کا رکھا گیا ہے ظاہر ہے کہ شکر ایمان کے عملی حصہ میں ایک مقام رکھتا ہے اور ایمان کے اساسی ارکان میں فرمایا گیا ہے۔

وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝

جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں خرچ کرتے ہیں

اس قدر بیان میں سمجھتا ہوں اس مفہوم کی وضاحت کے لئے رہنمائی کا کام دے سکتا ہے۔ جو تحدیث بالنعمۃ (جو شکر کا ایک پہلو ہے) کے متعلق میں نے پیش کیا ہے۔

یہ تو ایک ضمنی بحث تھی میں یہ بتا رہا تھا کہ ذکر، شکر اور کفر باہم ایک ربط رکھتے ہیں ذکر نعمت شکر میں داخل ہے اور شکر نعمت کفر سے بچاتا ہے۔ اور اس سے کفر کے مفہوم کی وسعت کا بھی اندازہ ہوتا ہے اب میں ایک اور نکتہ معرفت کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔

ایک نکتہ معرفت

اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الدہر پارہ ۲۹ آیۃ ۳
اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ۝

ہم نے اسکو راستہ کی رہنمائی کی چاہے وہ شکر گزار ہو یا کفر (ناشکری) کرے۔

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالےٰ نے انسان کی تخلیق اور اسکو دی ہوئی قوتوں کا ذکر فرمایا اور وہ قوتیں اسے اس مقصد کے لئے دیگئی ہیں کہ وہ راہ ہدایت کو پائے اور اسے صراط مستقیم دکھا دیگئی اب اسکی اختیاری حالت ہے صراط مستقیم کو اختیار کرے یا ترک کرے۔ اس سے شکر کی حقیقت اور واضح ہوتی ہے اور انسان کی اختیار کو بھی ظاہر کر دیا گیا ہے اس آیۃ سے بھی یہ حقیقت نمایاں ہے کہ شکر نعمت سے مراد تمام احکام پر عمل کرنا ہے جو انسان کو اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کے متعلق دئیے گئے ہیں جو اس کے اپنے جوارح کان آنکھ وغیرہ سے لے کر مادی الغذا ات تک پر وسیع ہیں۔

اسی سلسلہ میں قرآن کریم کی ایک اور آیتہ میں پیش کرتا ہوں جو اسکی تائید مزید یا صحیح معنوں میں تفسیر کرتی ہے۔

پارہ ۱۵ سورۃ بنی اسرائیل رکوع ۲ آیتہ ۲۰

سعی مشکور

وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ۝

اور جو شخص آخرت کو چاہتا ہے اور اس کے لئے ایسی کوشش کرتا ہے جو کوشش کا حق ہے اور وہ مومن ہے تو یہی وہ لوگ ہیں جنکی سعی مشکور ہوتی ہے۔

تشریحی نوٹ

اس سے پہلے آیتہ ۱۲ سے ایک سلسلہ اس حقیقت کے بیان میں چلتا ہے کہ انسان کے اعمال اور انکے نتائج باہم وابستہ ہیں جس قسم کے اعمال ہونگے اسی قسم نتائج ہوں گے پھر بتایا کہ دنیا میں دو قسم کے لوگ ہیں ایک وہ جنکی ساری تگ و دو چند روزہ زندگی کے لئے ہے آخرت کی زندگی جو دائمی ہے انکی نظروں سے پوشیدہ ہوتی ہے۔ اور دوسرا گروہ وہ ہے جو آخرۃ کی زندگی پر یقین رکھتا ہے اسلئے اسکی عملی زندگی کا مقصد وہ حیات دائمی ہے۔

اللہ تعالے جزائے اعمال کے متعلق اپنا قانون بتاتا ہے۔ کہ طالبان دنیا کو انکی تجویزوں اور کوششوں کے نتیجہ میں اس چند روزہ زندگی کے مطلوب مل جائیں گے۔ لیکن چونکہ آخرۃ ان کے مدنظر نہیں اس لئے ان دنیوی مقاصد کے حصول سے ان نیکیوں کو حاصل نکر سکیں گے جو حیات ابدی اور راحت ابدی کا ذریعہ ہیں بلکہ وہ ایسا طریق عمل اختیار کرتے ہیں جو بالآخر انکو جہنم کا مستحق بنا دیتا ہے۔

لیکن طالبان آخرۃ کی کوششوں کو اللہ تعالیٰ سعی مشکور قرار دیتا
ہے یعنے اللہ تعالےٰ جو شکور اور شاکر ہے انکو نہ صرف دنیا میں بلکہ
آخرۃ میں بھی بامراد کرتا ہے جس مقصد کیلئے میں نے اس آیۃ کو پیش کیا ہے
وہ سعی مشکور کی تشریح اور اللہ تعالیٰ کی صفت شکور کے مفہوم کو واضح
کرتے ہوئے شکر کے عملی اظہار کو واضح کرتا ہے۔
اس کیلئے اللہ تعالےٰ نے دو شرائط بتائی ہیں اول سعی ہو جو اس کا حق
ہے یعنے اللہ تعالےٰ کے دئے ہوئے احکام کے خلاف نہ ہو اور مومن
ہو اور اس کے ذیل میں

کتاب العمل کا پورا باب ہے

شکر کے متعلق میں مختلف اور ضروری پہلوؤں پر بحث کر چکا اب
اس کے متعلق احکام قرآنی کو لکھتا ہوں سورۃ بقرہ کی آیۃ تو لکھ آیا ہوں
(۲) سورۃ النساء پارہ ۵ کا آخری رکوع آیۃ ۱۴۷

مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ
وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ۝

لوگو! اگر تم شکر کروگے اور ایمان لاؤ۔ تو اللہ تعالےٰ تمہیں عذاب دیکر
کیا کریگا۔ اللہ تعالیٰ تو انسانی اعمال صالحہ کا قدر دان ہے اور علیم ہے۔

تشریحی نوٹ — اس آیۃ سے اوپر منافقوں کا ذکر ہے اور انکے کرتوتوں
کی سزا کا ذکر فرمایا تھا اب بتایا کہ اگر وہ توبہ کرکے شکر گذار

بندے بن جاویں اور مومن حقیقی ہو جائیں تو اللہ تعالٰے کو عذاب دینے کی کیا ضرورت ہے۔ وہ تو شاکر ہے ہر اچھے عمل کرنے والوں کے اعمال صالحہ کی قدر کرتا ہے۔ اور اسکی رحمت تو اس کے غضب پر بھی سبقت رکھتی ہے۔

اس آیۃ سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ عذاب یا سزا اصل مقصد نہیں اور نہ اس میں جذبہ انتقام کارفرما ہے بلکہ اس کا مقصد

اصلاح نفس ہے

اور یہی حقیقت توبہ اور استغفار سے عذاب کے ٹل جانیکی ہے۔

(۳) انعامات الٰہیہ مومنین پر ابتلاء کے رنگ میں بھی ہوتے ہیں ان اوقات میں جو لوگ اللہ تعالٰی کی مقادیر سے صلح رکھتے ہیں اور اپنے مقام ایمان سے متنزلزل نہیں ہوتے

شکر کا ایک اور رنگ

وہ بھی ایک رنگ ہوتا ہے اللہ تعالٰے ایسے نفوس کو شاکرین قرار دیتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ صبر علی البلا بھی ایک شکر کی صورت ہے اور اس پر بھی قایم رہنا چاہئیے۔

فرمایا سورۃ الانعام پارہ ۷ رکوع ۶ آیۃ ۵۷

كَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا ؕ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ ۝

اور اسی طرح ہم انہیں سے بعض کو بعض کے ذریعہ آزمائش میں ڈالتے ہیں تاکہ وہ

کہیں کہ کیا یہی ہیں وہ لوگ جن پر اللہ تعالےٰ نے ہم میں سے احسان کیا۔
انہیں یاد رکھنا چاہئے کہ کیا اللہ شکر کرنے والوں کو نہیں جانتا۔

فتنہ یہاں اللہ تعالےٰ نے فتن کا لفظ بولا ہے جو کہ دن بنانے کا مفہوم اپنے اندر رکھتا ہے مومنین کے لئے جب فتنہ کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس کی حقیقت ان کے اخلاص اور کمالات کے ظہور سے ہوتی ہے اس آیۃ میں ایک عمل اصلاح بتا کر اس پر پورے اترنے والوں کا نام شاکرین رکھا ہے اور اس طرح یہ در اصل ایک حکم ہے کہ

صبر علی البلاء کرو تو یہ بھی شکر ہے

(۴) سورۃ زمر پارہ ۲۴ رکوع ۷ آیۃ ۶۶

بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝

بلکہ اللہ ہی کی عبادت کرو اور شکر کرنے والوں میں سے ہو جاؤ۔

یہاں شرک سے بیزاری اور اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کو شکر کی ایک کیفیت بیان کیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالےٰ کی توحید فی العبادت بھی شکر کی ایک قسم ہے۔

یہاں میں اس کتاب کے پڑھنے والوں کو کہوں گا۔ کہ وہ قرآن کریم میں جہاں جہاں شاکرین آیا ہے ان مقامات پر غور کریں گے تو ان کو

شکر کی کیفیتوں کا علم حاصل ہوگا

ایک یاد رکھنے کی بات ابھی میں نے شکر کی کیفیات کو سمجھنے کے لئے ایک طریق

کا اظہار کیلئے اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ جہاں، اللہ تعالے نے اپنے انعامات کا ذکر فرمایا اور اس کے ساتھ شکر نعمت کا حکم دیا ہے وہاں شکر نعمت کی نوعیت اسی رنگ کی ہوگی۔ اس کے لئے میں ایک مثال درج کرتا ہوں۔ اور باقی کا صرف حوالہ دوں گا۔

سورۃ الفرقان کا آخری رکوع

تَبٰرَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِيْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِيْرًا ○ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا ○

ترجمہ:- بابرکت ہے وہ ذات جس نے آسمان میں برج (ستارے) بنائے اور سورج اور چاند کو روشنی دینے والا بنایا ○ اور وہی ہے جس نے رات اور دن کو بنایا۔ جو ایک دوسرے کے پیچھے آنے والے ہیں۔ مقصد اس تخلیق کائنات سماوی سے یہ ہے کہ جو چاہتا ہے اس تخلیق کو دیکھ کر ذکر کرنے والا ہو۔ یا شکر گزاری کرنے والا ہو۔

تشریحی نوٹ میں ذکر اور شکر کے باہمی تعلق کا ذکر پہلے کر آیا ہوں۔ یہاں مجھے اس آیت کی تفسیر نہیں کرنا ہے بلکہ صرف ایک امر کی طرف توجہ دلانا ہے کہ جس کا میں نے اوپر اشارہ کیا ہے۔

میں نے بتایا کہ جس قسم کی نعمت کا قرآن کریم ذکر کرتا ہے اس کا شکر اسی رنگ میں ہونا چاہئے۔

ایک لطیف نکتہ معرفت

یہاں اللہ تعالیٰ نے سماوی کائنات کا ذکر بطور انعام کیا ہے اور اس کے بیان کرنے کا مقصد ذکر اور شکر ہے ان انعامات کا شکر کس رنگ میں ہوگا۔ جس طرح پر سورج اور چاند انوار سماوی کا موجب ہیں اور موجودات ارضی پر ان کے اثرات کے نتائج پیدا ہوتے ہیں مومن اس کے شکر میں اپنے اندر انوار سماوی کی روشنی پیدا کر کے دوسروں کے لئے نمونہ اور روشنی کا منار بن جاوے اور رات کو جس طرح پر اللہ تعالیٰ نے سکون اور ستر (لباس) کا ذریعہ بنایا ہے اس نعمت کا شکریہ ہوگا کہ مومن دوسروں کے لئے باعث سکون ہو اور دوسروں کے عیبوں سے چشم پوشی کرے اور ستاری سے کام لے اس طرح پر اخلاق کی کتاب کا ایک دفتر اس میں رکھ دیا گیا ہے اور دن، جب شروع ہوتا ہے تو وہ انسان کے لئے ذریعہ معاش ہوتا ہے۔ اس کے اندر ایک بیداری اور حرکت پیدا ہوتی ہے۔ پس مومن کو نافع الناس ہونا چاہئے اس کا وجود دوسروں کے لئے دن کا کام دے۔

میں نے نہایت مختصر الفاظ میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے جو یہاں شکر نعمت کے لئے رکھی گئی ہے۔ اسی طرح پر جہاں

جہاں قرآن کریم میں اس قسم کی آیات آئی ہیں۔ اور انعامات الہیہ کا ذکر ہے اسی رنگ میں مومن اللہ تعالیٰ کا شکر گذار بندہ ہو سکتا ہے۔

اب میں صرف ایک بات کا ذکر کر کے احکام الذکر کے باب کو ختم کر دوں گا۔

اللہ تعالیٰ کے ایک شکر گذار بندے کا نظام عمل

قرآن کریم نے مختلف مقامات پر اپنے شکر گذار بندوں کا ذکر کیا ہے۔ میں ان میں سے ایک کا ذکر کرتا ہوں اس کی زندگی کا نظام عمل شکر کی عملی تفسیر ہے۔

دیکھو سورۃ النحل پارہ ۱۴ رکوع ۱۶ اسی آیۃ

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ؕ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ؕ اِجْتَبٰىهُ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝

بے شک ابراہیم ایک امام (امۃ) اللہ تعالیٰ کا کامل فرمانبردار اور راست رو تھا۔ اور وہ مشرک نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر گذار تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے برگزیدہ کیا اور صراط مستقیم کی طرف اس کی رہنمائی فرمائی۔

اس آیۃ میں دوسرے حقائق و معارف سے قطع نظر میں اس امر کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت

ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صفات کا ذکر کرکے بتایا کہ وہ اللہ تعالےٰ کی نعمتوں کا شکر گزار تھا۔ اب خود سمجھ میں آجاتا ہے کہ ابراہیمی روح تحمّل پیدا کرو تاکہ شکر گزاری کی حقیقت اور اس کے ثمرات سے بہرہ ور ہوسکو

اللھم اجعلنا من الشاکرین
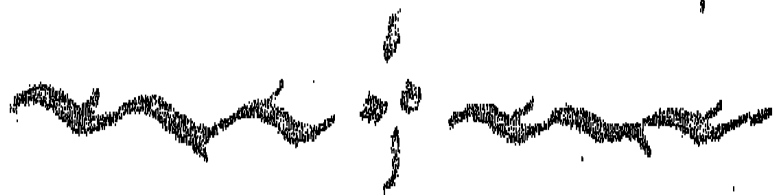
چوتھا باب

اعمال اللسان جو حقوق العباد کے متعلق ہیں

اعمال اللسان جو حقوق العباد کے متعلق ہیں

اعمال اللسان میں ان احکام کو کسی قدر بیان کر چکا جو اللہ تعالیٰ کے قرب کے حصول کا ذریعہ ہیں اور انسان کی اخلاقی اور روحانی قوتوں کو نشو و نما دینے کے لئے ان پر عمل لازمی ہے اب میں ان احکام کو بیان کرتا ہوں جو زبان سے متعلق ہیں مگر ان کا اثر دوسرے انسانوں پر پڑتا ہے اور ذاتی طور پر ان پر عمل کرنے سے انسان کے تمدنی اخلاق کی قوتیں بیدار ہوتی ہیں اور وہ انسانی سوسائٹی کا بہترین فرد ہو جاتا ہے۔

ایک تمہیدی اصل

قرآن کریم سورۃ الذاریات پارہ ۲۷ رکوع ۱ آیۃ ۲۲ میں فرماتا ہے۔

وَفِیۡۤ اَنۡفُسِکُمۡ ؕ اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ ۝

تمہاری ذات میں بھی نشانات ہیں۔ تم کیوں دیکھتے نہیں

اس آیۃ میں علاوہ دوسرے حقایق و معارف کے اخلاقیات کا ایک اصل بیان کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ انسان مختلف قسم کے جذبات اور احساسات کو لے کر دنیا میں آتا ہے۔ اور ان جذبات اور احساسات ہی پر اخلاقیات کی بنیاد ہے۔ اور پھر یہ جذبات بنیادی رنگ میں تین قسم کے ہیں۔ اول جو ادراک سے تعلق رکھتے ہیں۔ دوم جن کا تعلق جذبہ شہوت (خواہش) سے ہے۔ سوم جن کا تعلق جذبہ غضب سے ہے

اور یہ تینوں قسم کے جذبات مجموعی رنگ میں حفظ نفس کے لئے بمنزلہ روح کے ہے غور کر کے دیکھ لو کہ کوئی بھی فعل انسان کرے اس کا آخری نتیجہ یا مقصد اسی جذبہ حفظ نفس کے ماتحت ہوگا۔

ان ہر سہ بنیادی جذبات کی سینکڑوں شاخیں ہیں بلکہ یہ کہنا درست ہے کہ چھ سو شاخیں ہیں۔ اور انسانی اخلاق کی تکمیل ان چھ سو قسم کے احکام کی فرمانبرداری میں ہوتی ہے اور یہی مناسبت ہے اس امر کی کہ حضرت جبرئیل کے چھ سو پَر قرار دیئے گئے ہیں۔ اور قرآن کریم کو اسی جہت سے کامل اور غیر فانی کتاب قرار دیا گیا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبین اور زندہ رسول کہا گیا کہ آپکی کامل اتباع اس حیات نو کا باعث ہے اور آپکی بعثت کی ایک غرض

مکارم اخلاق کی تکمیل ہے

غرض تمام اخلاق کے مبادی یہی تین قسم کے جذبات ہیں۔ اور جذبات کی شاخوں میں ایمانیات داخل ہیں جن کا ذکر پہلے باب یعنے کتاب الایمان میں کیا ہے۔ اور انکی تکمیل کی عملی صورتوں کے ایک حصہ کو تیسرے باب میں بیان کیا عبادات کے متعلق مستقل کتابیں لکھ چکا ہوں اس کا صرف حوالہ دے دیا ہے۔ اب میں باقی دو بنیادی جذبات غضب اور شہوت کے ماتحت اول اعمال اللسان کے دوسرے حصہ کو بیان کرتا ہوں تفصیل میں جانے سے پہلے

اس امر کا بیان بھی ضروری ہے کہ ان جذبات کا صحیح استعمال فضائل اخلاق پیدا کرتا ہے۔ اور انہیں افراط یا تفریط رزائل پیدا کرتی ہے۔

اعمال اللسان کی تقسیم

وہ اعمال جو زبان سے متعلق ہیں وہ دو قسم کے ہیں ایک وہ جو انسان کی اپنی ذات پر موثر ہیں۔ گو نتائج کے سلسلہ میں وہ دوسروں پر بھی اچھا یا برا اثر پیدا کر سکتے ہیں۔ اور دوسری قسم ان اعمال کی ہے۔ جو دوسروں پر براہ راست اثر انداز ہوتے ہیں۔ اور نتیجتاً خود انسان پر بھی موثر ہوتے ہیں۔ میں اسکی وضاحت ایک مثال سے کرتا ہوں۔ ایک شخص تسبیح و تحمید کرتا ہے یعنی اللہ تعالے کی حمد کرتا اور اس کا ہر قسم کے نقص سے پاک ہونا بیان کرتا ہے براہ راست اس کا اجر اور اس کا مفاد اس کی اپنی ذات کے لئے ہے لیکن ان نتائج کے لحاظ سے جو اس سے پیدا ہوتے ہیں کہ وہ خود ہر قسم کی برائیوں سے بچنے اور ہر قسم کے بھلائی کے کاموں کی کوشش کرتا ہے۔ دوسرے بھی متاثر ہوتے ہیں۔

اور دوسری قسم کے اعمال میں مثلاً وہ دوسروں کو نیکی کی، ترغیب دیتا ہے تو گو وہ اس پر عمل کر کے فائدہ اٹھائیں گے۔ لیکن اس نیک تحریک کا اسے بھی اجر ملے گا۔

پھر اعمال اللسان کی ایک اور تقسیم ہے۔ اور وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔ اور اسی اصل کے ماتحت ایک تقسیم یہ بھی ہے کہ بعض اعمال اخلاق فاضلہ کو پیدا کرتے ہیں۔ اور بعض رذائل کا

موجب ہو جاتے ہیں۔

اعمال اللسان جو انسانیت سے متعلق ہیں

میں اعمال اللسان کی تقسیم بیان کرنے کے بعد اولاً ان اعمال کو بیان کروں گا جن کا تعلق انسانیت سے ہے جو صحیح تمدن اور معاشرہ کے لئے بنیادی رنگ رکھتے ہیں۔ ان اعمال میں سے وہ عمل جو سب سے زیادہ عظیم الشان ہے وہ صدق ہے بلکہ سچ تو یہ ہے کہ جس قدر اچھے اخلاقی اعمال زبان سے تعلق رکھتے ہیں۔ وہ اسی پر عمل سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور تمام لسانی رزائل اسی کے ترک کا نتیجہ ہیں۔ پس میں سب سے اول قرآن مجید کی روشنی میں یہ بتا دوں گا کہ

(۱) صدق کا کیا مقام ہے

قرآن مجید میں مقام صدق

قرآن مجید نے اس لسانی بنیادی خلق کی عظمت کو مختلف رنگوں میں بیان کیا ہے۔

(۱) سب سے پہلے قرآن مجید نے خود اپنا نام صدق اور مصدق رکھتا ہے۔ چنانچہ فرمایا سورۃ الانعام رکوع نمبر ۱۴ آیۃ ۱۱۶

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○

ترجمہ:۔ اور تیرے رب کا کلمہ کمال صدق اور کمال عدل پر ہے اس کے کلمہ میں تغیر و تبدل نہیں اور وہ السمیع اور العلیم ہے۔

عربی زبان کے خصایص میں سے یہ بھی ایک خصوصیت ہے کہ کبھی وہ اسم فاعل کی بجائے صفت کو استعمال کرتا ہے اور اس سے مراد اس صفت کے کمال کا اظہار مقصود ہوتا ہے یہاں قرآن مجید کو صدق اور عدل کہا گیا ہے۔ یعنے صدق اور عدل اپنے انتہائی کمال کو لئے ہوئے ہے اس پر کسی اور کا اضافہ نہیں ہوسکتا صدق اور عدل کے باریک سے باریک شعبے بھی قرآن مجید بیان کرتا ہے۔ اور یہ اس کے کمال کا ثبوت ہے۔

غرض قرآن کریم نے اپنا نام صدق رکھ کر یہ بتایا ہے کہ صدق کے جس قدر شعبے ہوسکتے ہیں جو انسان کی عملی زندگی پر موثر ہوتے ہیں۔ ان سب کو قرآن کریم نے بیان کیا ہے نیز یہ کہ قرآن مجید جس قدر اخلاق فاضلہ اور تزکیہ نفس کے طریق بیان کرتا ہے وہ مختلف پہلوؤں سے صدق ہی کے ضمن میں آجاتے ہیں۔

اسلوب بیان کا ایک ضمنی نکتہ

قرآن کریم کے اسلوب بیان پر بھی میں ایک رسالہ لکھ چکا ہوں یہاں ضمناً ایک نکتہ بیان کرنا چاہتا ہوں اور وہ عربی زبان کی خصوصیات میں سے ہے کہ وہ کبھی اسم فاعل کی جگہ صفت کو استعمال کرتا ہے اور اس سے مراد اس صفت کے کمال کا اظہار ہوتا ہے۔ اس آیتہ میں قرآن مجید کو صدق اور عدل کہا یعنے صدق اور عدل اپنے انتہائی کمال کو لئے ہوئے ہے اس پر کسی اور کا اضافہ نہیں ہوسکتا صدق اور عدل

کے باریک سے باریک شعبے بھی قرآن مجید بیان کرتا ہے۔ اور یہ
اس کے کمال کا ثبوت ہے۔

(۲) انبیاء علیہم السلام کے مقام رفیع کو بیان کرتے ہوئے انکے
خصائص اخلاقیہ میں صدق کا اظہار کیا خود حضرت نبی کریم صلی اللہ
علیہ وسلم کو مصدق فرمایا اور یہ کہ آپ ایک ایسی صداقت لے کر آئے
ہیں جو اپنے عملی نتائج میں متقی بنا دیتی ہے۔ چنانچہ فرمایا

پارہ ۲۴ سورۃ الزمر رکوع ۴ آیۃ ۳۳

وَالَّذِیۡ جَآءَ بِالصِّدۡقِ وَصَدَّقَ بِہٖۤ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُتَّقُوۡنَ

اور وہ (پاک وجود) جو صداقت لیکر آیا اور اسکی عملی تصدیق متقی ہی کرتے ہیں۔

(۳) قرآن کریم نے خصوصیت سے بعض انبیاء علیہم السلام اور بعض
خواتین مطہرہ کی اس صفت کا اظہار خصوصی فرمایا اس میں جو حکمت
ہے وہ اپنے موقع پر بیان کروں گا۔ چنانچہ حضرت ابو الانبیاء ابراہیم
علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق فرمایا۔ پارہ ۱۶ سورۃ مریم شروع رکوع ۳

وَاذۡکُرۡ فِی الۡکِتٰبِ اِبۡرٰہِیۡمَ ۬ؕ اِنَّہٗ کَانَ صِدِّیۡقًا نَّبِیًّا

اور کتاب میں ابراہیم کا ذکر کرو۔ وہ صدیق نبی تھا۔ اسی سورۃ میں حضرت
ادریس علیہ السلام کو بھی صدیق فرمایا حضرت یوسف علیہ السلام
کو اس کے رفقائے قید ایہا الصدیق کہہ کر خطاب کرتے ہیں۔
جس سے ان کے کمال صدق کا اظہار مقصود ہے۔

(۴) قرآن مجید نے مقام صدق کے بیان میں ایک نہایت لطیف

پیرایہ میں بیان کیا ہے کہ صدق اللہ تعالے کی صفات میں سے ایک صفت ہے۔ اور اس کے بیان کرنے سے منشاء الٰہی یہ ہے کہ جس قدر انسان صدق کی کیفیت اپنے اندر پیدا کریگا۔ اسی قدر تجلیات ربانی سے بہرہ اندوز ہوگا۔

بعض مفکرین اخلاق کا خیال ہے کہ صدق کا پہلا چشمہ زبان ہے۔ میرا اس سے اتفاق نہیں میرے نزدیک زبان اظہار صدق کا پہلا ذریعہ ہوسکتی ہے چشمہ نہیں صداقت کا سوتا اولاً دل سے نکلتا ہے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انسان کے اندر ایک ایسا گوشت کا ٹکڑا ہے اگر وہ درست رہے تو سب کچھ درست رہتا ہے اور پھر آپ ہی ارشاد فرمایا کہ وہ دل ہے۔ پس دل ہی وہ چشمہ ہے جہاں سے جذبات کے چشمے نکلتے ہیں۔

زبان بظاہر بعض اوقات اظہار صداقت کرتی ہے لیکن وہ جھوٹ ہوتا ہے۔ جیسے منافق اقرار صداقت کرتا ہے۔ مگر دل اس کے ساتھ نہیں ہوتا۔

پس صدق کا منبع دل ہے۔ دل کی سچائی کے ساتھ زبان اور جوارح اس صداقت کا اظہار کریں۔ پس صدق کی بنیادی تقسیم یہ ہوگی کہ دل اس صداقت کا اقرار کرے زبان اس کا اظہار کرے اور اعمال اس کا ثبوت دیں۔ اس طرح صدق کی تقسیم یا تکمیل ہوگی۔

یہ تو صدق کی ایک بنیادی تقسیم ہے اس کے علاوہ عملی اور لسانی
صدق کے مختلف شعبے ہیں۔ اور میں اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحم سے انکے
متعلق کسی قدر اختصار کے ساتھ بیان کرنے کی کوشش کروں گا۔ اور
اس باب میں مجھے ان اخلاقیات لسانی کا ذکر کرنا ہے جو دوسروں
پر اثر انداز ہوتی ہیں۔

(۱) اس سلسلے میں سب سے پہلے جھوٹ (کذب) کو لیتا ہوں جو فضائل
لسان کے مقابلہ میں تمام بدیوں کی جڑ ہے۔ اور تمام نیکیوں کی جڑ
صدق ہے۔

کذب یا جھوٹ کیا ہے اور اسکے اقسام

قرآن کریم نے کِذب (جھوٹ) کو صدق کے مقابلہ
میں رکھا ہے۔ اور یہی حقیقت ہے اور جس طرح
پر صدق کا ظہور قول اور فعل سے ہوتا ہے۔ جھوٹ کا اظہار بھی اسی طرح
ہوتا ہے یہ جھوٹ کئی قسم کا ہوتا ہے۔

(۱) اللہ تعالیٰ پر افترا کرنا (۲) ربانی صداقت کا نہ صرف انکار
بلکہ تکذیب بھی (۳) نفاق (۴) جھوٹی گواہی دینا (۵) دوسروں پر
اتہام لگانا (۶) دوسروں کے حقارت سے نام رکھنا (۷) خوشامد
کرنا (۸) وعدہ خلافی کرنا (۹) حق کا علم رکھ کر انجان ہو جانا۔۔۔
جسے اصطلاح میں تجاہل عارفانہ کہتے ہیں۔ (۱۰) اللہ تعالیٰ کے ساتھ
شرک کرنا خواہ کسی قسم کا ہو۔

یہ (۱۰) موٹے اقسام کذب کے ہیں۔ اب میں ان کے متعلق

احکام قرآنی کو پیش کرتا ہوں یاد رہے یہ احکام نواہی کے رنگ میں ہوں گے۔ شرک کے متعلق میں ایمان باللہ کی بحث میں بہت کچھ لکھ آیا ہوں۔

یہ بھی یاد رہے کہ کبھی رزائل یا فضائل کے متعلق حکم یا ممانعت کی جاتی ہے اور کبھی ان کے مفاد اور ثمرات بتا کر ان پر عمل کرنے اور یا نقصانات بتا کر ان سے پرہیز کرنے کا حکم دیا جاتا ہے۔ قرآن کریم کا مقصد تو عملی قوتوں کی تربیت ہے اس لئے وہ اس اسلوب بیان کو اختیار کرتا ہے جو موثر ہو ان امور کو اس اخلاقی تربیت کے ضمن میں یاد رکھو۔

سب سے بڑا جھوٹ یا افترا قرآن مجید سب سے بڑا جھوٹ اس چیز کو قرار دیتا ہے کہ کوئی شخص جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نہ کیا گیا ہو یہ دعوےٰ کرے کہ اس پر وحی ہوتی ہے۔ اور یا وہ شخص جو واقعی خدا تعالیٰ کے کلام کا انکار کرے اور اسکی تکذیب کرے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

پارہ ۲۴ سورۃ الزمر رکوع ۴ آیۃ ۳۳، ۳۴

فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللَّهِ وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ إِذْ جَاءَهُ ۚ أَلَيْسَ فِي جَهَنَّمَ مَثْوًى لِلْكَافِرِينَ ۝

اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹ بولتا ہے اور اس سے بڑا ظالم کون ہے کہ جب اس کے پاس صدق آیا تو اسکی تکذیب کی (یہ دونو کافر ہیں) اور کافروں کا ٹھکانا تو جہنم ہی ہے۔ (۳۳)

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ٥

اور وہ جو صداقت کو لے کر آیا اور وہ جس نے اسکی صداقت کو قبول کیا اور اسکی تصدیق کی یہی متقی ہیں۔

ان ہر دو آیات میں نتائج بتا کر حکم دیا کہ (۱) اللہ پر جھوٹ نہ بولو (۲) خدا کی طرف سے صداقت آئے تو اسکی تکذیب نہ کرو تو عذاب جہنم سے بچ جاؤ گے ورنہ ٹھکانا جہنم ہوگا۔ اور جب کوئی صادق صدق لے کر آئے تو اسکی تصدیق کرو۔ یہ طریق عمل تم کو متقی بنا دے گا۔ قرآن کریم نے مختلف مقامات پر اس صداقت کا اظہار کیا گیا ہے۔

اس طرح پر حق اور صدق کے اقرار اور انکار کے نتائج پیش کیا گیا ہے اسی سلسلہ میں دوسرا بڑا جھوٹ نفاق ہے۔

دوسرا بڑا جھوٹ نفاق ہے

اور اس کا سب سے بڑا نشان بھی جھوٹ بولنا ہے۔ چنانچہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو منافق کی علامات میں یہ بتایا ہی ہے۔ اذا حدث کذب (جب بات کرتا ہے۔ جھوٹ بولتا ہے) اور اللہ تعالیٰ کی شہادت قرآن مجید میں موجود ہے۔

منافق کا معاملہ اتنا اہم ہے کہ قرآن مجید میں ایک پوری سورۃ المنافقون ہے۔ جو پارہ نمبر ۲۸ میں ہے اور اسکی پہلی آیۃ میں اللہ تعالیٰ ان کے کاذب ہونے کی صراحت فرماتا ہے۔

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ

لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ۗ وَاللّٰهُ
يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۝

جب منافق آپ کے پاس آتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ ہم شہادت دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ آپ اسکے رسول ہیں مگر منافقین یقیناً جھوٹ بولتے ہیں

یہاں اللہ تعالیٰ نے اسی حقیقت کا انکشاف فرمایا ہے کہ صرف زبان سے کہہ دینے سے کام نہیں بنتا۔ عمل کی ضرورت ہے اور سورۃ بقرہ کے دوسرے ہی رکوع میں منافقین کے زبانی دعوے کے ہوتے ہوئے فرمایا ما ھم بمومنین وہ مومن نہیں نعم ما قیل

از عمل ثابت کن آں نورے کہ در ایمان تست
دل چہ داری یوسفے را راہ کنعان راگزین!

اور سورۃ صف جو اسی پارہ میں سورۃ المنافقون سے ایک سورۃ جمعہ چھوڑ کر آتی ہے دوسری آیۃ میں اسکو سخت قابل نفرت عمل بتایا کہ انسان صرف زبان سے کہے اور عمل نہ کرے۔ فرمایا

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝
كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝

مومنو! تم ایسی بات کیوں کہتے ہو جس پر تم عمل نہیں کرتے (یاد رکھو) اللہ تعالیٰ کے حضور یہ نہایت بیزاری کی بات ہے کہ تم وہ بات کہو جس پر تم عمل نہ کرو۔

اس میں یہ حکم دیا گیا کہ جو بات کہو اس پر عمل کرو۔ اور وہ بات مت کہو جس پر عمل نہ کرو۔

اگرچہ یہ باب مخصوص ہے ان احکام کے متعلق جو اعمال اللسان کے ضمن میں دیئے گئے ہیں۔ اور کذب کے سلسلہ میں منافق کا ذکر آگیا ہے اس لئے میں قرآن مجید سے منافقین کے متعلق بعض ضروری امور کو بیان کر دینا بھی مناسب سمجھتا ہوں۔ اس لئے کہ یہ مرض نہ صرف منافق کی تباہی کا موجب ہوتا ہے بلکہ اسکی وجہ سے قومی نقصان بھی ہوتا ہے اور منافق قومی ترقی کی راہ میں خطرناک روک ہو جاتا ہے منافق کی علامتوں میں سب سے بڑی علامت تو اس کا جھوٹ بولنا ہے۔

علامات المنافقین

(۲) منافقین اپنی خیانتوں کو چھپانے کے لئے مصلح ہونے کا دعوے کرتے ہیں۔ اور دراصل وہ مفسد ہوتے ہیں۔ چنانچہ سورۃ البقرہ کے دوسرے ہی رکوع کی آیتہ ۱ میں فرمایا

جب انکو کہا جاتا ہے کہ (دیکھو) زمین پر فساد نہ کرو تو کہتے ہیں کہ ہم تو اصلاح کرنیوالے ہیں (۱۱)

آگاہ رہو یقیناً وہی مفسد ہیں لیکن وہ اپنے عمل فساد کو محسوس نہیں کرتے (۱۲)

(۳) منافق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ پر راضی نہیں ہوتا میں اسی کتاب ایمان بالرسل کے باب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان کی بحث میں قرآن کریم کے حوالہ سے بتا آیا ہوں۔ کہ مومن شرح صدر سے حضور کے فیصلہ کو تسلیم کرتا ہے برخلاف اس کے منافق اس فیصلہ سے اعراض کرتے ہیں۔ پارہ پنجم سورۃ النساء رکوع ۹ آیتہ ۶۲ میں فرمایا۔

"اور جب انکو کہا جاتا ہے کہ اس صداقت و ہدایت کی طرف جو اللہ تعالےٰ نے نازل فرمائی۔ اور رسول کی طرف آؤ تو منافقوں کو دیکھے گا کہ وہ تجھ سے اعراض کرتے ہیں۔"

پس منافق شریعت کے فیصلے سے اعراض کرتا ہے۔

(۴) منافق اپنے طریق عمل سے دھوکا دینا چاہتا ہے۔ اور وہ اس دھوکا دہی کی سزا پاتا ہے اور نماز میں کاہلی کرتا ہے۔ ریاکار ہوتا ہے ذکر اللہ نہیں کرتا۔ وہ قوت فیصلہ نہیں رکھتا اور اسی لئے وہ گمراہ ہوتا ہے

ان علامات کو اللہ تعالےٰ نے اسی سورۃ النساء پارہ پنجم رکوع ۲۱ کے شروع ہی میں بیان فرمایا جس کا ترجمہ یہ ہے

"منافق (بخیال خویش) اللہ تعالےٰ کو دھوکا دینا چاہتے ہیں۔ اور اللہ تعالےٰ انکی اس دھوکا بازی کی سزا انکو دیتا ہے (ان کا دھوکا ان پر ہی دے مارتا ہے)۔ اور جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو کاہلی کا اظہار کرتے ہیں۔ وہ ایک حالت تذبذب میں ہوتے ہیں نہ ادہر کے نہ ادہر کے (اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ گمراہی کے مجھن ہیں۔ اور اللہ تعالےٰ جسے گمراہی میں چھوڑ دے وہ راہ کیسے پا سکتا ہے۔ (ور اصل) ریاکاری سے کام لیتے ہیں۔ اور ذکر اللہ کرتے ہی نہیں۔ مگر بہت کم"

یہ سب جھوٹ کے نتائج ہیں کہ وہ انسان کو منافق اور پھر کافر سے بھی بدتر بنا دیتا ہے۔ انکی ابتدائی حالت تو دھوکہ دہی کی ہوتی ہے۔ اس کا اثر ان کے اعمال پر پڑتا ہے یہ کہا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالےٰ کو دھوکا دینا چاہتے ہیں اسکی صورت بتائی کہ

نماز میں کاہل ہوتے ہیں اور اگر پڑھتے ہیں تو ریاکاری کے طور پر گویا یہ ظاہر داری اور ریاکاری اللہ تعالیٰ اور لوگوں کو دھوکہ دینے کا طریق ہے۔

اس میں یہ سبق مومن کے لئے ہے کہ اگر اسے نماز میں نشاط اور انشراح پیدا نہ ہو تو خطرہ ہے کہ وہ نفاق کے رنگ میں ریاکاری ہو جائے مومن مذبذب نہیں ہوتا یہ منافق کی علامت ہے قرآن مجید نے سورۃ بقرہ کے دوسرے رکوع میں انکی اس حالت تذبذب کو بیان کیا ہے اور یہاں بتایا کہ ان میں قوت فیصلہ نہیں ہوتی۔

منافق کی آخری حالت اور انجام

اسی سورۃ النساء کی آیۃ ۱۳۸ میں منافق کی حالت کا ایک نقشہ بیان کیا ہے۔ فرمایا

"وہ لوگ جو ایمان لائے اور پھر انہوں نے کفر کیا پھر ایمان لائے پھر کفر کیا پھر وہ کفر میں بڑھتے گئے ایسے لوگوں کی اللہ مغفرت نہ کریگا اور وہ (اپنے بداعمالیوں کی وجہ سے) اس حالت پر نہیں۔ کہ اللہ تعالےٰ ان کو صراط مستقیم پر رہنمائی کرے۔ (۱۳۷)

منافقوں کو بشارت دو کہ ان کے لئے دردناک عذاب ہے (۱۳۸)

ن دردناک عذاب کی تصریح آیۃ ۱۴۵ میں اس طرح پر فرمائی

إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ۝

"منافق لوگ آگ کے سب سے نچلے حصے میں ہیں اور ان کے لئے کوئی مددگار نہ ہوگا"

ہے تو انجام ہے منافق کا لیکن چونکہ اسلام مذہب امید ہے اور
کی سزاؤں اور عقوبتوں کا مقصد اصلاح ہے اس لئے اس آیت کے
بعد فرمایا کہ

"ہاں جو توبہ کریں اور اس توبہ کے متعلق عملی اصلاح کریں اور اللہ تعالیٰ کے
احکام کو عملاً مضبوط پکڑلیں اور اپنے دین کو (قولاً و عملاً) اللہ ہی کے لئے خالص
کرلیں تو وہ لوگ مومنین ہی کے ساتھ ہیں اور عنقریب اللہ مومنوں کو اجر
عظیم دے گا ۔ (۱۴۶)

نافقین کی بعض اور علامات

میں منافقین کی بعض اور علامات کو بھی قرآن کریم
کی روشنی میں پیش کرتا ہوں جو اعمال اللسان سے بھی
متعلق ہیں۔ میرا مقصد انکو پیش کرنے سے یہ ہے کہ وہ بھی دراصل
ب قسم کے احکام القرآن ہیں اور اس طریق پر بتایا گیا ہے کہ ان طریقوں
اختیار نہ کرو۔

(۱) **جھوٹی قسمیں کھانا** ۔ قسم شہادت کے قائم مقام ہوتی ہے اور
ف کرنے والا گویا یقین دلاتا ہے کہ وہ سچ کہہ رہا ہے اور اسکی بات
تسلیم کیا جاوے مگر قرآن کریم جھوٹی قسموں کے متعلق پہلے بطور قاعدہ
یہ کے ایک حکم دیتا ہے۔

(الف) سورۃ قلم پارہ ۲۹ رکوع ۱ اول آیۃ ۹ سے ۱۲ تک

فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝ وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ ۝
وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ ۝ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍ بِنَمِيْمٍ

مَنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ ۝ عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيمٍ ۝ أَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَّبَنِينَ ۝ إِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ۝

پس تکذیب کرنے والوں کی بات نہ مان + وہ چاہتے ہیں کہ تو بھی مداہنت اختیار کرے تو وہ بھی مداہنت کریں + اور تو کسی قسمیں کھانے والے کی بات نہ مان - یہ ذلیل ہیں۔ عیب لگانے والے چغلیاں لئے پھرنے والے بھلائی سے روکنے والا حد سے بڑھنے والا۔ گنہگار۔ سخت جھگڑالو اس کے علاوہ شرارت میں مشہور ہے -

اس لئے کہ وہ صاحب مال و اولاد ہے (ان لوگوں کی علامت یہ ہے) جب اس پر ہماری آیات پڑھی جاتی ہیں تو کہتے ہیں کہ پہلوں کی کہانیاں ہیں

تشریحی نوٹ ان آیات میں بنیادی طور پر تو مکذبین کی بات نہ ماننے کا حکم دیا اور اس کے بعد ان تمام بدیوں کو جھوٹ ہی میں داخل کیا جو جھوٹی قسم کھانے والوں سے متعلق ہیں اور وہ سب کے سب اعمال زبان ہی سے سرزد ہوتے ہیں۔

(۱) جھوٹی یا بکثرت قسم کھاتا (۲) مداہنت کرنے والا یعنی دل میں کچھ اور زبان پر کچھ اور (۳) مشّاء اصطلاحی معنوں کے لحاظ سے چغل خور کو کہتے ہیں۔

سعدی کہتے ہیں ۔ سخن چین بد بخت ہیزم کش است

(۴) نمیم بات کو بناوٹ سے پیش کرنے والا یہ بھی جھوٹ ہے (۵) نمیم اس

شخص کو کہتے ہیں جو ایک قوم سے نہ ہو۔ مگر اس قوم کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرے۔

یہ تمام امور اخلاقی پستی سے تعلق رکھتے ہیں اور انکی پیدائش کذب سے ہوتی ہے۔ اور اس کی ابتدا کہاں سے شروع ہوتی ہے قرآن کریم نے خود بتا دیا ہے

کہ جب آیات اللہ پڑھی جاتی ہیں تو وہ کہدیتے ہیں کہ گذری ہوئی کہانیاں ہیں۔

گویا حق کا انکار ان کو اس ذلیل مقام تک پہونچا دیتا ہے۔ اور منافق کی یہ بڑی نشانی ہے۔

(ب) سورۃ توبہ پارہ ۱۰ رکوع ۸ آیتہ ۶۳

"مسلمانو! منافق تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں تاکہ وہ تم کو راضی کرلیں حالانکہ اگر وہ حقیقی مومن ہوتے تو جانتے کہ اللہ اور اس کا رسول سب سے زیادہ حق دار ہیں کہ انکی رضا حاصل کی جاوے۔

اس کے بعد سورۃ توبہ کے اس رکوع میں منافقوں کا خاص ذکر ہے۔ اور یہ سلسلہ آیت ۶۳ سے چلا آتا ہے قومی اور جماعتی زندگی کیلئے منافق کا وجود نہایت خطرناک ہوتا ہے۔ منافق بزدل اور مذبذب ہوتا ہے اور قوت فیصلہ اس میں نہیں ہوتی اس لئے وہ قومی اخلاق کو بلند کرنیکے بجائے پستی کی طرف لے جاتا ہے اور قوم کی عملی روح

کو کمزور کر دیتا ہے۔

(۳) اسی سورۃ توبہ میں پارہ ۱۱ کے شروع ہی میں فرماتا ہے (آیۃ ۹۵ اور ۹۶) میں بھی منافقوں کی اس حالت کا ذکر کیا ہے آیۃ ۹۵ میں انکو رجس کہا اور آیۃ ۹۶ میں فرمایا

"یہ تمہارے سامنے قسمیں کھا کر کہیں گے تاکہ تم ان سے راضی ہو جاؤ (یاد رکھو) اگر تم انکی باتوں میں آکر) راضی بھی ہو جاؤ تو اللہ تعالیٰ تو فاسقوں کی اس قوم سے راضی نہیں ہوگا۔

فاسق عہد شکن کو بھی کہتے ہیں اور منافق کے علامات میں یہ بات بھی ہے کہ عہد کرتا ہے توڑتا ہے اس طرح پر قرآن مجید نے جھوٹی قسمیں کہانے سے منع کیا کہ یہ انسان کو اخلاقی رذائل کا مرکز بنا دیتی ہے۔ قرآن مجید نے اس سلسلہ میں بڑی تصریح کی ہے دیکھو سورۃ مجادلہ۔ منافقون میں بھی ذکر ہے۔

قسم کے متعلق احکام

اب میں وہ احکام پیش کرتا ہوں۔ جو قسموں کے متعلق قرآن کریم نے دئیے ہیں۔ ان پر عمل کرنے سے اخلاقی کمالات حاصل ہوتے ہیں۔ فرماتا ہے

سورۃ النحل پارہ ۱۴ رکوع ۱۳ آیۃ ۹۲

وَأَوْفُوا بِعَهْدِ اللَّهِ إِذَا عَاهَدتُّمْ وَلَا تَنقُضُوا الْأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا ج وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللَّهَ عَلَيْكُمْ كَفِيلًا إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ ۝

ور اللہ تعالیٰ کے عہد کو پورا کرو۔ جبکہ تم نے باہم عہد و پیمان کر لیا۔ اور اپنی کرد
قسموں کو پکا کر چکنے بعد توڑ ڈالو حالانکہ تم اللہ کو اپنا ضامن بنا چکے ہو۔ یقیناً
للہ تمہارے اعمال سے واقف ہے۔

اس آیت میں معاہدات کی رعایت اور قسم کے ساتھ موکد کئے
ئے عہد کی نگہداشت کا حکم ہے اور یہ کہ تم نے اللہ تعالیٰ کو ضامن ٹھیرایا
ار دو ہرہ کی بات ہے کہ جب لوگ حلفی معاہدہ کرتے ہیں تو اللہ
ام لے کر کرتے ہیں۔ گویا اپنی زبان سے اس کے پورا کرنے کے لئے اللہ
ضمانت پیش کرتے ہیں۔ پس اس معاہدہ اور قسم کو توڑنا اللہ تعالیٰ
پاک نام کی توہین ہے۔ اس لئے حکم دیا کہ اسے پورا کرو۔ اب میں
ال لسان کے بعض دوسرے امور کو بیان کرتا ہوں۔

ن کریم اور قانون شہادت

دراصل قرآن کریم اور قوانین ایک الگ مضمون
ہے اس سلسلہ میں جو میں صدق اور کذب کے
لق احکام قرآنی لکھ رہا ہوں ضمناً "شہادۃ" کا ذکر آ گیا جو اعمال لسان
یک حصہ ہے جنہیں بتایا گیا ہے کہ شہادۃ کو چھپایا نہ جاوے
ر جھوٹی شہادت نہ دی جاوے۔ یہ مباحث قرآن کریم کے قانون
ادت کا ایک جزو ہیں میں اس پر تفصیلی بحث اسوقت نہیں کروں گا
ے زمانہ سے مجھے قانونی کاروبار کے ضمن میں قانون شہادت کو
ن کریم کی روشنی میں دیکھنے کا موقعہ ملا ہے اللہ تعالیٰ نے چاہا۔ اور
یق ملی تو قوانین قرآنیہ پر الگ بحث کرنے کا ارادہ ہے۔ یہاں

میں مختصراً ان احکام کو بیان کروں گا جو قرآن کریم نے شہادت کے متعلق دیئے ہیں۔ اور معاملاتی نزاعات کے تصفیہ کا اہم جزو شہادت ہے۔

قرآن مجید بین الافراد یا بین الاقوام معاہدات اور معاملات میں شہادت کو لازم قرار دیتا ہے بعض تفصیلی احکام اپنے موقعہ پہ آئیں گے۔ انشاء اللہ العزیز۔

معاملات کے متعلق دستاویزات لکھی جانی چاہیں۔ اور ان پہ کم از کم دو گواہوں کی شہادت ہو۔ (سورۃ بقرہ کا ۳۹ رکوع پ ۳)

اور جب ادائے شہادت کا وقت آئے تو گواہ کو جب طلب کیا جاوے تو وہ ادائے شہادت سے انکار نہ کرے اور دستاویز کے کاتب اور گواہ کو کسی قسم کا نقصان نہ پہونچایا جاوے ایسا فعل عند اللہ فسق ہے ان احکام کے بعد ادائے شہادت کے متعلق حکم دیتا ہے کہ شہادت کو چھپاؤ نہیں۔ فرمایا آیۃ ۲۸۴

وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ۚ وَمَن يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبُهُ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ۝

شہادت کا نتیجہ

اور گواہی کو چھپاؤ نہیں اور جو شخص شہادت کو چھپاتا ہے تو اس کا دل ضرور گنہگار ہوتا ہے۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالے اسے خوب جانتا ہے۔

میں نے اوپر بتایا ہے کہ قرآن کریم معاملات میں دو مرد گواہوں کو لازم قرار دیتا ہے۔ اور پھر جب انکو شہادت میں بلایا جاوے تو

شہادت دینے سے انکار نہ کریں۔ اور اب حکم دیا ہے کہ ادائے شہادت
وقت شہادت کو چھپائے نہیں اور اگر کوئی ایسا کرے تو یاد رکھو
گنہگار ہو جائے گا۔ اس میں اس حقیقت کو ظاہر کیا ہے کہ قلب
ہر کرنے اگر اس پر گناہ کا اثر ہوا تو پھر دوسری نیکیوں کی توفیق
چھن جائے گی۔

اسی ارشاد میں نہایت لطیف پیرایہ میں جھوٹی شہادت سے
ایا ہے کہ ایک حقیقی شہادت کا کتمان انسان کے دل میں سیاہی
ا کرتا ہے تو جھوٹی شہادت تو تباہ ہی کر دیگی۔

شہادت کا حکم

میں نے اوپر بتایا ہے کہ قرآن کریم نے شہادت کے لیے
طلب کرنے پر ادائے شہادت کے لیے حاضر ہونے اور
ہ کو محض شہادت دینے کی وجہ سے تکلیف نہ دینے کا حکم دیا۔ اب
ں بتاتا ہوں کہ شہادت کے دینے کے متعلق قرآن کریم کیا حکم دیتا ہے

سورۃ النساء پارہ پنجم رکوع ۲۰ آیۃ ۱۳۶

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ
شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَ
قْرَبِينَ ۚ إِن يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَاللَّهُ أَوْلَىٰ
بِهِمَا ۖ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَىٰ أَن تَعْدِلُوا ۚ وَ
إِن تَلْوُوا أَوْ تُعْرِضُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ
خَبِيرًا ۝

مومنو! انصاف پر پوری مضبوطی سے قائم ہونے والے ہو جاؤ۔ اور اللہ کے لئے گواہی دینے والے خواہ تم کو اپنی ذات اپنے والدین یا قرابت داروں کے خلاف بھی گواہی دینی پڑے اور کوئی مالدار ہے یا محتاج ہے تو اللہ دونوں پر تم سے زیادہ مہربان ہے۔

پس اپنے ہوائے نفس کی اتباع نہ کرو تاکہ تم انصاف کر سکو اور اگر تم شہادت کے وقت پیچ دار بات کرو گے یا گواہی دینے سے پہلو تہی کرو گے تو یاد رکھو، اللہ تعالے تمہارے اعمال سے آگاہ ہے۔

تشریحی نوٹ اس میں شہادت حقہ کے تمام پہلوؤں کو بیان کر دیا ہے

(۱) سب سے پہلی بات تو یہ بتائی کہ تمہارا مقصد قیام انصاف ہو اور انتہائی درجہ تک انصاف کو مد نظر رکھو یعنی اس کے باریک سے باریک اجزاء بھی نظر انداز نہ ہوں۔

(۲) شہادت کا مقصد جہاں رعایت انصاف ہو وہاں سوائے اللہ کی رضا کے اور کوئی مقصد زیر نظر نہ ہو۔ کہ تمہاری شہادت حقہ سے اس کا یا اُس کا نقصان ہو گا۔ یا تائید ہو گی۔ اور کوئی تمہیں اچھا کہے گا یا برا تم صرف حق کہو اور اللہ تعالے کی رضا کے لئے کہو۔

(۳) سچی شہادت کا نقطہ کمال یہ ہے کہ خواہ وہ تمہاری اپنی ذات یا والدین یا اقارب کے خلاف بھی ہو تو تمہیں اس کے برے نتائج کی وجہ سے اظہار حق سے نہ رکنا چاہئے۔

(۴) چوتھی بات یہ کہ دولت مند یا محتاج کے نقطہ خیال سے

ی ایک کی رعایت نہ کی جاوے کہ دولت مند کے خلاف ہو تو وہ
راض ہو سکتا۔ یا محتاج کے خلاف ہو تو اسے اور نقصان پہونچ جانے
کا خطرہ ہے۔

سچی شہادت کے یہ اجزائے اربعہ ہیں اور اگر ان مقاصد گواہی
ذاتی خواہش کی اتباع پر تم ترک کرتے ہو یا شہادت دینے سے اعراض
کرتے ہو تو یاد رکھو کہ

اللہ تعالیٰ تو علیم و خبیر ہے۔

غرض شہادت کا مقصد رعایت انصاف اور اظہار حق ہو۔
قرآن کریم کی اس تعلیم کے مقابلہ میں دنیا کا کوئی قانون شہادت
نہیں آسکتا یہ اصل تعلیم ہے۔

مزید تاکید و تصریح

شہادت حقہ کے متعلق قرآن مجید نے ایک دوسرے
مقام سورہ مایدہ پارہ ۶ رکوع ۲ آیت ۸ میں
مزید صراحت فرمائی ہے۔

بعض اوقات انسان اپنی ذاتی عداوت اور اختلاف کی
وجہ سے انصاف کو قائم نہیں رکھتا۔ اور سچی شہادت سے اعراض
کرتا ہے اس لئے فرمایا۔

مومنو! اللہ تعالیٰ کی سچائی کے لئے حفاظت کرنے والے ہو جاؤ اور انصاف
کی گواہی دینے والے ہو جاؤ اور کسی قوم کی دشمنی تم کو انصاف نہ کرنے پر آمادہ
کر کے مجرم نہ بنا دے تم انصاف ہی کرو۔ جو تقویٰ سے قریب تر ہے۔ پس تقویٰ اللہ

اختیار کرو۔ اللہ تعالےٰ تمہارے اعمال سے خبردار ہے۔

نوٹ :۔ اس آیت میں بتایا کہ ذاتی عداوت بھی تم کو شہادت حقہ سے نہ روکے اور کسی حال میں انصاف کو ہاتھ سے نہ دو۔ ذاتی عداوت کی بنا پر شہادت حقہ سے رکنا یا انصاف نہ کرنا انسان کو مجرم بنا دیتا ہے۔

(۳) غیبت

غیبت

اعمال اللسان کے رذائل میں ایک غیبت ہے قرآن کریم نے اس سے منع کیا ہے اور مردار بھائی کا گوشت قرار دیا ہے۔

غیبت کی حقیقت کا سمجھنا بظاہر آسان لیکن دراصل ایک نازک مسئلہ ہے اور اسکو سمجھنے سے پہلے یہ سمجھ لینا چاہئیے کہ قرآن کریم کی تعلیم میں یہ اصل کام کرتا ہے کہ

احترام نفس

احترام نفس

کو مد نظر رکھا جاوے۔ احترام نفس سے مراد صرف انسانی جسم و جان ہی نہیں کہ اسکو بچایا جاوے قرآن کریم اسکو بہت وسعت دیتا ہے اور وہ نہ صرف انسان کی حفاظت کرتا ہے بلکہ انسان کے جذبات وحسیات اور عزت و آبرو کی حفاظت کو ضروری قرار دیتا ہے۔ اس لئے اسکی تمام تعلیمات کا مرکزی نقطہ یہی ہے۔ وہ باہم ایک محبت و اخلاص پیدا کرنے کی ہدایت دیتا ہے۔ اسی ذیل

غیبت نہ کرنے کے احکام ہیں اس لئے کہ اس کے ذریعہ ایک شخص کی
عزت و آبرو کو نقصان پہونچتا ہے قرآن کریم نے ایک مقام پر بعض
ان احکام کو اکٹھا کر دیا جو اسی طرح پر احترام نفس کے لئے ضروری
ہیں جیسے غیبت سے احتراز - یہ تمام احکام نواہی کا رنگ رکھتے
ہیں۔ چنانچہ فرماتا ہے پارہ ۲۶ سورۃ الحجرات رکوع ۲ کی ابتدائی
آیات ۱۲ و ۱۳

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّن قَوْمٍ عَسَىٰ
أَن يَكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِّن نِّسَاءٍ
عَسَىٰ أَن يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ج وَلَا تَلْمِزُوا
أَنفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ ط بِئْسَ الِاسْمُ
الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ ج وَمَن لَّمْ يَتُبْ فَأُ
ولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا
اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ
إِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَب بَّعْضُكُم
بَعْضًا ط أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَن يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ
مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ ط وَاتَّقُوا اللَّهَ ط إِنَّ اللَّهَ
تَوَّابٌ رَّحِيمٌ ۝

ترجمہ :- مومنو ایک قوم دوسری قوم پر ہنسی نہ کرے (اس کا مذاق
نہ اڑائے) ہوسکتا ہے کہ جن پر ہنستے ہو وہ تم سے بہتر ہوں گے

(۲) اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کی ہنسی اڑائیں (ہوسکتا ہے کہ وہ جن کی ہنسی اڑائی جاتی ہے ان سے بہتر ہوں

(۳) اور آپس میں عیب نہ لگاؤ۔

(۴) اور ایک دوسرے کے نام نہ دھرو (یعنے حقارت انگیز نام سے نہ پکارو) ایمان کے بعد برا نام فسق ہے

جو لوگ ان رزایل سے توبہ نکریں (انکو ترک نہ کریں) وہی ظالم ہیں:

(۵) مومنو! اکثر بدظنی سے بچتے رہو کیونکہ بعض بدگمانیاں گناہ ہوتی ہیں۔

(۶) اور ایک دوسرے کی عیب گیری کے لئے ٹٹول نہ کیا کرو۔

(۷) اور ایک دوسرے کی غیبت نہ کیا کرو۔ کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے۔ تم اس سے کراہت کرتے ہو (بس)

(۸) تقوی اللہ اختیار کرو۔ بے شک اللہ توبہ کو قبول کرنے والا اور رحیم ہے

تشریحی نوٹ ان دونوں آیات میں ان تمام رزایل سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے جو احترام نفس اور قومی وحدت اور امن عامہ کے خلاف جذبات پیدا کرتے ہیں۔ اور انمیں جو ترتیب بیان کی گئی ہے۔ وہ ایک قسم کی طبعی ترتیب ہے۔

اور اس سے پہلی آیت میں بتایا گیا ہے کہ

"مومن باہم بھائی بھائی ہیں۔ پس اپنے بھائیوں کے مابین صلح رکھا کرو۔ اور تقویٰ اختیار کرو۔ تاکہ تم پہ رحم ہو"

یہاں تقویٰ کی اس قسم کو بیان کیا ہے جو اخوت و مودت باہمی کا رنگ رکھتی ہے پس اس حکم کے بعد ضروری تھا کہ ان اسباب کو بیان کیا جاوے جو باہم تنفر اور عداوت پیدا کرتے ہیں اور اخوۃ کی بنیاد کو تباہ کرتے ہیں یہ تو قرآن کریم کی ترتیب طبعی کا ذکر اس مقام پر میں نے کیا اس کے بعد جن احکام کو میں نے نمبروار بیان کیا ہے یہ بھی ترتیب رکھتے ہیں اور ان پر عمل قوم میں روح اخلاص و محبت پیدا کرتا ہے۔

یہ عیوب یا رزائل جن کا اوپر ذکر کیا ہے قومی روح اتحاد کو کچل دیتے ہیں۔ اور انکی ابتدا سخر سے شروع ہوتی ہے کسی آدمی کا مذاق اڑانے کا مقصد اسکی تحقیر ہوتی ہے۔ اسلام تو مذہب اخوۃ و مساوات ہے وہ اسکو جایز نہیں رکھتا کہ کسی بھی رنگ میں کسی کی حقارت کی جاوے یہ تو زبان سے ہوتا ہے مگر زبان کا کام بعض وقت انسان آنکھ کے اشارہ یا بعض دوسرے اعضا کی حرکات سے لیتا ہے یہ لمز ہے۔ قرآن مجید نے سورۃ الہمزہ پارہ ۳۰ میں اس کے مزید حقایق کو پیش کیا ہے اور اس کے بدنتایج میں ہلاکت کو بتایا ہے۔

لمز کے مفہوم میں یہ بات بھی داخل ہے کہ گو اشارہ آنکھ یا کسی اور طرح پر کیا جاوے مگر اس کے ساتھ بعض الفاظ بھی کہے جاویں جو بظاہر احترام کے سمجھے جاتے ہیں۔ لیکن وہ اشارہ یا طرز بیان اس کو حقارت کا رنگ دیدیتا ہے۔

لمز اور ہمز میں امتیاز

میں اسی باب میں دوسری جگہ جھوٹی قسموں کے بیان میں سورۃ القلم کی وہ آیت لکھ آیا ہوں جس میں ہماز کے عمل سے احتراز کرنے کی ہدایت ہے یہاں لاتلمزوا کا حکم دیا اور پھر پارہ ۳۰ سورۃ الہمزہ میں لمز اور ہمز دونوں کو جمع کیا، اس لئے کہ یہ دونوں الفاظ جس طرح اپنے حروف میں ایک حرف کے تغیر سے اشتراک رکھتے ہیں۔ معنوں میں بھی ایک اشتراک ہے کسی قدر، تبدیلی سے جو میں ذیل میں بیان کرتا ہوں۔

(۱) دونوں کے اظہار میں حقارت کا مفہوم داخل ہے اظہار بیان کے لئے لمز سامنے ہوتا ہے اور ہمز پیٹھ پیچھے۔

(۲) ہمز کے متعلق یہ بھی ہے کہ وہ نسبی اعتراض یا برائی کے اظہار پر بولا جاتا ہے اور اس میں اشارات یا حرکات سے کام لیا جاتا ہے برخلاف لمز کے کہ اس میں زبان سے اظہار کیا جاتا ہے۔

بئس اسم الفسوق میں یہ امر بھی داخل ہے کہ بعض ایسے الفاظ میں نام رکھا جاوے جس کا مقصد یہ ہو کہ دوسرے کی خوبیوں کو بھی عیب کا رنگ دیدیا جاوے جیسے ایک شخص نماز پڑھتا ہو تو اس کی حقارت کے لئے کہدیا جاوے یہ تو بڑے نمازی ہیں۔

یہ قرآن کریم کی اخلاقی تعلیم کا کمال ہے کہ وہ باریک سے باریک شعبوں پر بھی ہدایات دیتا ہے اور یہ قرآن کریم کا اعجاز کسی قدر تفصیل میں نے اعجاز القرآن میں کی ہے۔

پھر اسی سلسلہ میں تیسرا امر نام رکھنے کا ہے اس کا مقصد بھی ہنسی اڑانا اور حقارت کرنا ہوتا ہے۔ نام رکھنے سے یہ مراد ہے کہ کسی شخص کی ہیئت کذائی یا تکیہ کلام وغیرہ کی بنا پر اس کا کوئی نام رکھ دیا جاوے۔ یہ تین رزایل وہ ہیں جن کا ارتکاب رو در رو کرتا ہے۔ اس کے بعد ان عیوب اور رزایل کا ذکر کیا جو سامنے تو نہیں پس پشت کئے جاتے ہیں۔ ان میں پہلی چیز بد گمانی ہے۔

بدظنی

بدظنی کو یہاں خود قرآن کریم نے بیان کیا ہے کہ اس میں بعض گناہ ہوتے ہیں اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (جو قرآن کریم ناطق ہیں) نے فرمایا کہ

ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث

آپ نے بدگمانی سے پرہیز کرنے کی ہدایت فرمائی اور اس کو اکذب الحدیث (سب سے بڑا جھوٹ) قرار دیا ہے اور قرآن کریم فرماتا ہے

(سورۃ یونس پارہ ۱۱ آیت ۳۷)

اِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْئًاؕ

حق کے مقابلہ میں ظن کی کچھ بھی حقیقت نہیں اور اس سے یہ بھی پتہ لگتا ہے کہ حق سے اسے کچھ نسبت نہیں۔

غرض یہ بدظنی ایک طرح پر ام العاصی ہے اور بڑے بڑے قومی فتنوں کی جڑ ہے۔ اس لئے حضور نے تاکیداً فرمایا ایاکم والظن دیکھو بدظنی سے بچتے رہنا تمہارا فرض ہے۔

غرض ان رزائل میں سے جو انسان کے سامنے نہیں بلکہ اسکی غیر حاضری اور پیٹھ پیچھے اعمال اللسان میں ہوتے ہیں پہلا فعل بدگمانی ہے اور یہ ایک طرح پر ام المعاصی ہے اور اس بدظنی سے پھر تحریک تجسس ہوتی ہے۔

تجسس اور تحسس کا مفہوم

عربی زبان میں تجسس اور تحسس دو لفظ مشترک المعنی ہیں اور عربی زبان کے خصائص میں یہ امر داخل ہے کہ جب دو لفظوں کے حروف میں اشتراک ہو تو ان کے معنے میں بھی اشتراک ہوتا ہے۔ لیکن مفہوم میں بعض حروف کی تبدیلی سے ایک فرق ہو جاتا ہے۔ گویا اشتراک اور افتراق کا ایک لطیف مشاہدہ کیا جاتا ہے وہی حال یہاں ہے۔ ان ہر دو الفاظ میں ج اور ح کا فرق ہے باقی سب حروف ایک ہی ہیں اور ان دونوں حروف نے معانی میں اشتراک قائم رکھا لیکن ان کے مفہوم کی نوعیت کو بدل دیا تجسس میں تلاش کا وہ مفہوم داخل ہے جو اچھے معنوں کو لئے ہوئے نہیں اس کے اندر کسی قسم کی شرارت اور عیب جوئی ہوتی ہے۔ اسی کی ایک ظاہری صورت جاسوس کا وجود ہے اور سب جانتے ہیں کہ جاسوس کیا ہوتا ہے دجالی صفات میں بھی جیسا پیشگوئی میں داخل ہے۔ اور اس کا تعلق دجال سے ہے۔ اس قدر بیان سے ظاہر ہے کہ یہ لفظ عیب جینی کو ظاہر کرتا ہے۔

برخلاف اس کے تحسس نیک مقاصد کو لئے ہوتا ہے چنانچہ

قرآن مجید سورۃ یوسف پارہ ۱۳ آیۃ ۸۷ میں حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے بیٹوں کو تلاش یوسف کی ہدایت اس طرح پر کرتے ہیں

یٰبَنِیَّ اذْهَبُوا فَتَحَسَّسُوا مِن يُوسُفَ وَأَخِيهِ وَلَا تَيْأَسُوا مِن رَّوْحِ اللَّهِ ۖ إِنَّهُ لَا يَيْأَسُ مِن رَّوْحِ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُونَ ۝

اے میرے بیٹو جاؤ یوسف اور اس کے بھائی کی تلاش کرو اور دیکھو مایوس نہ ہونا پر امید رہنا اللہ کی رحمت سے اللہ تعالےٰ کی رحمت سے مایوس ہونے والے کافر ہی ہوتے ہیں۔

یہ آیت اس فرق کو بخوبی واضح کرتی ہے۔

ذوق معرفت میں یہ باتیں کہہ گیا ہوں اصل میں یہ بیان کر رہا تھا کہ اللہ تعالےٰ ان عیوب کے بیان کے بعد جو رو در رو زبان کے گناہوں میں داخل ہیں اب غیب میں صادر ہونے والے رزائل سے متنبہ کرتا ہے۔ انہیں سے بدظنی اور تجسس کا ذکر کیا تیسرا عیب اس سلسلہ میں غیبت ہے

غیبت کیا ہے غیبت سے یہ مراد ہے کہ کسی شخص کے عیبوں کا ذکر اسکی غیر حاضری میں دوسروں کے سامنے کیا جاوے اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم اسکی عیوب کو اسکی موجودگی میں ہی دوسروں کے سامنے بیان کرو۔ اپنے بھائی کی اصلاح کا یہ طریق نہیں اگر تم اس کے کسی عیب کی اصلاح چاہتے ہو تو جو طریق اصلاح کے لئے قرآن کریم یا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا ہے اسے اختیار کرو ورنہ یہ تو اس کی رسوائی

اور تحقیر کا طریق ہے۔

یاد رکھو غیبت کا دامن بہت وسیع ہے اور یہ ایسا خطرناک مرض ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے مردار بھائی کا گوشت کھانا قرار دیا ہے

احادیث میں واقعہ معراج کے ذیل میں ایک حدیث آتی ہے جس میں حضور نے ایک ایسی قوم کو دیکھا جو تانبے کے ناخن رکھتی تھی۔ اور وہ ان سے اپنے چہروں اور سینوں کو نوچ رہے تھے حضور کے سوال پر جبرئیل نے بتایا کہ

"یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھاتے تھے اور انکی عزت و ابرو لیتے تھے"

اس حدیث کو کتاب الآداب باب الغیبۃ میں بیان کیا ہے

احادیث میں قرآن کریم کے اس حکم کی کہ غیبت نہ کرو۔ تصریحات مختلف رنگوں میں کی گئی ہیں۔ جن سے غیبت کے باریک سے باریک شعبوں کا پتہ لگتا ہے غرض غیبت کا مقصد کرنے والے کا یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کے عیوب کی تشہیر کر کے (وہ عیب ہوں یا نہ ہوں) ان کو ذلیل اور رسوا کیا جاوے اور اس طرح پر قومی اخلاق متاثر ہوتے ہیں۔ جن قوموں کے اخلاق بگڑتے ہیں یا ان میں عداوت و منافرت کے جذبات ترقی کرتے ہیں۔ اسکی جڑ یہی ہوتی ہے۔

(۴) افترا اور بہتان

پھر اعمال اللسان کے رذایل میں ایک خطرناک بداخلاقی

افترا اور بہتان بھی ایسی بدی ہے کہ اس سے قومیں اور قومی اخلاق تباہ ہو جاتے ہیں۔ وہ اپنے اقبال کو ادبار سے تبدیل کر لیتی ہیں

افترا اور اس کی اقسام

افترا کی دو قسمیں ہیں ایک افترا علی اللہ اور ایک افترا علی الناس۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان دونوں قسم کے افترا سے اس کے نتیجہ کو بیان کر کے منع فرمایا۔ پہلی قسم افترا کے متعلق قرآن کریم فرماتا ہے۔ سورۃ الانعام پارہ ۷ آیۃ ۹۴

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَلَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَيْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ط

اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ افترا کرے یا کہے کہ مجھ پر وحی ہوئی ہے۔ حالانکہ اس کی طرف کچھ بھی وحی نہ کی گئی ہو اور جس نے یہ کہا کہ میں اسی مثل اتار سکتا ہوں جو اللہ نے اتارا۔

تشریحی نوٹ

اس آیت میں اللہ تعالیٰ پر افترا کی تصریح فرمائی ہے کہ جو شخص یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر وحی کی ہے حالانکہ نہ کی گئی ہو۔ یہ تو افترا علی اللہ اور کذب ہوگا اور ایسا شخص بدترین ظالم ہوگا۔ اسی میں ایسے عقاید پیش کرنے والے بھی داخل ہیں جو شرک کرتے اور اپنی اس مشرکانہ تعلیم کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں اور وہ لوگ بھی داخل ہیں جو کہانت وغیرہ کے ذریعہ غیب گوئی کے مدعی ہوتے ہیں۔

غرض جو امور ایک نبی صادق کے لئے ضروری ہیں۔ اسی قسم کے

دعاوی کرنا اور انہیں اللہ تعالےٰ کی طرف منسوب کرنا۔ یہ افترا علی اللہ ہے۔ جھوٹے خواب بنانا یہ بھی اللہ تعالےٰ پر افترا ہے۔

اسی ذیل میں اسکو بھی داخل کرتا ہوں جو لوگ جعلی احادیث بناکر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کریں یا اللہ تعالےٰ کے کسی مامور و مرسل کی طرف منسوب کریں۔ یہ افترا علی الرسول ہوگا۔

قرآن کریم نے مختلف مقامات پر افترا علی اللہ کے متعلق متنبہ کیا ہے اور مفتری کے انجام کو بھی بتادیا ہے۔ چنانچہ سورۃ یونس پارہ ۱۱ آیتہ ۱۸ میں فرمایا

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا اَوْ کَذَّبَ بِاٰیٰتِہٖ ؕ اِنَّہٗ لَا یُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ ○

اس سے بڑھ کر کون ظالم ہے جو اللہ پر جھوٹا افترا کرے اور اس سے بھی بڑھ کر کون ظالم ہے جو آیات اللہ کی تکذیب کرے (یہ دونوں مجرم ہیں۔) اور یاد رکھو ایسے مجرم کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔

اس آیتہ میں ایسے ظالموں یا مجرموں کی ناکامی کو بطور نتیجہ قرار دیا ہے مگر افترا کے ساتھ کذبا کا لفظ بھی ہے۔ یعنی افترا بھی ہو اور اس کے ساتھ جھوٹ بھی ہو۔ بعض افترا تو ایسے ہو سکتے ہیں کہ ہو تو افترا اس حیثیت سے کہ نہ اس پر وحی ہوئی ہو یا سچا خواب آیا ہو۔ مگر وہ کسی صداقت کی تصدیق کے لئے اپنا کوئی خواب بیان کر دے۔

قرآن کریم نے پہلی آیتہ میں وضاحت کی ہے کہ ایسا شخص مدعی وحی ہو اور وحی اس پر نہ ہوئی ہو وہ مفتری کہلائے گا۔

غرض مفتری کے انجام کو بتا کر منع فرمایا کہ افترا نہ کرو۔ اور صادق کی کامیابی کو اس کے منجانب اللہ ہونے کی دلیل ٹھہرایا ہے۔

قرآن کریم نے افترا علی اللہ کو تقول علی اللہ بھی فرمایا ہے سورۃ الحاقۃ پارہ ۲۹ آیۃ ۴۵ - ۴۸

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ ۝ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ۝ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ ۝ فَمَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِينَ ۝

اگر تو ہم پر بعض باتیں افترا کے طور پر بنا لیتا تو ہم اس کو دائیں ہاتھ سے پکڑ لیتے پھر اس کی رگ جان کو کاٹ دیتے پھر تم میں کوئی ہم کو اس سے روکنے والا نہ ہوتا۔

ان آیات میں اللہ تعالےٰ نے مفتری علی اللہ کے متعلق ایک سنت اللہ کو بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالےٰ اسے مہلت نہیں دیتا اسے ہلاک کر دیا جاتا ہے۔ اور یہ مدت حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی دلیل ٹھہر کر ہر مدعی وحی و الہام کے لئے بطور معیار صداقت ٹھہر گئی یعنے ۲۳ سال۔

دوسری قسم بہتان

دوسری قسم افترا کی جو انسانوں پر کیا جاتا ہے اسے بہتان کہتے ہیں قرآن کریم خود بہتان کی تعریف کرتا ہے۔

سورۃ النساء پارہ ۵ رکوع ۱۶ آیۃ ۱۱۲

وَمَنْ يَكْسِبْ خَطِيئَةً أَوْ إِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهِ بَرِيئًا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُبِينًا ۝

اور جو شخص (بغیر علم کے) خطا کرے یا (عمداً) گناہ کرے پھر اپنے بچاؤ کیلئے کسی بے گناہ کے سر تھوپ دے (اس عمل سے) وہ بہتان اور گناہ عظیم کا بوجھ اپنی گردن پر لیتا ہے۔

تشریحی نوٹ

اس آیت میں بہتان کی حقیقت بتا دی ہے کہ ایک شخص خود ایک گناہ کا ارتکاب کرے اور کسی دوسرے کی طرف منسوب کرے یہ بہت بڑا گناہ اور بہتان ہے اور ایسا گناہ کہ وہ اللہ سے کاٹ دیتا ہے مبین کے معنی واضح اور ظاہر بھی ہیں اور یہ بھی کہ وہ کاٹ دیتا ہو

خطیئۃ اور اثم سے کیا مراد ہے

بیاں اللہ تعالیٰ نے دو لفظوں کو جو حقیقت گناہ کو ظاہر کرتے ہیں بیان فرمایا ہے دراصل گناہ کی حقیقت اس کے اقسام یا مدارج بجائے خود ایک وسیع مضمون ہے۔ اور قرآن کریم پر تدبر کرنے والے طالب علم کے لئے ایک لذیذ فلسفہ ہے میں یہاں مختصراً اس کے متعلق بحث کروں گا۔ اگرچہ میں نے ترجمہ میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے جو امر بلا ارادہ سرزد ہو جاوے وہ خطا ہو گا۔ اور جس میں عمد اور عزم ہو وہ اثم کہلائے گا۔ اس کو بخوبی سمجھ لینے کے لئے سورۃ بقرہ پارہ اول آیۃ ۸۱ پر غور کرو۔

بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّ اَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓئَتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○

اور جو شخص بدی کماتا ہے اور اس کی برائیاں اسے گھیر لیتی ہیں پس وہ اصحاب النار ہیں اس میں رہیں گے۔

ابتدائی درجہ کے بعد خطیئۃ ہے اور اس کے بعد اثم شروع ہوتا ہے پھر عدوان ہے پھر جرم ہے قرآن مجید میں جہاں جہاں یہ الفاظ آئے ہیں، وہاں تدبر سے یہ حقیقت اور اس کا صحیح مفہوم معلوم ہو جاتا ہے۔ اثم

سے مراد وہ اعمال اور افعال ہیں جو انسان کو ثواب سے محروم کر دیں اور مستحق سزا بنا دیں اسکی تعریف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یوں بھی فرمائی ہے کہ جو چیز انسان کے قلب میں کھٹکا پیدا کرے کہ اسے لوگوں سے مخفی رکھنا چاہئے وہ اثم ہے۔

غرض بہتان بدترین رذایل میں سے ہے اور قرآن کریم کی ہدایات عام ہے یہ نہیں کہ کسی مسلمان پر بہتان نہ لگایا جاوے بلکہ وہ اسکو عمومیت میں داخل کرتا ہے کسی فرد بشر پر بھی خواہ وہ دشمن ہی کیوں نہ ہو۔ اخلاق کا اتنا بلند معیار دنیا کے کسی مذہب میں نہیں پایا جاتا اور ہونا بھی یہی چاہئے تھا کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت خود تکمیل اخلاق کے لئے تھی اور قرآن کریم کے ذریعہ تکمیل دین ہوئی۔ قرآن کریم سورۃ ممتحنہ پارہ ۲۸ آیۃ ۱۳ مومنات سے بیعت کے الفاظ میں اسکو بھی داخل کرتا ہے۔

وَلَا يَأْتِينَ بِبُهْتَانٍ يَفْتَرِينَهُ بَيْنَ أَيْدِيهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ

اور وہ کوئی بہتان نہیں باندھیں گی جسے انہوں نے اپنے ہاتھوں اور اپنے پاؤں کے درمیان افترا کیا ہو۔

چونکہ عورتیں بعض صورتوں میں اس قسم کے گناہوں کی زیادہ مرتکب ہو سکتی ہیں اس لئے ان سے بیعت کے امور میں اسکو بھی داخل کیا ہے۔ یہ بھی قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ بہتان کا اطلاق بعض اوقات حرامکاری کے الزامات پر بھی ہوتا ہے جیسے فرمایا وَقَوْلِهِمْ عَلَىٰ مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيمًا

اس قسم کے معاملات کے متعلق قرآن نہایت سختی کے ساتھ احکام

دیئے ہیں اور ایسے موقعہ پر حکم دیا سورہ نور آیۃ ۱۲ میں کہ مومن مرد اور مومنات کا یہ فرض ہے کہ جب وہ کسی قسم کا الزام کسی پر سنیں تو حسن ظن سے کام لیں اور کہیں

ھٰذَا اِفْکٌ مُّبِیْنٌ

یہ تو صریح جھوٹ ہے۔

افک افک بھی اسی مد میں داخل ہے یہ سب کذب کی شاخیں ہیں۔ اور وہ اپنے اپنے مفہوم کے لحاظ سے جدا جدا حقیقت کے مظہر ہیں اور یہ عربی زبان کے خصوصیات میں سے ہے اِفک کے مفہوم میں یہ داخل ہے کہ حق کی بجائے باطل یا سچ کے مقابلہ میں جھوٹ کو اختیار کیا جاوے اور خصوصیت سے افک ان الزامات پر بولا جاتا ہے۔ جو عفت پر حملہ کا رنگ رکھتے ہیں جیسا کہ پارہ ۱۸ سورۃ النور آیۃ ۱۲ میں فرمایا

اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْکِ

یقیناً وہ لوگ جو ایک جھوٹ بنا کر لائے ہیں۔

بہتان کی سزا میں نے صرف اس آیت کو اس غرض کے لئے پیش کیا ہے کہ مستورات کی عزت و عصمت پر حملہ کرنے کو یہاں، اِفک کہا ہے اور یہ بہتان ہی میں داخل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو سخت ناپسند فرمایا اور ایسے لوگوں کے لئے جو شرعی شہادت الزام کے ثبوت میں پیش نہ کر سکیں حکم دیا کہ انکو اسی کوڑے لگائے جاویں اور انکی شہادت قبول نہ کی جاوے گویا اس کو دائمی یا عادی کذاب قرار دیا (سورہ نور) ایک دوسری جگہ فرمایا سورہ احزاب پارہ ۲۲ رکوع ۷ آیۃ ۵۹

وَالَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَیْرِ مَا اکْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِیْنًا ۝

اور جو لوگ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو دکھ دیتے ہیں بغیر اس کے کہ ان سے قصور سرزد ہوا ہو وہ بہتان اور گناہ کے کھلے طور پر ذمہ دار بنتے ہیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ اس خصوص میں ضروری احکام آ چکے اور مزید تفصیلات قرآن کریم کے مختلف مقامات پر غور و تفکر سے معلوم ہو سکتی ہیں میں نے تو اشارات لکھے۔ فتدبروا ولا تکونوا من الغافلین

(۵) ایفائے عہد و بدعہدی

اعمال انسان کے ان اعمال میں جن کا اثر دوسروں پر پڑتا ہے ایک خلق ایفائے عہد اور اسکے مقابل رذائل میں بدعہدی داخل ہے قرآن کریم نے ایفائے عہد پر زور دیا ہے جیساکہ میں بیان کرونگا ایفائے عہد کو ہم صدق (راستبازی) کی بھی ایک شاخ قرار دے سکتے ہیں۔ اس لئے کہ یہ زبان اور عمل کی سچائی کا ایک مظاہرہ ہے۔

اور بدعہدی ان دونوں کی مخالفت ہے۔

وفائے عہد کی اہمیت

قرآن کریم نے وفائے عہد کی اہمیت کو اس طرح پر ظاہر فرمایا کہ خود اللہ تعالےٰ نے اس کو اپنے صفات میں داخل کر کے توجہ دلائی جیساکہ فرمایا سورہ یونس پارہ ۱۱ رکوع ۶ آیۃ ۵۶

اَلَآ اِنَّ وَعْدَ اللّٰہِ حَقٌّ سنو! اللہ تعالےٰ کا وعدہ سچا ہے۔

قرآن مجید نے متعدد مقامات پر اس حقیقت کو واضح کیا ہے کہ اللہ صادق الوعد ہے۔ یہ اس لئے کہ مومن اپنے اندر اس خلق کو پیدا کریں میں چند مقامات کا حوالہ دے دیتا ہوں۔

(۱) اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيعَادَ ۝ سورۃ آل عمران رکوع ۲۰ آیۃ ۱۹۴

(۲) اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادَ ۝ سورۃ آل عمران رکوع ۱۱ و رعد رکوع ۴

(۳) و من یخلف اللہ وعدہ سورۃ حج رکوع ۶ و بقرہ رکوع ۹

(۴) وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ سورۃ توبہ رکوع ۱۴ آیۃ ۱۱۲

اور اللہ سے بڑھ کر کون اپنے وعدہ کو پورا کرنے والا ہے۔

پھر انبیاء علیہم السلام کی زندگی صادق الوعد ہونے کے لحاظ سے نمونہ ہوتی ہے اور وہ اپنے عہد کے پابند ہوتے ہیں۔

چنانچہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذکر میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے سورۃ مریم پارہ ۱۶ رکوع ۳ آیۃ ۵۴

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ ز اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ۝

اور کتاب میں اسماعیل کا ذکر کہ وہ وعدہ کا سچا اور اللہ تعالےٰ کا رسول اور نبی تھا۔

غرض صادق الوعد ہونا اللہ تعالےٰ اور اس کے انبیاء علیہم السلام کی صفات میں سے ہے اور اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے احکام دیئے ہیں۔

ایفائے عہد کی وسعت

یہ خلق اپنے مفہوم اور عمل کے لحاظ سے بہت وسیع ہے یہ صرف زبانی اقرار پر ختم نہیں ہو جاتا۔ بلکہ اپنے عمل

کے لحاظ سے انسان کی زندگی کے تمام مراحل پر حاوی ہے۔ مذہب، تجارت معاشرۃ اور ہر قسم کے معاملات کی صحیح بنیاد معاہدہ پر ہے اور قانون معاہدات تمام حکومتوں کے قوانین میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے توفیق دی تو قوانین قرآنی کے ذیل میں جیسے دیوانی۔ فوجداری اور قانون شہادت پر بحث کرنے کا عزم ہے۔ قانون معاہدہ کی جزئیات پر وہاں بحث بتوفیقہ تعالیٰ کر سکوں گا۔ یہاں تو اسکی اہمیت اور وسعت کی طرف اشارہ ہے اب میں اس کے احکام کو بیان کرتا ہوں۔

ایفائے عہد کے احکام

(۱) سورۃ بنی اسرائیل پارہ ۱۵ آیۃ ۳۵

وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا ۝

۔ اور عہد کو پورا کرو کیونکہ ہر عہد کے متعلق سوال کیا جائیگا

نوٹ:۔ یہ عام حکم ہے کہ جو عہد تم کرو اسے پورا کرو خواہ وہ عہد فطرت ہو عہد اسلام ہو۔ عہد اللہ ہو یا باہم مختلف امور میں تم نے کسی دوسرے سے عہد کیا ہو اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے بعض اور احکام بھی دیئے ہیں۔ جیسے فرمایا کہ اگر کسی چیز کا ماپ کرو تو پورا ماپ کرو اور اگر وزن کرو تو صحیح وزن کرو (ڈنڈی سیدھی رکھا کرو ڈنڈی مارو نہیں) ان امور کو عہد کیساتھ ملا کر عہد کے مفہوم کی وسعت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

(۲) ایفائے عہد کو اللہ تعالیٰ نے حقیقی نیکی اور اجزائے ایمان میں داخل کیا ہے۔ پارہ دوم سورۃ بقرہ رکوع ۲۲ آیۃ ۱۷۸

وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عَاهَدُوْا ج

اور جب وہ کسی سے عہد کرتے ہیں تو اسے پورا کرتے ہیں۔

(۳) مومنین کے صفات خاصہ میں اسکو داخل کیا ہے جیسا کہ سورۃ المومنون پارہ ۱۸ رکوع اول ہی میں کامیابی کے اعمال کے ذیل میں فرمایا

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُوْنَ ۝

یہ کامیاب ہونے والے مومنین اپنی امانتوں اور اپنے عہد کی رعایت رکھنے والے ہوتے ہیں

یعنی ان کو اس امر کا خاص التزام رہتا ہے کہ خلاف عہد اور خلاف امانت ان سے کوئی فعل سرزد نہ ہو۔ اسی امر رعایت عہد و امانت کو سورۃ المعارج میں ان لوگوں کی ذیل میں داخل کیا ہے جو جنتی ہیں۔

(۴) پارہ ۱۳ سورۃ الرعد رکوع ۳ آیۃ ۲۰

اَلَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ ۝

وہ اللہ تعالےٰ کے عہد کو پورا کرتے ہیں اور اس میثاق کو توڑتے نہیں

تشریحی نوٹ اس آیۃ میں اللہ تعالےٰ اس عہد فطرت کی طرف اشارہ کرتا ہے جو الست بربکم و قالوا بلیٰ کے ذیل میں ہے

اور یہ اپنے اولوالالباب بندوں کی صفات میں داخل ہے اس کے بعد ان کے اور صفات کا ذکر کیا ہے۔ جو اخلاق فاضلہ میں داخل ہیں اور وہ گویا اسی عہد فطرت کے ایما میں داخل ہیں ان صفات حسنہ میں جنکا ذکر آگے آتا ہے پہلی صفت یہ بتائی گئی ہے۔ کہ

"اللہ تعالےٰ نے جن تعلقات کو جوڑنے کا حکم دیا ہے ان کو جوڑے رکھتے ہیں"

ان کو توڑتے نہیں۔ اس میں سرّ یہ ہے کہ ایفائے عہد اپنے ثمرات میں تعلقات باہمی کے مضبوط کرنے کا ذریعہ ہے۔

(۵) پارہ ۸ سورۃ الانعام رکوع ۱۹ آیۃ ۱۵۳

وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝

اور اللہ کے عہد کو پورا کرو یہی وہ حکم ہے جسکی تم کو وصیت کی جاتی ہے

(اس پر عمل کا نتیجہ یہ ہوگا) کہ تم دنیا میں تاریخی قوم بن جاؤ گے۔

اس آیۃ میں اکثر اخلاقی فضایل کا حکم دیا ہے مگر میں نے صرف عہد اللہ کے حکم کو یہاں درج کیا ہے۔ عہد اللہ سے مراد عہد شریعت ہے جو قرآن کریم کے ذریعہ دیا گیا ہے گویا قرآن کریم بجائے خود ایک عہد شریعت ہے جو مومن اسپر ایمان لاکر اسکی عملاً حفاظت کا عہد کرتا ہے (اللھم وفقنا)

عہد اللہ کا یہ مفہوم تو میں نے بہ ہیئت مجموعی بیان کیا ہے لیکن قرآن کریم نے اس میں ایک خصوصیت کی بھی تشریح فرمائی ہے اور وہ یہ ہے سورۃ الفتح پارہ ۲۶ رکوع اول آیۃ ۱۱ جس کا ترجمہ یہ ہے۔

وہ لوگ جو تیری بیعت کرتے ہیں وہ یقیناً اللہ ہی کی بیعت کرتے ہیں اور اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے (اللہ تعالیٰ کی مدد ان کے شامل حال ہے) پھر جو شخص اس بیعت کو (قولاً یا فعلاً) توڑتا ہے۔ وہ اپنی ہی ذات کا نقصان کرتا ہے۔ اور جو اس عہد اللہ کو پورا کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسکو اجر عظیم دیگا۔

اس آیت نے عہد اللہ کی ایک تخصیص فرمائی ہے اور اس کے مفہوم میں بھی وسعت ہے کہ جب انسان اللہ تعالیٰ کے کسی مامور و مرسل کے ہاتھ پر

یت کرتا ہے اور عہد کرتا ہے تو اسے چاہئے کہ اجر عظیم کے حصول کیلئے
س کی حفاظت کرے اور ماموریں و مرسلین کے علاوہ قومی تہدیں
میر قوم یا بادشاہ وقت کے ہاتھ پر بھی ایک عہد کیا جاتا ہے پس اس
ظام قومی کے قیام و استحکام کے لئے جو عہد کیا جاوے بشرطیکہ وہ
ران کریم کے امر اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے خلاف
ہو تو اس کی تعمیل و تکمیل بھی ضروری ہے کوئی ایسا عہد جو معصیت
بنی ہو نہ جائز ہے اور نہ اس پر عمل کی ضرورت ہے۔

یہ چند آیات میں نے انبیاء کے عہد کے متعلق درج کر دی ہیں
س کے برخلاف ایفائے عہد نہ کرنا

بدعہدی ہے

ور یہ ان رذایل کی ماں ہے جن سے معاشرہ۔ مذہب۔ اور معاملا
ن عامہ اور بین الاقوامی تعلقات میں فساد برپا ہوتا ہے۔ اس لئے
ومن کو بہت محتاط اور ہوشیار رہنا چاہئے۔

بدعہدی کا انجام بدعہدی سے جو برے نتائج پیدا ہوتے ہیں وہ ایک
گھریلو زندگی سے لے کر بین الاقوامی زندگی کو خطرات
ر جہنم کا مرکز بنا دیتی ہے اور اسی عیب سے وہ بدی انسان کے اندر
یدا ہو جاتی ہے جو نفاق کہلاتی ہے چنانچہ اللہ تعالے فرماتا ہے

پارہ ۱۰ سورۃ توبہ رکوع ۱۰ آیۃ ۷۸

فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ

اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ۝

پس اس نے انکو (انکی بدعملیوں کی) سزا دی کہ ان کے دلوں میں نفاق پیدا ہو گیا اس دن تک کہ وہ اس کے حضور حاضر ہوں اور یہ اس لئے ہوا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے جو عہد کیا تھا اسکی خلاف ورزی کی اور اس لئے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔

تشریحی نوٹ: اس اور اسکے بعد کے رکوع میں اللہ تعالیٰ نے منافقوں کا تفصیل سے ذکر کیا ہے ہن حصہ آیت کو بخوبی سمجھنے کیلئے اسکے ماقبل آیات کو پڑھکر غور کریں اس حصہ میں بتایا کہ عہد اللہ کی خلاف ورزی کا یہ انجام ہوتا ہے کہ ام الجرائم نفاق، پیدا ہو جاتا ہے اور نفاق کی سزا "فی درک الاسفل من النار" ہے یہیں جھوٹ کے ذیل میں آنے والے بدلیوں کے ذکر میں نفاق کے متعلق بہت کچھ کہہ آیا ہوں

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ام الحسنات کے ذیل میں ایفائے عہد کو بھی رکھا ہے ایک مرتبہ فرمایا کہ اگر تم مجھ سے تین باتوں کا ذمہ لو۔ لینے یہ اقرار کرو کہ ان پر عمل کریں گے تو میں تمہارے لئے جنت کی ذمہ داری لیتا ہوں اور وہ تین باتیں کیا ہیں؟

(۱) جب بولو تو سچ بولو

(۲) جب وعدہ کرو تو اسے پورا کرو

(۳) جب تمہارے سپرد کوئی امانت کی جائے تو خیانت نہ کرو

قرآن کریم اخلاقی فضایل اور رزایل کے باریک سے باریک شعبوں اور جزئیات کو بھی واضح کرتا ہے۔ اور یہی اس کی تعلیم کا کمال ہے۔

(٦) فحش گوئی اور بکواس

اعمال اللسان کے ان اعمال میں سے جن کا اثر خود بولنے والے اور دوسرے لوگوں پر بھی پڑتا ہے ایک عمل فحش گوئی ہے جو رزائل کی ذیل میں آتا ہے

فحش سے کیا مراد ہے

فحش میں یوں تو ہر وہ عمل داخل ہے جو اپنے اندر کوئی بدی کا رنگ رکھتا ہو۔ اور اصطلاحی رنگ میں ایسا کلام ہے جو شہوانی قوتوں کے ہیجان کا موجب ہو۔ قرآن مجید کی اصطلاح میں اسے رفث کہتے ہیں۔

چنانچہ قرآن مجید سورۃ بقرہ رکوع ۲۵ آیۃ ۱۹۸ میں فرماتا ہے۔

فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ۗ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمْهُ اللَّهُ ۗ

حج کے مہینوں میں جس نے حج فرض کر لیا (عزم حج کیا) تو اسے یاد رہے کہ حج میں کسی قسم کی شہوت انگیز باتیں کرنا اور بد زبانی کرنا اور جھگڑا فساد نہیں کرنا چاہئے۔ اور تم جو کچھ بھی نیکی کرتے ہو اللہ تعالےٰ اسے جانتا ہے۔

اس آیت میں تین باتوں سے منع کیا گیا اور ہر قسم کی نیکی کا حکم دیا گیا ہے ان تین باتوں میں باہم ترتیبی تعلق ہے۔ اول فحش گوئی ایسی باتیں کرنا جو تعلقات جنسی سے تعلق رکھتی ہیں اشارتاً یا کنایۃً بھی منع ہے۔ اس حکم عفت کے جذبات صحیحہ کو ابھارنا مقصود ہے اور شہوانی جذبات حکومت کا طریق بتایا ہے پھر ہر قسم کی بد زبانی جسکی انتہا گالی وگلوچ اور

لاخر باہمی جدال پر جا ختم ہوتی ہے۔

میں نے فحش گوئی کی قرآنی اصطلاح (رَفَث) کے اظہار
لئے اس آیۃ کو پیش کیا ہے۔

الہ حاضرہ میں فحش کا ارتکاب

مجھے نہایت افسوس اور دکھ سے ظاہر کرنا پڑتا ہے
کہ اس وقت اشاعت فحش اپنے کمال پر ہے۔ لباس
ب عریانی ہے باتوں میں عریانی اور فحش ہے اور ترقی پسند ادب نے عریانی
ں کمال کر دیا ہے۔ جنسیات کے متعلق باقاعدہ اخبارات اور رسایل
عت کرتے ہیں اور فحش گیت۔ ناول۔ فلم تو حد سے بڑھ گئے ہیں آہ۔ صد آہ

آن کریم کا کمال

قرآن کریم تو اپنے اسلوب بیان میں اس طریق کو اختیار
کرتا ہے کہ جنسی امور تو درکنار طبعی ضروریات کے اظہار
لئے بھی ایسے الفاظ استعمال کرتا ہے۔ جن کے ذریعہ حسی جذبات کو،
ھیس نہ لگے۔ مثلاً وہ پیشاب یا پاخانے کے لئے غایط کا لفظ استعمال
تا ہے اسی طرح پر معاشرۃ کے متعلق قرآن کریم کا اسلوب بیان شرم و
یا کے جذبات کی حفاظت کو لئے ہوئے ہے۔

حش کی دوسری قسم

میں نے بتایا ہے کہ فحش کی ایک قسم تو انسان کے جذبات
شہوانی کے سلسلہ میں ہے۔ جس کو قرآن کریم رفث
تا ہے۔ ایک دوسری قسم فحش کی وہ ہے جو قوت غضبیہ کے مرکز سے
لق رکھتی ہے۔

منی فلسفہ جذبات

یہاں میں ایک ضمنی فلسفہ جذبات مختصراً بیان کرنا چاہتا ہوں

کہ جو جذبات انسان کے اندر ہیں وہ اپنی ذات میں برے نہیں ہیں۔ انکی بد استعمالی سے رزایل پیدا ہو جاتے ہیں مثلاً غضب ہی کو لو اسکی بد استعمالی سے کینہ۔ حسد۔ بغض پیدا ہو جاتے ہیں اور صحیح استعمال سے غیرت۔ شجاعت۔ استقلال وغیرہ صفات حسنہ پیدا ہو جاتی ہیں قوت شہوانیہ کے صحیح استعمال سے عفت، رحمت، شفقت وغیرہ فضایل نشو ونما پاتے ہیں۔

الغرض قوت غضبیہ کے مرکز سے گالی کا تعلق ہے اور قرآن کریم کی اصطلاح میں وہ سبّ کہلاتی ہے۔ پھر گالی کے مختلف اقسام ہیں میں انکی تفصیل میں نہیں جاؤں گا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سبّ (گالی) کو فسق قرار دیا ہے فرمایا

سباب المسلم فسوق وقتاله کفر

مسلم کو گالی دینا تو فسق ہے۔ اور اسکو قتل کرنا کفر ہے میں نے اسی باب میں بیان کیا ہے کہ اسلام احترام نفس کو ضروری سمجھتا ہے اور احترام نفس میں اس کے جذبات کو بھی ٹھیس لگانے سے بچاتا ہے۔ اور گالی ایسی بد زبانی ہے جس سے احترام نفس باقی نہیں رہتا۔ اسلئے اللہ تعالٰے نے یہاں تک منع فرمایا کہ تم دوسروں کے معبودوں کو بھی برا بھلا نہ کہو چنانچہ فرمایا سورۃ انعام پارہ ۷ رکوع ۱۳ آیتہ ۱۱۰

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا ۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ

اور (دیکھو) جو لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا معبودان باطلہ کو پکارتے ہیں تم انکے معبودوں کو گالی مت دو (اسکے نتیجہ میں) عداوت کی وجہ سے وہ بھی اللہ تعالیٰ کو برا بھلا کہیں گے

اس مقام پر مشرکین سے اعراض کرنے کا حکم دیا گیا ہے یہاں اعراض سے یہ مطلب نہیں کہ ان کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جاوے اور شرک سے بچانے کے لئے یا اسکی شناخت کے اظہار میں رک جاؤ نہیں بلکہ اعراض اس امر سے ہے کہ وہ مخالفت کرتے ہیں ایذارسانی کے منصوبے کرتے ہیں اور جذبات کو ٹھیس لگانے والے الفاظ بولتے ہیں تم ان سے جوش میں آکر ان کے معبودوں کو برا بھلا نہ کہو ورنہ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور گستاخیاں کریں گے۔

امن عامہ کے قیام کا ایک ضروری اصل

یہ حکم قرآن کریم کے ان اصولوں میں سے ایک ہے جو وہ اتحاد بین المذاہب اور اتحاد بین الاقوام کے لئے دیتا ہے مختلف مذاہب کے ماننے والوں میں جو منافرت پیدا ہوتی ہے اور اس سے امن شکن صورتیں پیدا ہوتی ہیں اگر اس پر عمل کیا جاوے تو ایسی نزاعیں نہ پیدا ہوں بلکہ منافرت محبت سے تبدیل ہو جاوے دوسرے مذاہب کا ذکر جانے دو رونا تو یہ ہے کہ اسلام کے مختلف فرقوں میں بھی اس قرآن کریم کے بتائے ہوئے اصل پر عمل نہیں ہوتا۔ مجالس تبرا اور مدح صحابہ کے نتائج نہایت افسوسناک رنگ میں سامنے موجود ہیں۔ ایسا ہی بعض دوسرے فرقوں کا حال ہے۔ **حقیقی مذہب** کا یہ تعلیم نہیں۔

ایک جامع ہدایت گالی نہ دینے کے متعلق

چونکہ گالی کے مختلف اقسام ہیں اور بدگوئی اور بدزبانی کے مختلف طریق ہیں اس لئے قرآن مجید ایک جامع ہدایت اس باب میں دیتا ہے فرماتا ہے پارہ ۶ پہلی ہی آیت

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ

اللہ تعالے بری بات کے مشہور کرنے کو کسی سے بھی پسند نہیں کرتا بجز اس شخص کے جو مظلوم ہو

جہر بالسوء کی بھی مختلف قسمیں ہیں مگر میں یہاں اعمال اللسان کا ذکر کر رہا ہوں اس آیت میں بھی ایک امن بخش قانون احترام نفس کا دیا ہے کہ کسی شخص کو یہ حق حاصل نہیں کہ کسی دوسرے کے متعلق ایسے الفاظ کہے اشارۃً یا کنایۃً جس سے اس کی عزت نفس کو نقصان پہونچتا ہو۔ آج حکومتیں ازالہ حیثیت عرفی کے قانون پر ناز کرتی ہیں مگر قرآن کریم چودہ سو برس کے قریب پہلے یہ قانون دیتا ہے اور اس کے مستثنیات میں وہ صرف ایک استثنیٰ رکھتا ہے کہ مظلوم کو یہ حق ہے کہ وہ اپنے ظلم کا اظہار جہراً کرے مگر اس کو یہ اجازت نہیں کہ وہ ظالم پر افترا کرنے یا بہتان لگائے یا جھوٹ بولے جس حد تک اس کی ذات کا تعلق ہے۔ وہ اس ظلم کے متعلق بیان کر سکتا ہے اس کے بعد دوسری آیت میں اس قانون کی وسعت اور اس کے مقاصد کو پورا کرنے کے لئے ایک طریق اصلاح اور حسن اخلاق کا بھی بتا دیا کہ

"اگر تم بھلی بات کو ظاہر کر دیا اسکو چھپاؤ یا بدی سے درگذر کرو تو بے شک اللہ معاف کرنے والا اور قدرت والا ہے"

اس میں اس خصوصیت کی طرف توجہ دلائی ہے کہ اصل مقصد انتقام نہیں اصلاح ہے اس لئے یہ حق تو ہے کہ مظلوم اپنے مظالم صحیحہ کا اظہار کر سکے لیکن اگر اصلاح عفو سے ہو سکتی ہے تو وہ اپنے حق اور جذبات کے ایثار سے ایک بلند مقام حاصل کر سکتا ہے۔

غرض قرآن کریم نے اعمال اللسان کے متعلق ان احکام کو جو دوسرے انسانوں کی عزت و نفس پر موثر ہوتے ہیں کمال حکمت کے ساتھ بیان کیا ہے اور بھی بعض امور ایسے ہو سکتے ہیں جو باریک جزئیات کو لیے ہوئے ہوں مگر میں طوالت کے خوف سے اس باب کو یہاں ختم کرتا ہوں اور اللہ تعالےٰ سے دعا کرتا ہوں کہ

ہم کو توفیق عمل روزی کرے (آمین)

پانچواں باب
احسان اور قرآن کریم

احکام القرآن بہ سلسلہ احسان

گذشتہ ابواب میں ان احکام قرآنی کو بیان کیا گیا ہے جو زبان سے
تعلق ہیں اگرچہ بعض جزئیات کو چھوڑ دیا گیا ہے تاہم ان احکام کو بیان
نے کی حقیر کوشش کی ہے۔ جو اصولی اور بنیادی ہیں اس باب میں
ان احکام کو بیان کرنے کی اللہ تعالیٰ کے فضل سے کوشش کروں گا جنکا

مرکزی نقطہ احسان ہے

راس سے وہ عفت وعصمت مراد ہے جو انسان نقطۂ نوع کے جذبہ
تحت قائم رکھتا ہے آج کل کی اصطلاح کے موافق یہ کہا جا سکتا ہے
یہ جنسیات کا ہدایت نامہ ہے۔

ن کریم کا اسلوب اصطلاح

قرآن کریم اپنی تعلیم وہدایت کو موثر و نتیجہ خیز بنانے
کے لئے اخلاق کے ہولات کی تعدیل وتطہیر کوشش
لم رکھتا ہے اور میں پہلے یہ بیان کر آیا ہوں کہ انسان جن جذبات
ے کر دنیا میں آتا ہے وہ طبعی حالت میں برے نہیں ہیں۔ بلکہ انسان
ں بد استعمالی سے ان کو رزایل یا معصیت کی شکل میں تبدیل کر لیتا ہے
ن اگر انکو صحیح طور پر استعمال کرے تو وہ طبعی جذبات اخلاقی فضایل
ن جاتے ہیں اور انکی مزید تطہیر انکو روحانیات کی شکل دیدیتی ہے۔
ا طرح ہر یاد رکھو کہ

اخلاقیات کا کمال روحانیات کا آغاز ہے

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص اپنی زبان اور اعضائے نہانی کی حفاظت کرتا ہے میں اس کا ذمہ دار ہوں (مفہوم) ولنعم ما قیل

دو عضو ذکر جو کوئی بچائیگا۔ سید با خدا کے فضل سے جنت کو جائیگا۔ وہ اک زبان ہے عضو نہانی ہے دوسرا۔ یہ ہے حدیث سیدنا سید الوریٰ ؐ

حصول عفت کے طریق

قرآن مجید اس (احسان) اخلاقی کمال کے حصول کیلئے دو قسم کے طریق اختیار کرتا ہے اول اس نے عفت (یا کدامنی) کے اخلاقی کمالات کی طرف اس طرح پر توجہ دلائی کہ مومنین مخلصین کے اعمال صالحہ میں اسے ایک امتیازی جگہ دی اور اس اخلاقی کمال کے بیان کو ایک جامع صورت میں بیان کیا چنانچہ (سورہ احزاب رکوع ۵ آیۃ ۳۵) میں مومنین، (مردوں اور عورتوں) کے کمالات اخلاقی کی ایک تفصیل بیان کی اور اس کے ضمن میں فرمایا وَالْحَافِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ

اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد ہوں یا عورتیں

اللہ تعالےٰ کے حضور ان کے لئے مغفرۃ اور اجر عظیم ہے میں نے ان تمام صفات اخلاقیہ کا ثمرہ یہ بتایا مغفرۃ اور اجر عظیم ہے۔ مغفرۃ سے مراد یہ ہے کہ ان کے اندر گناہ سوز فطرت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ گناہ سے نفرت کرتے ہیں۔ ان میں عفت اور پاکبازی کے جذبات ابھرتے ہیں اور اس کے ثمرہ میں اعلےٰ درجہ کے نتائج مترتب ہوتے۔

حفظ فروج

یہاں تحفظ فروج سے یہ مراد ہے کہ وہ تمام سوراخ جو انسانی جسم میں ہیں جن کے ذریعہ انسان جنسی بدیوں میں مبتلا ہو سکتا ہے اسکی حفاظت

کرتے ہیں۔ یہ لفظ اپنے مفہوم میں وسعت رکھتا ہے وہ ایسی باتیں نہیں سنتے جن سے بدیوں کے ارتکاب کی تحریک ہو سکے۔ یہ اس سوراخ (کان) کی حفاظت ہے۔ وہ اس قسم کی باتیں نہیں کرتے جو رفث کی قسم کی ہوں جسکا ذکر میں احکام اللسان میں کر آیا ہوں۔ یہ دوسرا سوراخ ہے پھر وہ ایسے نظارے نہیں دیکھتے جن سے شہوانی جذبات ابھریں جیسے عریاں تصویریں اور ایسی کتابیں نہیں پڑھتے غرض اس حفاظت روح میں وہ سب باتیں آجاتی ہیں اور بالآخر حفاظت فروج میں شرمگاہوں کی حفاظت ہے۔

اس حقیقت کو قرآن کریم نے مختلف مقامات پر بیان کیا ہے جس سے اسکی اہمیت کا اظہار ہوتا ہے اور مومن کے اخلاقی کمال میں

عفت احترام نفس کا ذریعہ ہے

اور اس کے ذریعہ دوسروں کی عزت و آبرو محفوظ ہو جاتی ہے اور فحش رک جاتا ہے

عہد حاضرہ اور فحش

فحاشی کو یوں تو سب برا سمجھتے ہیں۔ لیکن اس کے انسداد کی جو صورتیں پیدا کی جاتی ہیں وہ اس کی اشاعت اور کثرت کا ذریعہ بن جاتی ہیں۔ اس کے انسداد کی ایک ہی صورت ہے کہ قرآن کریم پر عمل کیا جاوے۔

بحالت موجودہ تو ایک سیلاب بدکاری اور بداخلاقی کا آرہا ہے اسکی تفصیل میں جانا مشکل ہے۔

اسی سلسلہ حفاظت الفروج میں قرآن کریم نے اس کے ثمرات اور فوائد کا بھی ذکر کیا ہے قرآن کریم نے عفت کے لئے دو اصطلاحیں استعمال کی ہیں

حفظ فروج اور احصان۔ احصان کی مثال میں حضرت مریم علیہا السلام
کے متعلق فرمایا پارہ ۲۸ سورۃ التحریم آخری آیت

وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ ۝

اور مریم بنت عمران جس نے اپنی عصمت کو محفوظ رکھا تو ہم نے اپنا کلام اس میں پھونکا اور
اس نے اپنے رب کی باتوں اور کتابوں کی تصدیق کی اور وہ فرمانبرداروں میں سے تھی

تشریحی نوٹ: اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے مومنین کی عملی حیثیت کا ذکر دو عورتوں کی
مثال سے کیا ہے اس سے پہلی آیت میں فرعون کی بی بی سے مثال
دی فرعون کی بی بی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تربیت کی اور حضرت مریم نے
حضرت عیسیٰ ع کی۔ ان دونوں مثالوں میں مومن کے مراتب کا ذکر ہے پہلی صورت
یہ ہے کہ مومن ابھی شیطان پر قابو نہیں پا سکا مگر وہ اس سے مصروف جنگ
رہتا ہے۔ اور یہ ابتدائی درجہ ہے آخری درجہ کمال وہ ہے جو مریمی رنگ
رکھتا ہے اور اس میں تمام کمالات حسنہ کا مدار

احصان الفروج

پر بتایا ہے اور احصان الفروج کے ثمرات میں اللہ تعالیٰ اور اس کے کلام پر کامل
یقین عملی رنگ میں پیدا ہو جاتا ہے اس طرح کہ ایسے مومن پر خود نفخ روح
ہوتا ہے جس طرح پر اسکے لئے جائز ہوتا ہے کہ کہا جاوے کہ وہ روح اللہ ہے
غرض قرآن کریم نے عفت کے لئے حفظ الفروج اور احصان الفروج

کی دو اصطلاحیں استعمال کی ہیں۔

دوسرا طریق یہ ہے کہ وہ ان تمام مقدمات سے بچنے کے طریق بتاتا ہے جو بالآخر زنا کا موجب بنا دیتے ہیں۔

احصان سے کیا مراد ہے

احصان اپنے لغوی مادہ کے لحاظ سے قلعہ کے مفہوم کو لئے ہوئے ہے اور قرآن کریم نے اسکو مختلف معنوں میں استعمال کیا ہے لیکن ہر موقعہ اور مفہوم میں حفاظت اور صیانت کا مفہوم موجود ہے میری اس کتاب میں احصان سے مراد وہ خیالات و جذبات اور اعمال داخل ہیں۔ جو انسان کی جذبات شہوانیہ کے رزایل سے محفوظ کر کے اسے انکے بالمقابل فضایل کا پیکر بنا دیتے ہیں اور اس خصوصیت میں قرآن کریم عفت و عصمت کے وہ قوانین اور ہدایات دیتا ہے جو اس کے ابتدائی جذبات سے لیکر عملی کمال تک پر حاوی ہیں اس طرح پر وہ اپنی تعلیم و ہدایات کی برتری کے رنگ میں اللہ تعالیٰ ہی کا کلام ہونیکا ایک ثبوت پیش کرتا ہے جس طرح پر بقائے نفس ایک فطری خواہش ہے اسی طرح بقائے نوع کا جذبہ بھی انسان کے اندر طبعی اور قدرتی ہے اور جس طرح بقائے نفس کے لئے انسان کے وجود میں آلات ہیں جیسے زبان معدہ و آلات ہضم وغیرہ اسی طرح بقائے نوع کے لئے اللہ تعالےٰ نے ایک نظام عمل انسان کے اندر رکھا ہے۔ اور جس طرح پر حلال و حرام کے قوانین بقائے نفس کے لئے دیئے ہیں اسی طرح حرام و حلال کے احکام بقائے نوع کے لئے ہیں میں اس موضوع پر لمبی بحث نہیں کرونگا۔ بلکہ میں اسے احکام کی حد تک محدود کر دوں گا۔ وباللہ التوفیق

غضِ بصر

(۱)

قوائے تناسل کے جذبات کے ظہور کی ابتدا دیدہ بازی سے شروع ہوتی ہے یا ایسی آوازیں سننے سے جو جذبات میں تحریک کرتی ہیں اس لئے قرآن کریم احصان کے احکام کی ابتداء اسی سے کرتا ہے۔

قرآن کریم نے اس جذبہ عفت و عصمت کا مقام اتنا بلند ظاہر کیا ہے کہ اس کے حدود و شرائع کے متعلق قرآن کریم میں ایک مستقل سورۃ النور نازل فرمائی ہے اور اس میں ان جرائم کے حدود اور سزائیں بیان کی ہیں جو اس کی خلاف ورزی میں دینی چاہئیں تاکہ ہر قسم کی بدکاری اور حرام کاری کا سدباب ہو۔ اسی سورۃ میں ان مبادیات کو بیان کیا جنکی نگہداشت سے انسان محصن یا محصنہ کہلاتا ہے اور بے پرواہی سے بالآخر زانی ہوکر اس سخت سزا کا مستحق ہو جاتا ہے جو اس سورۃ میں بیان کی ہے ان مبادیات کے سلسلہ میں فرماتا ہے۔ پارہ ۱۸ سورۃ النور رکوع ۲

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۚ (آیۃ ۲۱)
فَإِنَّهُ يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ ۚ

مومنو! شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو۔ اسکی اتباع نہ کرو وہ تو بے حیائی اور بری باتوں ہی کی تحریک کرتا ہے۔

تشریحی نوٹ اصل تحریکات کا منبع تو دل ہے اور اس میں مختلف قسم کی تحریکیں ہوتی رہتی ہیں اس لئے جب ایسی تحریک انسان کے

قلب میں ہو جو بدی اور بے حیائی کا رنگ رکھتی ہو تو فوراً اسکو چھوڑ دے۔ اور لاحول پڑھے۔ چونکہ گناہ کا اقدام عزم سے ہوتا ہے۔ محض کسی خیال کے گذر جانے سے نہیں ہوتا اس لئے قرآن کریم نے مواخذہ کے لئے فرمایا بما کسبتم قلوبکم جس بدی کے ارتکاب کا تمہارے دل میں عزم کر لیا ہے۔

پس سب سے اول قلبی تحریکوں پر حکومت کا ایک سبق دیا۔

حصول عفت کے لئے پہلا حکم یہ دیا کہ خطوات الشیطان کی اتباع نہ کرو۔ اور اس سے مراد ہے۔ ایسی تمام تحریکات جو بے حیائی اور بدی کے جراثیم اپنے اندر رکھتی ہوں۔ خیالات کی اصلاح کے بعد دوسرا درجہ حصول عفت کے مبادیات میں غض بصر کا ہے اس لئے فرمایا

سورۃ نور پارہ ۱۸ آیت ۳۱

(۲) قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝

اور مومنوں کو کہدو کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھا کریں یہ ان کے لئے سب سے پاکیزہ امر ہے اللہ اس سے خبردار ہے جو وہ کرتے ہیں۔

تشریحی نوٹ: قرآن کریم جن مبادیات کو اس جگہ بیان کر رہا ہے اگر انکی نگہداشت نہ کی جاوے تو انسان ارتکاب زنا کر بیٹھتا ہے اور اسکو اللہ تعالیٰ نے سب سے بڑی بدی اور بے حیائی قرار دیا ہے۔ پس اس کے ارتکاب سے بچنے کے لئے یہ ابتدائی مدارج ہیں۔ میں نے بارہا اس امر کو بیان کیا ہے کہ قرآن کریم صرف نیکی کرنے یا بدی سے بچنے کا حکم ہی نہیں دیتا بلکہ وہ عملی طریق اور انکے ثمرات

بھی بتاتا ہے جیسا ابھی میں بیان کر آیا ہوں کہ تحفظ فروج سے انسان کو گناہ
سے نجات ملتی ہے اور اس کے ثمرات میں عظمت ہوتی ہے یہاں خیالات
کی اصلاح کے بعد دوسرے درجہ پر غض بصر کا حکم دیا ہے اور اس کے نتیجہ میں
بتایا کہ غض بصر تم کو حفاظت فروج میں مدد دیگی اور اس میں کیا شبہ
ہے کہ آنکھ اس بدی سے بچ جائے گی جو بد نظری سے پیدا ہوتی ہے۔

اور پھر اس کا نتیجہ بتایا کہ یہ

تمہارے تزکیہ نفس کا بہترین ذریعہ ہے

اور اس کے حصول کے لئے تم اس پر کامل ایمان پیدا کرو۔ کہ اللہ تعالیٰ
تمہارے اعمال سے خبردار ہے جب انسان اللہ تعالیٰ کی صفت خبیر پر
ایمان اور یقین پیدا کرتا ہے تو وہ حفاظت فروج میں آسانی پیدا کر لیتا
ہے۔ وہ اپنی زبان اپنے کان آنکھ اور دوسرے اعضاء کے اعمال میں محتاط
ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے خلاف نہ ہوں۔

اس طرح پر غض بصر اسکی عفت اور احصان کی قوتوں کو مضبوط
کر کے تزکیہ نفس کا موجب ہو جائے گی۔

یہ حکم صرف مردوں کو ہی نہیں دیا بلکہ عورتوں کو بھی چنانچہ آیۃ ۳۲ میں فرمایا

"اور مومن عورتوں کو کہدو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت
کیا کریں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں۔ سوائے اس کے جو عادتاً کھلا رہتا ہے۔ اور
چاہئے کہ اپنی اوڑھنیاں اپنے سینوں پر ڈال لیا کریں اور اپنے سنگار نہ ظاہر کریں۔

اس آیۃ میں اور بھی احکام ہیں کہ اظہار زینت کی کہاں اجازت ہے وہ

زیر بحث نہیں بہرحال عورتوں اور مردوں کو غض بصر حفاظت فروج کا حکم دیا اور چونکہ عورت موجب تحریک ہو سکتی ہے اس لئے انکو حکم دیا کہ زینت کا اظہار نہ کریں۔ اور اپنی اوڑھنیوں کو اس طرح پر رکھیں کہ وہ گریبان سے ہو کر سر پر آجاویں یعنے گریبان اور دونوں کان اور سر اور کنپٹیاں سب چادر کے پردہ میں رہیں۔ اور اپنے پیروں کو زمین پر ناچنے والوں کی طرح نہ ماریں۔

آہ! آج عورتیں بناؤ سنگار بنا کر اور اپنے سینے کے ابھار کو نمایاں اور بالوں کی مختلف قسم کی نمایش کو اپنی آزادی اور نمایش کا ذریعہ سمجھتی ہیں اور اس نے ملک کی جو حالت کر دی ہے

عیاں را چہ بیاں

(۴) غض بصر کے بعد چوتھی ہدایت یہ کی کہ دوسرے کے گھر میں بلا اجازت بلا سلام کہے داخل نہ ہو یہ حکم بھی اسی سورۃ کی آیۃ ۲۸ میں ہے۔

میں ان امور اور احکام پر بحث کتاب الآداب میں کر چکا ہوں یہاں صرف اشارہ کرتا ہوں۔

(۵) ان ظاہری تدابیر کے احکام دینے کے بعد اسی سلسلہ میں وہ حکم دیا جو دراصل حصول عفت کیلئے بمنزلہ جان کے ہے چنانچہ فرمایا سورۃ نور پارہ ۱۸ آیۃ ۳۲

وَتُوبُوٓا۟ إِلَى ٱللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ ٱلْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝

اے مومنو! سب کے سب اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

قرآن کریم تمام امور میں ظاہری تدابیر اور احکام کو بیان کرتے ہوئے

اصل مقصد سے الگ نہیں ہونے دیتا اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع
اور اسی سے دعا کے ذریعہ سے استعانت طلب کی جاوے اور یہ تو خاصہ
اسلام ہے کہ وہ ہر جسمانی امر میں بالآخر اللہ تعالیٰ ہی کی طرف متوجہ کرتا ہے۔

(۶) عفت اور پاکدامنی کی راہ میں ایک اور امر ہے جو اس سلسلہ میں
مختلف قسم کی بدعملیاں اور بدکاریاں پیدا کرتا ہے اور وہ ہے رہبانیت
اس لئے قرآن کریم اس کی ہدایت نہیں کرتا اس لئے کہ رہبانیت مختلف
قسم کی بدکاریوں کی ماں ہے جن کی تفصیل اس جگہ بیان کرنے کی ضرورت
نہیں غرض قرآن کریم رہبانیت سے روکتا ہے۔ اور فرماتا ہے۔

پارہ ۲۷ سورۃ الحدید رکوع ۴ آیۃ ۲۷

"پھر ہم نے ان انبیاء کے نقش قدم پر اور رسول بھیجے اور ان سب کے بعد
عیسیٰ ابن مریم کو بھیجا اور اسے انجیل دی اور اسکی حقیقی پیروی کرنے
والوں کے دلوں میں رافت اور رحم پیدا کیا اور رہبانیت انہوں نے
خود پیدا کر لی ہم نے رہبانیت کو ان پر لازم نہیں کیا تھا ہاں انہوں نے
(بظاہر) اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے اسے اختیار کر لیا مگر وہ اس کی نگہداشت
نہ کر سکے۔ پس ہم نے ان لوگوں میں سے جو مومن ہوئے ان کا اجر دیا اور اکثریت
ان میں سے فاسقوں کی رہی۔"

قرآن کریم نے اس آیۃ میں رہبانیت اور اس سے پیدا ہونے
تشریحی نوٹ والے برے نتائج کو واضح کر دیا ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ نے
بدعت قرار دیا۔ حضرت مسیح کی تعلیم میں یہ بات نہ تھی مسیحی تعلیم میں رافت و رحمۃ

انکساری اور فروتنی کی تعلیم تو تھی اور ان کے حقیقی متبعین میں اس کے آثار بھی پائے جاتے تھے۔ لیکن رہبانیت یعنے تعلقات زن وشوہر سے الگ رہنا خود تجویز کر لیا۔

قرآن کریم کسی کی نیت پر حملہ نہیں کرتا۔ اور نہ اسکی اجازت دیتا ہے اس لئے اس نے بتایا کہ بظاہر تو انہوں نے اس کو بھی رضائے الٰہی کا ایک ذریعہ قرار دیا لیکن نتیجہ ظاہر ہے ننری لاالیف پر بے شمار کتابیں، شائع ہوئی ہیں اور راہب مردوں اور راہبہ عورتوں کے بیانات انمیں مذکور ہوئے ہیں یہ ایک طبعی فطری جذبہ ہے اگر اس کو جائز طریق پر تسکین نہ دی جاوے تو لازماً اس کے نتائج برے ہوں گے اسلئے اسلام نے قرار دیا

لا رھبانیۃ فی الاسلام

بدعت اس آیۃ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بدعت کسے کہتے ہیں ہر وہ امر یا عمل جو کتاب وسنت سے ثابت نہیں اور اسے دین کا جزو بنا لیا جاوے بدعت ہوگا اور ہونا ہی چاہئے۔ اس لئے کہ عمل صالح کی بنیاد اخلاص اور صواب پر ہے۔ اور یہی کتاب وسنت پر عمل کا دوسرا نام ہے میں ان طویل مباحثات میں نہیں جاتا جو علمائے اسلام نے دماغی اور ذہنی کاوشوں کے ذریعہ بدعت کی وسعت پر کئے ہیں میں نے ایک مختصر اور صحیح اور آسان راہ عمل قرآن کریم کی روشنی میں بتادی ہے۔ غرض اسلام نے رہبانیت سے منع کیا اور دوسری جگہ فرمایا پارہ ۷ شروع آیۃ ۲۷

"مومنو! پاکیزہ چیزوں (امور) کو جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے حلال قرار دی ہیں حرام نہ ٹھیراؤ
ہاں حلال پر اس قدر زور نہ دو کہ اس میں حد سے بڑھ جاؤ۔ (غلو کرو)

اس مقام سے پہلے عیسائیوں کے راہبوں وغیرہ کا ذکر کیا تھا مبادا اس سے کسی کو مغالطہ لگ جاوے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بتایا کہ اللہ تعالیٰ کی حلال اور طیب چیزوں کو عملاً ترک کرکے حرام نہ ٹھیراؤ اور یہ بھی نہ کرو کہ اس میں اس قدر (غلو کرو کہ اعتدا کا ارتکاب ہو جاوے جس سے اللہ تعالیٰ نے منع ہی نہیں کیا بلکہ معتدین اللہ تعالیٰ کی محبت سے دور ہو جاتے ہیں۔ یہ اعلیٰ درجہ کی تعلیم صرف اسلام کا خاصہ ہے۔ نکاح کرنے کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی سنت قرار دیا اور فرمایا جس نے میری سنت کو ترک کرکے کوئی دوسری راہ اختیار کی وہ مجھ میں سے نہیں ہے

عفت کا حصن حصین

یہاں تک تو میں نے ان احکام قرآنی کو بیان کیا جو زیر شر یا الزاہی کی ذیل میں آتے ہیں قرآن کریم چونکہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قوتوں کو جو دراصل اخلاقیات کے چشمے ہیں ضائع نہیں ہونے دیتا اس لئے وہ بقائے نوع کے سلسلہ میں عفت وعصمت کی حفاظت کے لئے نکاح کا حکم دیتا ہے۔

نکاح اور اس کے متعلقات

چنانچہ فرمایا سورۃ نور پارہ ۱۸ رکوع ۴ آیۃ ۳۲

(۱) اور تم میں سے جو مجرد ہیں ان کے نکاح کردو اور تمہارے غلاموں اور لونڈیوں میں سے جو صلاحیت رکھتے ہیں ان کے بھی نکاح کردو اور اگر وہ محتاج ہوں گے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان کو غنی کردے گا۔ اللہ

وسعت دینے والا اور علیم ہے۔

نوٹ اس آیت میں جس لفظ کا ترجمہ مجرد کیا ہے وہ ایامیٰ ہے اور اس کے معنوں میں عورت اور مرد دونوں شامل ہیں جو مجرد ہوں خواہ بہ حالت بیوہ یا رنڈوے کے یا ابھی نکاح کیا ہی نہ ہو اس لئے قرآن مجید نے ایسا لفظ استعمال کیا ہے جو عمومیت اور خصوصیت کے دونوں مفہوم رکھتا ہے اسے آیت سے یہ بھی ثابت ہے کہ بیوگان کی شادی کرنی چاہئیے

نکاح کی غرض کیا ہو (۲) قرآن کریم نکاح کو محض جذبات کی سیری کا ذریعہ نہیں بناتا وہ اس ذریعہ سے انسان کی ان قوتوں کی حفاظت کرتا ہے جو بقائے نوع ہی کے لئے نہیں بلکہ اسکی عفت کے جذبات کو نشوونما دیتی ہیں اسی لئے قرآن کریم نے میاں بی بی کو ایک دوسرے کا لباس قرار دیا ہے۔ لباس انسان کی ستر پوشی کرتا ہے گویا نکاح کے ذریعہ میاں بی بی ایک دوسرے کی عریانی کی حفاظت کرتے ہیں اور ہر ایک قسم کے عیب سے جو خلاف تقویٰ و عفت ہو بچا لیتے ہیں اس طرح پر ایک دوسرے کا لباس قرار دیکر عفت و احصان کی حقیقت کو واضح کیا ہے (تفصیل کیلئے دیکھو میری کتاب الاداب - آداب لباس)

اس سلسلہ نکاح کے احکام کے ذیل میں تفصیلات تو میری کتاب **کتاب النکاح** میں ملیں گی جو زیر تالیف ہے۔ یہاں تو میں نے عفت و پاکدامنی کے حصن حصین کے سلسلہ میں نکاح کا ذکر کیا ہے۔

قرآن مجید اس کو اس قدر اہمیت دیتا ہے کہ وہ کسی کو بھی مجرد رہنے کی

اجازت نہیں دیتا غلاموں اور لونڈیوں تک اگر انہیں صلاحیت ہو۔ میں صلاحیت سے مراد ان کا بلوغ لیتا ہوں ان کے بھی نکاح کر دو۔ اور وہ ان لوگوں کو بھی جو مجرد ہوں۔ مگر مالی حالت کمزور ہو نکاح کا حکم دیتا ہے۔ اور نکاح کو من وجہ اللہ کا فضل قرار دیتا ہے اور فرماتا ہے کہ

اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے غنی کر دے گا

یہ ایک پرحکمت کلام ہے انسان فطرتاً جب اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کرتا ہے تو اسکی عملی قوتوں میں بیداری آجاتی ہے بیوی کے آجانے سے ضروریات بڑھیں گی تو محنت بھی زیادہ کرے گا۔ اور یہ فضل ربی کے جذب کا ذریعہ ہوگا۔

اکثر احکام اس سلسلہ میں کتاب الحج اور کتاب الصیام میں بھی آچکے ہیں اس لئے میں انکی طرف اشارہ کر دینا کافی سمجھتا ہوں۔

اغراض نکاح میں پہلی چیز تو ستر پوشی کو بتایا پھر سورۃ الروم آیۃ ۲۱ میں فرمایا "اور اللہ تعالے کی نشانیات میں سے ایک یہ کہ تمہارے (بقائے نوع کیلئے) تمہاری ہی جنس سے جوڑے پیدا کئے تاکہ تم ان سے تسکین حاصل کرو۔ اور تمہارے مابین محبت اور رحم کے جذبات کو ابھار دے۔ اس تعلق از دواج میں فکر کرنے والوں کے لئے نشانات ہیں۔

اور قرآن مجید کے دوسرے مقامات پر جہاں نکاح کے متعلق مختلف امور پر ہدایات دی ہیں انمیں مقدم جس چیز کو کیا ہے وہ یہ ہے کہ اس سے مقصد حصول تقویٰ ہونا چاہئے۔ سورۃ النساء شروع ہی اس سے کی گئی کہ لوگو! اپنے رب کا تقویٰ اختیار کرو۔

اور اس تقویٰ کے حصول کیلئے سلسلہ نکاح ضروری ٹھہرا تاکہ اس ازدواجی زندگی

ن سے عورتوں اور مردوں کی جماعت کی تخلیق اور اس سے سوسائٹی کا وجود پیدا ہوتا ہے
ر انکے باہمی تعلقات سے مختلف قسم کے اخلاق اور اعمال کی تربیت ہوتی ہے اور
طرح ازدواجی زندگی بہت بڑی اہمیت رکھتی ہے اور اس کا مقصد تقوی اللہ
ر دیا تقوی اللہ سے یہی مراد نہیں کہ انسان زبان سے کہے کہ میں اللہ سے ڈرتا
ں بلکہ یہ لفظ بہت وسیع المعنی ہے اس میں ان تمام ذمہ داریوں اور حقوق
نگہداشت مقصود ہے جو ایک شخص کے اپنی ذات یا دوسروں سے تعلق رکھتے
اس سورۃ النساء میں اللہ تعالیٰ مساوات انسانی اور رحم و مخلوق کے حقوق
حفاظت کا ایک آئین اور دستور پیش کرتا ہے۔

تعلق زوجین اور ان کے حقوق باہمی اور اس تعلق سے پیدا ہونے والے صلہ
کے حقوق و فرائض بجائے خود ایک مستقل کتاب کو چاہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے توفیق دی
کتاب النکاح میں اس کے تمام پہلوؤں پر بفضلہ تعالیٰ بحث کروں گا (انشاء اللہ
ز) اور اسی کے فضل سے میں امید رکھتا ہوں کہ وہ کتاب اپنے رنگ میں ایک
ح تصنیف ہوگی۔ یہاں میں نکاح کے اغراض بیان کر رہا تھا۔ اور میں نے
یا کہ اصل مقصد تقوی اللہ ہے خود قرآن کریم ایک دوسری جگہ اسی سورۃ
فرماتا ہے پارہ پنجم کے شروع میں کہ "تم پر صرف وہ عورتیں حلال ہیں جو تمہارے نکاح
میں ہیں اور اس نکاح کا مقصد شہوت رانی نہیں ہونا چاہئے بلکہ تقوی اللہ بدیوں سے بچنا
فظ اس موقعہ پر استعمال کیا گیا ہے وہ ہے محصنین غیر مسافحین
اس کا مقصد حفاظت جذبہ عفت ہو اور کسی جذبہ کے ماتحت نہیں اسکے لئے
ح ضروری ہے

اس غیر مسافحین کے لفظ نے ان تمام بدمعاشیوں اور حرام کاریوں کی جڑ کاٹ دی ہے جو آج مغربی آزادی نے پیدا کر دی ہیں اور اسی غیر مسافحین کے لفظ کے تحت فحش کے تمام دروازے بند کر دیئے گئے ہیں۔ تفصیلات اللہ تعالیٰ نے توفیق دی تو کتاب النکاح میں لکھوں گا۔ اور نکاح کے اس پاک مقصد کے اظہار میں ان تمام بدکیوں کو بھی حرام کر دیا جو نہ صرف عورت اور مرد کے تعلقات بلا نکاح سے پیدا ہوتی ہیں بلکہ وہ تمام بدیاں جو آج کی تباہ کن تہذیب نے پیدا کر دی ہیں اور حیا مانع ہے کہ میں ان کا ذکر کروں۔ صرف یہ کہتا ہوں کہ قرآن کریم اور اسلام صرف جائز تعلقات میاں بی بی کے سوا کسی صورت سے بھی اجازت نہیں دیتا کہ انسان اس عظیم الشان قوت کو ضائع کرے جو انسان کی تولید کا ذریعہ ہے۔

آخری علاج

سزائے زنا

قرآن کریم جیسا کہ میں بیان کر آیا ہوں عفت و پاکدامنی کا اعلیٰ معیار قائم کرتا ہے اور ہر قسم کی بدکاریوں سے بچنے اور باز رہنے کے طریقے خود اس نے تعلیم کئے ہیں۔ لیکن اگر کوئی شخص باوجود ان ہدایات کے پھر ارتکاب کرے تو اس کے لئے ایسی عبرتناک سزا تجویز کی ہے کہ اگر اس پر حکومتیں عمل کریں تو یہ بدی دنیا سے اگر پورے طور پر نہیں تو قریب معدوم ہو سکتی ہے۔

زانی اور زانیہ کے لئے جو سزا قرآن کریم تجویز کرتا ہے وہ سورۃ نور کے شروع میں بیان کی ہے چنانچہ فرماتا ہے (پارہ ۱۸ سورۃ نور)

الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ
جَلْدَةٍ ۖ وَلَا تَأْخُذْكُم بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ إِن
كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۖ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا
طَائِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝ الزَّانِي لَا يَنكِحُ إِلَّا زَانِيَةً
أَوْ مُشْرِكَةً وَالزَّانِيَةُ لَا يَنكِحُهَا إِلَّا زَانٍ أَوْ
مُشْرِكٌ ۚ وَحُرِّمَ ذَٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ ۝

زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والے مرد کے متعلق (یہ سزا ہے) کہ انہیں
سے ہر ایک کو سو کوڑے لگاؤ۔ اور یاد رکھو اس دین کے اللہ یعنے (فیصلہ)
کے نفاذ سے تم کو مہربانی کے جذبات نہ روکیں ہیں اگر تم اللہ اور یوم آخرۃ
پر ایمان رکھتے ہو۔ اور چاہیئے کہ سزا کے وقت مومنوں کی ایک جماعت
موجود ہو۔ آیۃ ۳ ۔ زانی مرد سوائے زانیہ یا مشرکہ عورت کے مومنہ اور عفیفہ
سے نکاح نہ کرے۔ ایسا ہی زانیہ عورت زانی یا مشرک مرد کے سوا کسی سے نکاح
نہ کرے۔ اور مومنوں کے لئے یہ تعلق ایسی عورت یا مرد سے حرام کیا گیا ہے

زنا کے ارتکاب کی اس کڑی سزا کے بیان سے بھی مقصد یہی ہے کہ
(ن) مرد اور عورتیں اس بدفعلی سے بچیں اس لئے کہ یہ ایک ایسی بدی ہے
(ج)س سے دنیا کا امن دور ہو جاتا ہے۔ حقوق وراثت متاثر ہوتے ہیں
مختلف قسم کی بدیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اور یاد رکھو کہ زنا کے لفظ میں
ہر قسم کی بدکاریاں داخل ہیں جو منکوحہ مرد و عورت کے صحیح اور جائز
(تعلق) کے سوا ہوں۔ خواہ وہ مردوں سے متعلق ہوں یا جانوروں سے یا دوسرے

ذرائع سے ان خواہشات کو پورا کرے

اس طرح پر قرآن کریم اس اخلاقی کمال عفت یا احصان کے متعلق ہدایات دیتا ہے اور اسی لئے اس کا نام احصان رکھا کہ یہ ان تمام بدیوں، اور ان کے برے نتائج سے محفوظ کر دیتا ہے جو بدکاری سے پیدا ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سب کو اس آفت سے محفوظ رکھے

* * *
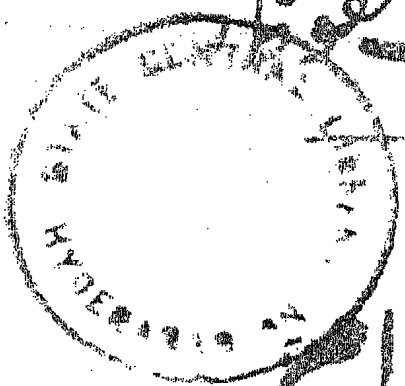
میری آیندہ

تالیفات کا پروگرام

اللہ تعالیٰ نے توفیق بخشی اور صحت و توانائی کی نعمت سے نواز اور میرے علم و فہم میں برکت دی تو آیندہ مندرجہ ذیل کتابوں کی اشاعت کا عزم ہے۔

(۱) احکام القرآن حصہ دوم (۲) تاریخ القرآن (۳) حیات احمد کی تیسری جلد (۴) رحمۃ للعالمین جلد سوم

انکے علاوہ تصوف پر بھی ایک کتاب زیر غور ہے اور قرآن مجید کے پانچ پاروں کی تفسیر بعنوان ترجمۃ القرآن کے سلسلہ میں تاکہ آخر کے سولہ پارے مکمل ہو جائیں۔ ان کے علاوہ ایک بہت بڑا عزم ہے اگر اسکی توفیق مل گئی تو میرے جاننے والوں کو حیرت ہوگی کہ اس مشت خاک نے کیا کرشمہ دکھا دیا اسکے لئے طالب دعا ہوں میری امیدوں کا سہارا اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے اب تک جو کچھ ہوا اسی کے فضل سے ہوا اور آیندہ بھی اسی کے فضل سے ہوگا۔ اور سچ یہی ہے۔

واللہ المستعان وعلیہ التکلان

۱۵ مارچ ۱۹۵۲ء خاکسار:۔ عرفانی الکبیر سکندرآباد